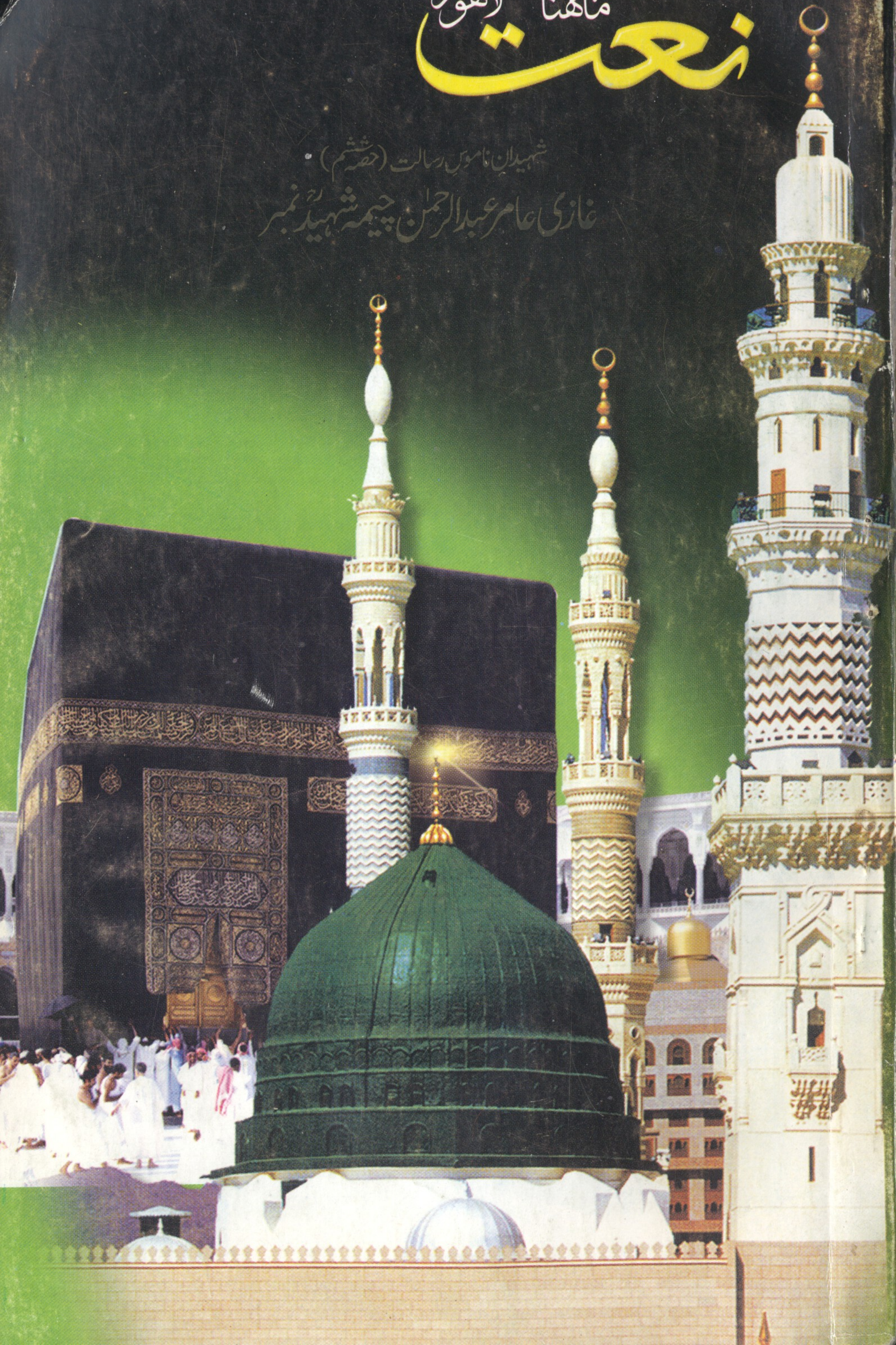
ماہنامہ لاہور

نعت

شہیدانِ ناموسِ رسالت (حصہ ششم)

غازی عامر عبدالرحمن چیمہ شہیدؒ نمبر



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باقاعدہ اشاعت کا 19 واں سال

راجا غلام محمدؒ (صدر ادارہ ابطال باطل) کی یاد میں جاری جریدہ

ماہنامہ نعت لاہور

جلد 19 | ستمبر 2006 | شمارہ 10

شہیدانِ ناموسِ رسالت (حصہ ششم)

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ نمبر

مشیر خصوصی: ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ
سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل آف پاکستان

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

ڈپٹی ایڈیٹرز: شہناز کوثر۔ اظہر محمود

مینیجر: راجا اختر محمود

پبلشرز: راجا رشید محمود
صدر ایوان نعت رجسٹرڈ

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر، جیم پرنٹرز، لاہور

کمپوزنگ/ڈیزائننگ: مدنی گرافکس فون: 7230001

بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید بک بائنڈنگ ہاؤس، 38 اردو بازار لاہور

قیمت:
15 روپے (عام شمارہ)
60 روپے (خصوصی شمارہ)
200 روپے (زرسالانہ)
عرب ممالک کے لیے 100 ریال

فون: 7463684

اظہر منزل، چوک گلی نمبر 10/5، نیو شالامار کالونی ملتان روڈ لاہور (پاکستان)
پوسٹ کوڈ: 54500

قیمت: 60 روپے

کسی بھی مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی جان، مال، والدین، اولاد اور دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت نہ کرے۔

محبت کا یہ تقاضا ہے کہ جب محبوب کی طرف کوئی میلی نگاہ سے دیکھے تو وہ آنکھیں نکال دی جائیں اور جب، محبوب وہ ذاتِ پاک ہو جو دُنیا کی ہر شے سے زیادہ افضل ہو تو اس محبوبِ پاک ﷺ پر اپنی جان نچھاور کر دینا محبت بھی ہے اور عین عبادت بھی۔

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ نے یہ عبادت کرتے وقت دُنیا کو مدِنظر نہ رکھا، صرف آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو مقدم جانا اور شہادت کا رُتبہ پا کر ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے۔

عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ نے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی جان نچھاور کر کے اُمتِ مسلمہ کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ خدا ہم سب کو عامر عبدالرحمٰن جیسی ہمیشہ کی زندگی دے۔

جو شخص بھی حضورِ نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیتا ہے، اس کے قدموں میں باقی دوسرے اپنے سر پر رکھ دیتے ہیں۔ حضرت غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید نے آج کے اس مادی دور میں ناموسِ رسالت پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر دور میں حضور ﷺ کی ناموس کی حفاظت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اب بھی ایسے غیرت مند مسلمانوں کی کمی نہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آن پر اپنی گردن کٹوانے کو ہر دم تیار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات میں بلندی عطا فرمائے۔ آمین!

ڈاکٹر شہناز کوثر

ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عہدِ حاضر میں ناموسِ رسالت کا محافظ

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ

(رحمہ اللہ تعالیٰ)

تحقیق و تجزیہ:

افضال احمد انور

فہرست

عرضِ مصنّف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم.

امابعد

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید (1977-2006) اس دور کا غازی علم الدین شہید ہے۔ محبانِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے بجا طور پر غازی علم دین ثانی کا خطاب دیا ہے۔ جاٹوں کی چیمہ برادری سے تعلق رکھنے والا یہ صالح نوجوان صحت مند، خوبصورت، ذہین اور بے حد غیور تھا۔ خوش قسمتی سے اسے ایسے ماں باپ کا شفیق سایہ نصیب ہوا، جو دینی مزاج رکھنے والے اور اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جان چھڑکنے والے ہیں۔ باپ نے محکمہ تعلیم میں ملازمت پوری کر کے ریٹائرمنٹ لی۔ ایک پروفیسر کا بیٹا، صوم وصلوٰۃ کی پابند ماں کا لختِ جگر، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے برلن کی ایک یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ اُس کا تعلیمی کیرئیر مکمل ہونے والا تھا کہ ڈنمارک سے توہینِ رسالت پر مشتمل کارٹون شائع ہوئے۔ مسلمان تلملا کر رہ گئے، ان کی بے بسی سے لطف اندوز ہو کر بعض یورپی ممالک کے اخبارات نے یہی کارٹون بارِ دگر شائع کر دیئے۔ انٹرنیٹ نے ان کارٹونوں کو دنیا کے گلوبل ویلیج میں ہر سو پھیلا دیا۔ اب مسلمانوں کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ ہر شخص نے جیسا اور جتنا ہو سکتا تھا، غم وغصہ کا اظہار کیا۔
مسلمانوں کے ستاون کے قریب ممالک اور ان کی حکومتیں سوچتی رہ گئیں، عوام دیکھتے رہ گئے لیکن ایک پاکستانی مسلم نوجوان عامر چیمہ" کو خدا نے یہ توفیق دی کہ وہ اُسی طرح گستاخِ رسول پر حملہ آور ہو، جیسے غازی علم الدینؒ ہوا تھا............ اُسے بھی شہید کر دیا گیا جیسے غازی علم الدینؒ کو شہید کر دیا گیا تھا۔

وہ کون تھا؟ کیسا تھا؟ اُس کی کہانی کیا ہے؟ یہ تفصیل جاننے کے لیے ہر مسلمان بے

تاب تھا۔ اُس کی تدفین کے بعد اس کی ضرورت اور بھی شدت سے محسوس کی گئی۔ اخبارات میں اُس سے متعلق بہت سی خبریں، بہت سے کالم شائع ہوئے، لیکن سب کچھ بکھرا ہوا۔ اسلم زبیر صاحب نے اہم کالموں کو یکجا کر کے ایک کتاب ترتیب دی، جس کا نام "غازی عامر چیمہ شہید" رکھا گیا۔ اگرچہ عنوانِ کتاب کے نیچے "تحقیق وترتیب: اسلم زبیر" درج ہے لیکن اس میں تحقیق وترتیب کے اساسی اصولوں کو مدنظر نہیں رکھا جا سکا۔

علم دوست پبلی کیشنز 25- سی لوئر مال، لاہور سے شائع ہونے والی اس کتاب پر تاریخ اشاعت تک درج نہیں۔ جن اخباری کالموں کو پیش کیا گیا ہے، عام طور سے اُن کے عنوان اور کالم نگار کا نام درج ہے، لیکن بہت سے مضامین/کالموں کے ساتھ اُن کے لکھنے والوں کا نام درج نہیں، صرف عنوان ہی درج ہے اور بنیادی چیز یعنی بنیادی حوالہ درج نہیں ہے، یہ کالم کس اخبار میں کس تاریخ کو کس صفحے پر شائع ہوا؟ کچھ پتا نہیں چلتا۔ تحقیق سے تعلق رکھنے والے طالب علم اس بنیادی علم کے بغیر جتنی دقتیں محسوس کر سکتے ہیں، اُس کا اندازہ کیا ہی جا سکتا ہے۔ تاہم اس کمی کے باوصف یہ ایک اہم تصنیف ہے کیونکہ اس میں بکھرا ہوا مواد (کسی خاص ترتیب کے بغیر ہی سہی) بہر حال یکجا شائع ہو گیا ہے اور یہ اسلم زبیر صاحب کا احسان ہے۔ اللہ کریم انھیں جزائے خیر سے نوازے، آمین۔

گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک عظیم روحانی شخصیت حضرت پیر غلام رسول علوی صاحب مدظلہ ہیں۔ راقم الحروف اُن سے دلی عقیدت رکھتا ہے۔ 1966ء سے لے کر 2006ء تک مسلسل اُن کی خدمت میں حاضریوں سے راقم نے یہی سیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عشق ہی ایمان کی اصل ہے۔ اہلِ بیتِ اطہار سے حسنِ سلوک و عقیدت اسی عشق کا تقاضا ہے اور محبان وجانثارانِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی غلامی اسی عشق کا عملی اظہار ہے۔ اُنہوں نے خود کو ہمیشہ غلام غلامانِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی لکھا ہے۔ وہ ایم۔ سی۔ ہائی سکول، گوجرہ سے بطور ٹیچر ریٹائر ہوئے۔ ساری عمر انگریزی پڑھائی۔ چھٹیوں میں بھی بچوں کو پڑھاتے، اتوار کو بھی بُلا لیتے لیکن کبھی کسی طالب علم سے ایک پیسہ تک ٹیوشن نہ لی۔ اُن سے پڑھنے والے آج بھی باپ سے زیادہ اُن کی عزت کرتے ہیں۔ وہ پڑھائی پڑھائی میں ہی طلبہ کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کا بیج بو دیتے۔ آج بھی اُن کا لباس پیوند لگا ہوا ہوتا ہے۔ سرکار ﷺ کی کالی

کملی کے احترام میں کبھی سیاہ جوتا نہیں پہنتے' ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر اُن کی آنکھیں تر ہو جاتی ہیں' جسم لرزنے لگتا ہے' کیفیت سنبھالے نہیں سنبھلتی۔ ہر معاملے' ہر بات میں ادبِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تلقین کرتے ہیں۔ پنجگانہ نماز' رزقِ حلال اور خدمتِ خلق اُن کے فرامین کے بنیادی موضوعات ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی امت کیلئے دعاؤں کا سلسلہ ہر وقت جاری ہے۔ اس سے اُن کی نسبتِ اویسی کا بھی پتا چلتا ہے۔ انتہائی پاک طینت' بے لوث' خوش دل' منکسر المزاج اور بہت بڑے عاشقِ رسولِ پاک (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) ہیں۔ حضرت سید وزیر علی شاہ صاحبؒ' حضرت پیر سید شہسوار علی شاہ صاحبؒ اور حضرت میاں عبدالرشید قلندر شہیدؒ سے فیض یافتہ یہ عظیم ہستی علاقہ میں مرجعِ خلق ہے۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر جو کچھ سیکھا' اس کا تقاضا تھا کہ حضرت عامر عبدالرحمٰن غازی شہیدؒ پر میں بھی کچھ لکھوں۔ لیکن یہ کارِ آساں نہ تھا۔ فرصت نہ ہونے کے علاوہ مواد کی عدم دستیابی بہت بڑا مسئلہ تھی۔ حکومتوں کے فیصلوں' افسروں کی ٹاپ موسٹ خفیہ خط کتابت اور وزارتِ خارجہ کی فائلوں تک رسائی راقم کیلئے مشکل ہی نہیں' ناممکن تھی۔ لے دے کے پاکستانی اخبارات و رسائل تھے' بکھری ہوئی خبریں تھیں یا انٹرنیٹ سے حاصل ہونے والی معلومات۔ بس اسی میں سے مجھے مواد تلاش کرنا تھا۔ یہ دقتیں یقیناً حوصلہ شکن تھیں' لیکن دل کی ایک خواہش کہ کاش حضرت عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ مجھے اپنے غلاموں میں شمار کر لیں' کاش میری کاوش ان کے آقا ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے اور کاش وہ اپنے پیارے آقا اور محبوبِ اعظم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بارگاہِ کریمہ میں مجھ گنہگار کی سفارش کر دیں' کاش نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے ایک غلام (غلام رسول علوی) کے شاگرد اور ایک غلام (عامر عبدالرحمٰن) کے غلام کی اس تحریر کا کوئی فقرہ پسند فرما کر مجھ کمینے پر نگاہِ کرم ڈال دیں۔ بس یہی ایک آرزو مجھے لکھنے پر مجبور کرتی رہی' سو جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے' اس میں یہی آرزو کارفرما ہے۔

مواد کی کمی کے باعث شاید محققین کو اس میں بہت سی خامیاں نظر آئیں' آنی بھی چاہئیں' لیکن میں نے جس ترتیب سے کام لیا ہے' اُس کا تسلسل شاید پسندِ خاطر ہو۔ میں تحقیق کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں' سو میں نے کوشش کی ہے کہ بے حوالہ بات نہ کی جائے' میڈیا کے علاوہ میرے پاس کوئی ذریعۂ تحقیق (Source) نہیں تھا' اسی کو ماخذ ماننا میری

مجبوری تھی۔ اخبارات اور رسائل و جرائد بھی سب کے سب مجھے دستیاب نہیں تھے' بہر حال جو کچھ دسترس میں تھا' اُس سے استفادہ کیا اور اپنی محنت نہیں بلکہ محبت پیشِ خدمت کی ہے۔

حافظ غلام مصطفٰے صاحب اور رانا کاشف شکیل صاحب نے مواد کی فراہمی میں تعاون کیا' اللہ کریم ان کی مساعی مشکور فرمائے۔

میں نے اپنے اس پراجیکٹ کا ذکر' عاشقِ جان نثارانِ رسول ﷺ اور اُردو میں نعت نبی ﷺ کے بے حد اہم محقق نیز سب سے زیادہ اُردو نعت لکھنے والے محترم راجا رشید محمود صاحب سے کیا' (میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ انہوں نے پہلے بھی غازیان و شہدائے ناموسِ رسالت پر اپنے ماہنامے "نعت" میں نمبر پیش کیے ہیں) وہ سُن کر بہت خوش ہوئے' میری حوصلہ افزائی کی اور آرام سے کام تکمیل تک پہنچانے کی نصیحت کی۔ اسی اثنا میں وہ عمرہ کرنے چلے گئے۔ یقیناً اُنھوں نے حرمین شریفین میں اس عاجز کے لیے بھی دعائیں کیں' انھی دعاؤں کا ثمرہ پیشِ خدمت ہے۔ اللہ کریم انھیں احسن الجزاء سے نوازے' آمین۔

میں' آخر میں سپاس گزار و ممنون ہوں عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کے والدِ ماجد محترم و مکرم پروفیسر محمد نذیر چیمہ صاحب کا' جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود مجھے وقت دیا۔ مسودے کا مکمل مطالعہ کیا۔ غلط تواریخ اور واقعات کی تصحیح کی اور بے حد مفید مشورے دیئے۔ میں نے انھیں صبر و استقامت کا ہمالہ پایا' وہ راسخ العقیدہ' متین' بردبار اور مہمان نواز بزرگ ہیں۔ اُن کے پاس بیٹھ کر احساس ہوتا ہے کہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں۔ اُنھوں نے تقریظ لکھ کر ایک اور احسان کیا۔ اللہ جل شانہٗ اُنھیں جزائے خیر سے نوازے' آمین۔

افضال احمد انور



تقریظ

(از قلم: پروفیسر محمد نذیر چیمہ والدِ محترم غازی عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ)

میں اللہ کا شکر گزار ہوں جس نے اپنے آخری نبی اور محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کی حفاظت کے لیے میرے لختِ جگر کی قربانی کا انتخاب کیا اور یورپ کے توہین آمیز کارٹون شائع کرنے والوں کے لیے اُسے ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی غیرت کا پرجلال استعارہ بنادیا۔ اکلوتے بیٹے سے جدائی اگرچہ بظاہر غم کا باعث بھی ہے لیکن یہ مقام شکر واطمینان ہے کہ عامر بیٹے کی شہادت کے بعد پاکستان بھر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق ومحبت کے بے پایاں مظاہر دیکھنے میں آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عامر بیٹے کی شہادت کے بعد جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی آبیاری ہوئی ہے۔ پاکستان بھر سے لوگ ملنے آتے اور محبت وعقیدت کا مظاہرہ کرتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب عامر شہید کے توسط سے حُبِ نبی ﷺ کا ہی اظہار ہے۔

پاکستان کے اہلِ قلم حضرات بھی اظہارِ عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ اخبارات، رسائل وجراید نے عامر بیٹے کے متعلق بہت کچھ شائع کیا، کالم لکھنے والوں نے محبت کی انتہا کردی۔ کچھ اہلِ قلم نے عامر شہیدؒ پر مستقل کتابیں بھی تحریر کیں۔ ان میں اکثر اخبارات ورسائل کے مختلف کالموں اور مضامین ومنظومات کو یکجا کردیا گیا ہے۔

جناب افضال احمد انور نے بھی اپنی محبت کا ثبوت دیا۔ یہ اپنا مسودہ میرے پاس لے کر آئے اور میں نے اسے اوّل تا آخر مطالعہ کیا اور جہاں ضروری سمجھا تصحیح بھی کرائی۔ انھوں نے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سے عامر شہید کے چہلم تک کے حالات بڑی محبت وعقیدت سے لکھے۔ اُن کی کتاب معلومات افزا ہے۔ کتاب کا مصنف ایک ہی ہونے کے باعث پوری کتاب میں یکسانی کی بہار ہے۔ انھوں نے دستیاب مواد کا بڑے غور سے مطالعہ کیا اور استخراج نتائج میں بڑی محنت کی ہے۔ انھوں نے کتاب میں عامر شہید کا مقدمہ ایک وکیل کی طرح لڑا ہے اور شہادت کو خودکشی قرار دینے والوں کے نقطۂ نظر کے بخیے اُدھیڑ دیئے ہیں۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی تحریر سے نمایاں ہے۔ باب بندی میں خصوصی حسنِ ترتیب ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ ان کی محبت کو اللہ کریم شرفِ قبولیت سے نوازیں اور انھیں احسن جزا عطا فرمائیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حال پر ہمیشہ نظرِ رحمت فرمائیں۔ اور یہ کاوش روزِ محشران کی بخشش کا سبب بنے۔ آمین ثم آمین!

(محمد نذیر چیمہ)

07-08-2006



تقدیم

یاحبیب اللہ!

یانبی اللہ!

یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وآلک وسلم)!

اے خاصۂ خاصانِ رُسل، اے میرِ سُبل، اے رحمتِ کُل، ابوبکرؓ وبلالؓ و اویسؒ کو اپنے عشق کی لافانی دولت عطا کرنے والے کریم، غازی علم الدین شہیدؒ کی قربانی کو پسند فرمانے والے عظیم ترین آقا! آپ کا یہ نکما اور ادنیٰ ترین اُمتی، آپ کے اس دَور کے سب سے بڑے جانثار غازی عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ سے متعلق اپنی یہ عاجزانہ تحریر لے کر آپ کے درِ اقدس پر غلامانہ حاضر ہے۔ اے اللہ کے محبوب! صلی اللہ علیک وآلک وسلم! اسے قبول فرمالیجئے۔ عامر شہیدؒ کی عظیم قربانی کا صدقہ میری اس کاوش کی جھولی میں اپنی پسند کی خیرات ڈال دیجئے۔ میری کیا اوقات ہے، آپ کے در پر تو ایوبیؒ وزنگیؒ، سنجر وسلیم، رومیؒ وجامیؒ، جنیدؒ وبایزیدؒ، سعدیؒ واقبالؒ جیسے سر جھکائے جھولی پھیلائے کھڑے ہیں۔ اے شہنشاہوں کے شاہ! اے محبوبِ خدا، اے خاصۂ تخلیق، اے جانِ کائنات، اے رحمتِ عالمین! اپنے در کے اس ادنیٰ ترین بھکاری پر ایک نظرِ عنایت! وہ بھی حسنین کریمین کا صدقہ! اس بے علم، نکمے، عاجز کی اس غلامی، اس کاوش، اس تحریر کو قبول فرمالیجئے۔

آپ ﷺ کا غلام زادہ

اِفضال احمد انور



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام مسلمانوں اور میرے والدین سے گزارش ہے کہ مجھے جیل میں مرنے کی صورت میں جلد از جلد بغیر پوسٹ مارٹم کے جنت البقیع میں یا کسی بہت بڑے قبرستان میں دفنایا جائے تاکہ آخرت میں میرے لیے آسانی ہو۔ میرے والدین سے گزارش ہے کہ اگر مجھے (سعودی عرب) جنت البقیع میں دفن کرنے کا انتظام ہو جائے تو اس کی اجازت دے دیں۔ دوسری صورت میں کسی ایسے بڑے قبرستان میں دفنائیں جہاں بہت سے نیک لوگوں کی قبریں ہوں۔ اور میرا جنازہ بڑا کرنے کی کوشش کریں تاکہ میرے لیے آسانی ہو۔

باقی تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کریں اور غائبانہ نماز جنازہ (اگر ہو سکے تو) ادا کریں تاکہ میرے لیے آسانی ہو۔ میں تمام لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ان شاء اللہ میری موت خودکشی ہرگز نہیں ہوگی۔

عامر عبد الرحمٰن

ایک تسمہ کا کفارہ میرے ذمہ شاید واجب الادا ہے ادا کر دیں

میرے والدین، بہنوں اور دیگر عزیز و اقارب و دوستوں اور تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ میرے گناہ معاف کر دیں اور میرے ذمہ کوئی قرض ہو تو معاف کر دیں اور میرے لیے دعا کریں تاکہ آخرت کے حساب کتاب میں میرے لیے آسانی ہو۔ میرے لیے بخشش کی دعا کریں۔ اللہ آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے۔

اگر ہو سکے تو خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں کوئی میرے لیے دعا کرے۔

سعودی حکومت سے درخواست ہے کہ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں میرا نام لے کر دعا (جنازہ) کروائی جائے تاکہ میرے لیے آسانی ہو اور مجھے جنت البقیع میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے

مختصر سوانح حیات

گوجرہ (ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے ایک نواحی گاؤں سارو کی سے چیمہ خاندان کا ایک گھرانا 1978ء میں وزیر آباد کے نواحی گاؤں سارو کی چیمہ میں رہائش پزیر ہوا (جن اخبارات و رسائل میں نقل مکانی کا سن 1976ء دیا گیا ہے بقول پروفیسر محمد نذیر چیمہ' وہ غلط ہے)۔ اس خاندان کے سربراہ کا نام غلام حیدر چیمہ تھا' جو عامر شہیدؒ کے دادا جان ہیں۔ (جن اخبارات و رسائل میں دادا جان کا نام غلام رسول تحریر ہے وہ اس لیے درست نہیں کہ غلام رسول چیمہ دراصل غلام حیدر چیمہ کے برادرِ خُرد کا نام ہے) (غلام حیدر 1967ء میں فوت ہوئے' گوجرہ سارو کی میں دفن ہیں)۔

غلام حیدر چیمہ کو خدا نے پانچ بیٹوں سے نوازا۔

(۱) بشیر احمد چیمہ (پاکستان نیوی' کراچی کی سروس سے ریٹائر ہو کر سارو کی چیمہ میں رہائش رکھتے ہیں)

(۲) پروفیسر محمد نذیر چیمہ (غازی عامر چیمہ شہیدؒ کے والد ماجد' فزیکل ایجوکیشن کے اُستاد' گورنمنٹ حشمت علی کالج' راولپنڈی میں اپنی ساٹھ سالہ ملازمت پوری کر کے یکم فروری 2006ء کو ریٹائر ہوئے۔ ایم۔ بی۔ ہائی سکول' گوجرہ سے میٹرک کیا اور گورنمنٹ کالج گوجرہ میں بھی ابتدا میں پڑھاتے رہے) آج کل ڈھوک کشمیریاں (راولپنڈی) میں رہائش پزیر ہیں۔

(۳) منظور احمد چیمہ (وزیر آباد کے قریب موضع سارو کی چیمہ میں رہائش پزیر' کھیتی باڑی کرتے ہیں)

(۴) اقبال احمد چیمہ (ملازمت کے دوران میں انتقال کر گئے)

(۵) عصمت اللہ چیمہ (کراچی میں ذاتی کاروبار کرتے ہیں)

ان بھائیوں کی والدہ کا نام سردار بی بی ہے' جو بفضلہٖ بقیدِ حیات ہیں۔ ان بھائیوں میں بھی اللہ کریم نے پروفیسر محمد نذیر چیمہ کو بطورِ خاص اپنی رحمت کے لیے چنا' کیونکہ انھی کے لختِ جگر' نورِ نظر سے ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جان قربان کرنے کا عظیم کام لیا۔ ان کی ذاتی رہائش راولپنڈی کے محلہ ڈھوک کشمیریاں میں ہے۔ مکان نمبر 319-Z-45 ہے۔ اب اس کے ماتھے پر شہید منزل کا بورڈ تمغے کی طرح چمکتا ہے۔

عامر عبدالرحمٰن چیمہ 4 دسمبر 1977ء بروز اتوار بمطابق 22 ذوالحجہ 1397ھ اپنی ننھیال گڑھی اعوان میں صبح 8 اور 9 بجے کے درمیان وقت میں پیدا ہوئے۔ (پرائمری سکول میں داخلے کے وقت 6 دسمبر 1977ء درج ہو گیا' جو صحیح نہیں۔ بہر حال ان کے قومی شناختی کارڈ اور تمام اسناد پر 6 دسمبر کی تاریخ ہی درج ہے جبکہ پروفیسر نذیر چیمہ کے بقول اصل تاریخِ ولادت 4 دسمبر ہے۔ ننھیالی گاؤں کا نام بعض لوگوں نے اعوان والی دیا ہے' درست گڑھی اعوان ہے) عامر کی والدہ ماجدہ ثریا بیگم نے عامر اور والدِ محترم نے عبدالرحمٰن نام رکھا۔ یوں مکمل نام عامر عبدالرحمٰن ہوا۔

عامر چیمہ کی نانی محترمہ بیگم بی بی 1977ء میں حج کرنے گئیں۔ وہاں اُنھوں نے خواب دیکھا کہ میری بیٹی (عامر شہید کی والدہ) کو جنت کی حوروں نے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ آنکھ کھلی تو بے حد فکر مند ہو گئیں کہ میری بیٹی کے ہاں ولادت کے دن ہیں' کہیں وہ زچگی ہی میں فوت نہ ہو جائے۔ جب وہ پاکستان واپس آئیں تو سٹیشن پر بھی یہی فکر تھی کہ بیٹی کو حوروں کے جھرمٹ میں دیکھنے کی تعبیر کہیں اُس کی وفات نہ ہو۔۔۔۔ پروفیسر نذیر چیمہ صاحب نے راقم کو بتایا کہ یہ خواب انھیں عامر کی ولادت کے وقت آیا تھا' البتہ عامر کی والدہ کے حوروں کے جھرمٹ میں ہونے کا مطلب عامر کی شہادت کے بعد سمجھ آیا ہے۔

پروفیسر نذیر چیمہ کو خدا نے تین بیٹیاں عطا کیں۔ (ا) صائمہ (ب) کشور (ج) سائرہ۔

عامر تینوں بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ وہ صائمہ اور کشور سے چھوٹا جبکہ سائرہ سے بڑا تھا۔ عامر نے اپنی زندگی کے چار برس اپنے ننھیال میں گزارے۔ عامر نے ڈھوک کشمیریاں کی محمدی مسجد میں ناظرہ قرآن مجید پڑھا۔ پانچویں جماعت تک گورنمنٹ پرائمری سکول ڈھوک کشمیریاں' راولپنڈی میں تعلیم حاصل کی۔ پانچویں میں وظیفہ لیا۔ گورنمنٹ جامع ہائی سکول ڈھوک کشمیریاں' راولپنڈی سے سائنس کے ساتھ 1993ء میں میٹرک کا امتحان 689

نمبر حاصل کر کے پاس کیا' اس نے میٹرک کا امتحان نمایاں پوزیشن سے یوں پاس کیا کہ اسکول کی لوحِ امتیاز پر اس کا نام آج بھی درج ہے۔ ایف ایس سی (پری انجینئرنگ گروپ) کا امتحان 1996ء میں فیڈرل گورنمنٹ (F.G.) سرسید کالج' مال روڈ' راولپنڈی سے 816 نمبر حاصل کر کے پاس کیا۔ اس کے بعد وہ نیشنل کالج آف ٹیکسٹائل انجینئرنگ فیصل آباد میں داخل ہوا۔ یہاں سے ٹیکسٹائل انجینئرنگ میں چار سالہ بی ایس سی کی ڈگری 2000ء میں حاصل کی۔ بی ایس سی کی یہ ڈگری لیڈنگ ٹو ایم ایس سی تھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اُس نے 30 ہزار روپیہ ماہانہ مشاہرہ پر ماسٹر ٹیکسٹائل ملز رائے ونڈ میں ملازمت اختیار کر لی۔ یہاں فرش کی ٹائلوں پر اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شبہ ہوا تو منیجر سے ٹائلیں بدلنے کا مطالبہ کیا۔ جب دوسرے لوگوں نے عامر کی ہاں میں ہاں نہ ملائی اور انھوں نے کہا کہ اسم پاک نہیں بنتا' تو عامر نے یہ کہ کر نوکری چھوڑ دی کہ مجھے تو لگتا ہے اور میں ان ٹائلوں پر اپنا قدم نہیں رکھ سکتا۔ اس سے عامر کے دل میں احترامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھلک نظر آتی ہے۔

اس نے ڈیڑھ برس تک الکرم ٹیکسٹائل مل' کراچی میں بطور پراسسنگ انجینئر ملازمت کی۔ اس کے بعد بحیثیت لیکچرار یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی' لاہور میں کچھ عرصہ پڑھایا بھی۔ اس دوران میں اُس کے دل میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش بیدار ہوئی۔ چنانچہ اُس نے ایم ایس سی لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے جرمنی جانے کا پروگرام بنایا۔

عامر 26 نومبر 2004ء کو جرمنی کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں اُس نے کل چار سمسٹرز پاس کرنا تھے۔ اسے نیدرہین یونیورسٹی آف اپلائیڈ سائنسز کے شعبہ ٹیکسٹائل اینڈ کلودنگ مینجمنٹ میں داخلہ ملا جو بے وے ریان ہے (Bavarian) میں ہے Neiderhein University of Applied Sciences Bavarian, (Moenchengladbach) بے وے ریان جرمنی کے علاقہ کے شہر مونشن گلاڈباخ کی اس یونیورسٹی میں وہ ایم ایس سی لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری کے حصول کے لیے رات دن محنت کرنے لگا۔ سمسٹر ختم ہونے پر وقفہ ہوتا تو اپنے عزیزوں سے ملنے برلن آجاتا۔ جرمنی میں قیام کے دوران میں اُسے محض ایک بار پاکستان آ کر والدین سے ملنا

نصیب ہوا' جب وہ کچھ دن رہ کر 22 اکتوبر 2005ء کو جرمن پلٹ گیا۔ وہ اپنے کورس کے تین سمسٹرز بخیر وخوبی پاس کر چکا تھا۔ چوتھا (آخری) سمسٹر جاری تھا کہ ڈنمارک سے توہینِ رسالت پر مبنی کارٹونوں کی اشاعت نے جہاں دیگر عالمِ اسلام کو ہلاک کر رکھ دیا' وہاں عظیم وغیور عاشقِ رسول عامر عبدالرحمٰن چیمہ کو بھی تڑپا دیا۔ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو وہ ماں باپ' دنیا جہان' ہر ڈگری' ہر امتحان' ہر کامیابی سے بڑھ کر پیار کرتا تھا۔ اس کے خون کا قطرہ قطرہ ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لیے بہ جانے کے لیے بے تاب تھا' وہ گستاخِ رسول کے وجود کو برداشت کر ہی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اُسے سب کچھ بھول گیا۔ اُس کے دل' دماغ اور اعصاب پر ایک ہی آرزو سوار ہوگئی کہ کاش گستاخِ رسول کو جہنم واصل کرنے کی سعادت اُسے مل جائے۔ قدرت بھی شاید اُس سے یہی عظیم کام لینا چاہتی تھی' تبھی تو اُسے پاکستان سے جرمنی لائی تھی۔ اسی واقعے کی خاطر تو وہ غازی علم دینؒ کا معترف ہی نہیں' مرید بھی تھا۔ ڈنمارک اور ناروے کے بعد کئی یورپی ممالک نے وہ ناپاک کارٹون شائع کیے تھے۔ جرمنی کے شہر برلن سے نکلنے والے اخبار ڈائی ویلٹ (Die Welte) کے چیف ایڈیٹر ہینرک بروڈر (Henryk Broder) کی گستاخ شرارت نے عامر عبدالرحمٰن چیمہ" کا سکون چھین لیا۔

جرمنی کے شہر برلن ہی میں اُس کی ماموں زاد بہن فاخرہ کوثر اپنے میاں (آصف) اور بچوں کے ساتھ رہتی ہے۔ عامر اکثر چھٹی گزارنے بہن کے پاس برلن چلا آتا۔ یہاں اُس نے ہینرک بروڈر پر حملہ کر کے اُسے شدید زخمی کر دیا' جسے ہسپتال پہنچا دیا گیا لیکن چند دن موت وحیات کی کشمکش میں سسکنے کے بعد موت نے اُسے ٹھنڈا کر دیا۔ پولیس نے عامر کو گرفتار کر لیا۔ 20 مارچ 2006ء کو اُس نے حملہ کیا۔ 3 مئی 2006ء کو اُسے اذیت دے کر شہید کر دیا گیا۔ 4 مئی کو اس کے والدین کو پھانسی کی خبر دی گئی۔ اُس کی شہادت کی خبر پھیلتے ہی پاکستان میں ایک بار پھر ہنگامے جاگ اُٹھے۔ 13 مئی 2006ء کو اُس کی میت جرمنی سے لاہور لائی گئی اور 13 مئی 2006ء ہی کو وہ اپنے آبائی گاؤں ساروکی چیمہ میں امانۃً دفن کر دیا گیا۔ جولائی 2006ء میں اس کی شادی کا پروگرام تھا لیکن اس کا موقع ہی نہ آیا۔

اس نے صرف 28 برس چار ماہ 29 دن عمر پائی اور جاں نثارِ مصطفےٰ' امام العاشقین' سیّد المجاہدین اور محسن المومنین کے تمغے سینے پر سجا کر خالقِ حقیقی سے جاملا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

موت نے تو ایک دن آنا ہی ہوتا ہے لیکن عامر نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدولت موت کو شکست دے کر ہمیشہ کی زندگی پالی۔ میرا یقین ہے کہ غازی علم الدین شہیدؒ کی روح اُسے کشاں کشاں دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک لے گئی ہوگی اور وہ اللہ جل مجدہٗ کے خصوصی انعام واکرام سے مستفیض ہو رہا ہے۔ اللہ کریم غازی عامر چیمہ شہیدؒ کے جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مسلمانوں کی تمام نسلوں میں ماند نہ پڑنے والے ایک دائمی غیور جذبے کی صورت میں زندہ ودرخشندہ رکھے' آمین۔

اُس کی تعلیم سے متعلق کچھ معلومات درج ذیل ہیں: اُس کی تعلیمی اسناد پر اُس کا نام ''عامر عبدالرحمٰن چیمہ ولد مسٹر محمد نذیر چیمہ'' درج ہے۔ تاریخ پیدائش 06-12-1977 درج ہے۔ جبکہ ایڈریس یوں ہے: مکان نمبر 45-Z-319 ڈھوک کشمیریاں' راولپنڈی۔

میٹرک: گورنمنٹ کمپری ہینسو ہائی سکول' راولپنڈی (رجسٹریشن نمبر: 1993/9380 910002 رول نمبر: 106538 نمبر حاصل کردہ: 689/850 ڈویژن فرسٹ (راولپنڈی بورڈ)

ایف ایس سی: ایف۔ جی۔ سرسید کالج' راولپنڈی

رجسٹریشن نمبر 9520 130001

1995-5508167

حاصل کردہ نمبر 786/1100 ڈویژن فرسٹ۔ فیڈرل بورڈ (بعد میں دوبارہ امتحان دیا اور 816/1100 نمبر لیے) بی ایس سی آنرز (چار سالہ کورس لیڈنگ ٹو ایم۔ ایس۔ سی):

N.C.T.E فیصل آباد میں تاریخ داخلہ 20-08-1996

کالج رول نمبر 906۔ رجسٹریشن نمبر 95-UET-CTE-113

پنجاب سیٹ پر داخلہ ہوا۔ نیشنل کالج آف ٹیکسٹائل انجینئرنگ فیصل آباد میں امتحانات میں مختلف چار برسوں میں حاصل کردہ نمبر:

سالِ اوّل: 746/1250

سالِ دوم: 677/1250

سالِ سوم: 606/1250

سالِ چہارم: 773/1250

کامیابی کا نوٹیفیکیشن نمبر S-2000/02/99 مورخہ 12-10-2002

اس تعلیمی چارٹ پر ایک نظر ڈالنے سے بھی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ عامر عبدالرحمٰن چیمہ ایک ذہین' محنتی اور کامیاب طالب علم تھا۔ اگر اُس کی ایم ایس سی لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی کے تمام مراحل مکمل ہو جاتے اور وہ پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی لکھ لیتا تو یقیناً ڈاکٹر کہلاتا۔ بہت بڑے اعزاز کی یہ ڈگری پا کر اُسے یقیناً بہت بڑی خوشی ہوتی لیکن اُس نے یہ اعزاز' یہ خوشی اپنے پیارے آقا' محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر کے جو خوشی حاصل کی ہے' جو مرتبہ اور اعزاز پایا ہے' اُس کا ادراک صاحبِ بصیرت ہی کر سکتے ہیں۔ حیات عبداللہ نے کتنا صحیح لکھا ہے:

''عامر چیمہ واقعی پی ایچ ڈی کر گیا' ایک ایسی پی ایچ ڈی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کی حلاوتوں سے سرشار ہے' ایسی پی ایچ ڈی جس نے اسے جنت کا شہزادہ اور حوروں کا دولھا بنا دیا ہے۔ (ہفت روزہ غزوہ ص 2۔ 12 تا 18 مئی 2006ء)

حقیقت یہ ہے کہ کون ومکاں اور دو جہاں کی ہر چیز وفادارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہو جاتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

شکل وصورت

عامر عبدالرحمٰن سیاہ گھنے بالوں والا ایک بھرپور نوجوان تھا۔ اس کا ماتھا فراخ' آنکھیں خاندانی اثرات کے تحت ذرا سی اندر کو دھنسی ہوئیں' لیکن بے حد خوبصورت' چہرہ وجیہ' سیاہ مونچھیں' جو اوپر والے ہونٹ کے دونوں کناروں سے ذرا آگے اور نیچے کو نکلی ہوئیں' ٹھوڑی صاف' پلکیں اوپر کو اٹھی ہوئیں' رخسار بھرے ہوئے اور رنگ گندمی گورا تھا۔ اُس کا قد بے حد وجیہ تھا۔ وہ صاف ستھرا لباس پہنتا اور نگاہیں نیچی رکھتا۔ اس کا چہرہ مردانہ وجاہت کا آئینہ دار تھا۔ پاکیزہ اطوار وخصائص نے اُسے اور بھی جاذب ودلکش بنا دیا تھا۔ دائیں رخسار پر آنکھ کے نیچے دائیں نتھنے سے ذرا ہٹ کر سیاہ تل اس کی خوبصورتی کو مزید بڑھاتا تھا۔ قد چونکہ 5 فٹ ساڑھے 9 انچ تھا' لہٰذا اس جسامت کے ساتھ بہت پھبتا تھا۔ جسم نہ بہت پتلا'

نہ بہت موٹا بلکہ معتدل پھرتیلا تھا۔ ہونٹ پتلے' گلابی اور بے حد خوبصورت تھے۔ ابرو کان کی جانب (آخر سے ذرا پہلے) اوپر کو اُٹھے ہوئے تھے۔ جرمنی جانے سے تقریباً تین برس پہلے اُس نے ڈاڑھی رکھ لی لیکن اس احساس سے کہ کہیں یورپی ملک میں کوئی اُسے طالبان یا القاعدہ کا ممبر ہی نہ سمجھ لے مجبوراً جرمنی میں جا کر ڈاڑھی کی قربانی دینی پڑی۔ پروفیسر محمد نذیر چیمہ صاحب نے بتایا کہ اُس نے جرمنی سے جو اپنی آخری تصویر بھیجی' اس میں مونچھیں بھی صاف کروادی تھیں۔ مونچھیں صاف کرانے کا واقعہ مارچ 2006ء کا ہے' اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے گستاخ پر حملہ کرنے سے پہلے باقاعدہ ایک منصوبہ بنایا اور جرمنوں کی بے جا روک ٹوک سے بچنے کے لیے مونچھیں صاف کروادیں۔

اوصاف وخصائص

عامر عبدالرحمٰن چیمہ ایک شرمیلا' کم گو' بے حد محنتی' ذہین' مودب اور حوصلہ مند جوانِ رعنا تھا۔ وہ ہر معاملے میں دھیمے پن کا مظاہرہ کرتا' لیکن بے انتہا غیرت مند ہونے کے باعث وہ کسی کی کسی قسم کی زیادتی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ ایسے مواقع پر وہ زبان و دل کے علاوہ ہاتھوں سے بھی ظلم کو روکنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ وہ تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ ماں باپ' عزیز و اقارب' اہلِ محلہ سب اُس سے محبت کرتے' وہ بھی محبت کا جواب ادب اور محبت سے دیتا۔ سب سے بڑھ کر اُسے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تھی۔ ناموسِ رسالت کے منافی وہ کوئی بات سننے یا برداشت کرنے کا یارا نہ رکھتا تھا۔ وہ بچپن ہی سے صالح دوستوں کے ساتھ میل جول رکھتا' چونکہ گھرانا پابندِ صوم وصلوٰۃ تھا لہٰذا عامر بھی اسی رنگ میں رنگا گیا۔ وہ پانچ وقت کا نمازی' سچ بولنے والا اور خدمت شعار جوان تھا۔ رمضان کے روزے بہت اہتمام سے رکھتا اور نیکی کے کاموں کی طرف مائل رہتا۔ وہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باعث بکثرت درودِ پاک پڑھا کرتا۔ ساروکی چیمہ میں اُس کی تدفین کے وقت عام صحافی حضرات گاؤں والوں سے اُس کے چال چلن کے متعلق پوچھتے تو حیران رہ جاتے کہ عامر کتنا پاکیزہ دل' نیک سیرت انسان تھا۔

''ساروکی چیمہ میں جس شخص سے بھی ملاقات ہوئی' اُس نے عامر شہید کی بڑی تحسین کی۔ اس کے مثالی کردار' چال چلن' فرماں برداری' ہونہاری اور نیک سیرتی کی تعریف کی''۔

(ماہنامہ پھول' لاہور' ص 12۔ جون 2006ء)

حکیم راحت نسیم سوہدروی کا ایک بیان روزنامہ نوائے وقت میں یوں رپورٹ ہوا ہے:

''عامر عبدالرحمٰن بچپن ہی سے دیندار اور اہلِ علم کی محبت میں وقت گزارنا پسند کرتا تھا۔ ساروکی چیمہ میں جس شخص سے بھی ملاقات ہوئی اُس نے عامر شہید کی بڑی تحسین کی''۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور' ص 9۔ 13 مئی 2006ء)

اُس نے ڈھوک کشمیریاں میں واقع اپنے گھر سے قریبی محمدی مسجد میں قرآن مجید ناظرہ پڑھا۔ بچپن ہی سے اُس کی عادات بہت پاکیزہ تھیں' گالی گلوچ' لڑائی جھگڑے اور وقت کے ضیاع سے اُسے کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔ وہ جسمانی و ذہنی طور پر غیر پاک صاف بچوں کے پاس کبھی نہ بیٹھتا۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے قدرتِ کاملہ شروع ہی سے اس کی خصوصی حفاظت کر رہی تھی۔ عامر چیمہ دراصل بستانِ محبت کا وہ گلِ سرسبد تھا' جسے فطرت خوشبوؤں' پاکیزگیوں اور خصوصی انوار میں گوندھ کر محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ کریمہ میں تحفۂ پیش کرنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔

عامرؒ کے متعلق باپ کا بیان

''بیٹے کی شہادت پر فخر ہے' اللہ رب العزت نے میری پسندیدہ چیز کی قربانی قبول کر لی ہے۔ ہمیں اپنے بیٹے کی شہادت پر کوئی غم نہیں بلکہ ہم خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کی قربانی کسی خاص مقصد کے لیے قبول کر لی ہے۔ عامر چیمہ شہید شروع ہی سے محققانہ ذہن کا مالک تھا اور اس کے اندر اچھی خصلتیں پائی جاتی تھیں۔ میرا بیٹا غازی علم الدین شہیدؒ کا وارث ٹھہرا ہے۔ پورے خاندان کو اپنے اس فرزند کی قربانی پر فخر ہے''۔

ایک انٹرویو میں پروفیسر محمد نذیر چیمہ نے اپنے فرزند عامر شہیدؒ کے متعلق بتایا:

''تعلیم پر اس کی بہت توجہ تھی' فارغ نہیں بیٹھا رہتا تھا۔ نہ کبھی اُس نے وقت ضائع کرنے والوں کو اپنا دوست بنایا تھا۔ اس کی دوستی بھی بہت کم لوگوں کے ساتھ تھی''۔

(غازی عامر چیمہ شہید ص ۳۹' علم دوست پبلی کیشنز' لاہور' 2006ء)

''میرے بیٹے کا سینہ عشقِ رسول ﷺ سے لبریز تھا اور متعین راہ پر چلتے ہوئے اس نے جان کا نذرانہ پیش کرنے میں ذرا بھر بخیلی سے کام نہیں لیا اور شہادت کا جام نوش کر گیا۔ وہ بچپن ہی سے مذہبی میلان رکھنے والا انتہائی باشعور نوجوان تھا''۔

(غازی عامر چیمہ شہیدؒ مرتبہ اسلم زبیر ص 45)

''میرا بیٹا شروع ہی سے مذہب کی جانب راغب تھا' اور اس کے دل میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اس کی عقیدت بچپن سے ہی تھی''۔ (غازی عامر چیمہ شہید ص 39)

''غازی عامر شہید پنجگانہ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا اور تہجد گزار تھا' وہ نیچی نگاہ رکھنے والا مومن مرد تھا''۔ (روزنامہ ایکسپریس۔ص 1 کالم 3۔14 مئی 2006ء)

پروفیسر نذیر چیمہ صاحب نے راقم الحروف سے گفتگو فرماتے ہوئے بتایا:

''اللہ نے اس کا مزاج ایسا بنا دیا تھا کہ گالی اُس کی زبان سے نکل ہی نہیں سکتی تھی۔ دوسری اہم بات یہ کہ عامر نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے پیشِ نظر سادات کے لیے اس کے دل میں خاص احترام تھا' لہٰذا وہ سادات کرام کے خلاف کسی کی کوئی بات برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ والدین کا انتہائی مودب اور محبّ تھا۔ اس نے میری یا اپنی والدہ کی کبھی حکم عدولی نہیں کی۔ اگر اس کے مزاج کے خلاف بھی بات ہو جاتی تو وہ احتجاج تک نہ کرتا' صرف خاموشی اختیار کرلیتا۔ ہم اس کی خاموشی سے اندازہ کرتے کہ وہ بات کو محسوس کر گیا ہے۔ اُس نے والدین کے جذبات کا ہمیشہ خیال رکھا اور ہمیشہ کوشش کی کہ کبھی اس کے کسی قول یا فعل سے ماں باپ کو شکایت کا موقع نہ ملے''۔

شہیدؒ کی والدہ محترمہ کا بیان

ذرا اُس ماں کے غم کا احساس کیجئے' جس کا جواں سال اکلوتا بیٹا دیارِ غیر میں شہید کردیا جائے۔ جس کے مستقبل کی گود تک خالی ہو جائے' اُس کا کیا حال ہوا ہوگا لیکن آفرین ہے عظیم شہید عامر چیمہؒ کی عظیم والدہ ثریا بیگم پر' جنھوں نے بیٹے کی قربانی کو سعادت جانا اور اللہ کی رضا پر صبر کیا۔ وہ خود عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس قدر سرشار ہیں کہ ان کا بیان ہے:

''میرا بیٹا اعلیٰ ڈگری لینے جرمنی گیا تھا اور وہاں سے ایسی ڈگری لے کر آیا ہے کہ اس سے بڑی کوئی ڈگری نہیں۔ اگر میرا کوئی اور بیٹا ہوتا تو میں اسے بھی اسی راستے پر بھیجتی۔ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کی شہادت قبول فرمائے''۔

(محمد عارف عثمان: عامر چیمہ شہیدؒ ص 12۔ پھول' لاہور' جون 2006ء)

''ہمیں فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بیٹے کو شہادت کا درجہ دیا اور ناموسِ رسالت پر

جان قربان کرنے کا شرف بخشا ہے۔ جانا تو سب نے ہے' لیکن اتنی شان سے کوئی کوئی جاتا ہے اور عظیم انسان روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اس کے جانے کا دُکھ تو ہے' کیونکہ وہ اکلوتا بیٹا تھا' لیکن ساتھ فخر بھی ہے کہ اس نے کس طرح اپنا اور ہمارا سر فخر سے بلند کیا ہے''۔

(روزنامہ نوائے وقت ص 8 کالم 7۔ 10 مئی 2006ء)

''عامر میرا بہت لاڈلا تھا' میں اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی اور اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ شاید میرے دل کے نہاں خانے میں کوئی ایسی چیز تھی کہ بسا اوقات میں اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہتی تھی' لیکن میرا جی نہ بھرتا تھا۔ عامر تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا' یہ اللہ کا انعام تھا اور اس کا جامِ شہادت نوش کرنا میرا فخر اور اعزاز ہے''۔

(غازی عامر چیمہ شہیدؒ۔ص 46)

عامر شہیدؒ کی بہنوں کا بیان

عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید تین بہنوں کا اکلوتا اور بڑا ہی پیارا بھائی تھا۔ راقم الحروف (افضال احمد انور) کو شہید کی تدفین کے موقع پر عامر شہیدؒ کے انکل بشیر چیمہ نے بتایا تھا کہ اس کی بہنیں اکثر اس کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ عامر اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھے لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے کسی عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔

محمد عارف عثمان اُن کی بہنوں کا بیان یوں لکھتے ہیں:

''آخری دفعہ 6 مارچ 2006ء کو کزن کی شادی کے موقع پر عامر بھائی نے مبارکباد کے لیے فون کیا۔ عامر بھائی ہماری ہر بات مانا کرتے تھے' کبھی انکار نہیں کرتے تھے۔ ہم نے اپنے بھائی جیسا' بہت خیال رکھنے والا اور بہت محبت کرنے والا بھائی کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ہم تینوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائی کو اتنی شان بخشی''۔ (محمد عارف عثمان' عامر چیمہ شہید۔ ماہنامہ پھول' ص 12۔ جون 2006ء)

عامر شہیدؒ کی بہنوں کا ایک بیان یوں بھی رپورٹ ہوا ہے:

''وہ بہت ذمہ دارانہ صلاحیتوں کا مالک تھا اور اپنی ہر ذمہ داری بڑی خوش اُسلوبی سے ادا کرتا تھا۔ اسی لیے اس نے گستاخِ رسول پر حملے کو اپنی ذمہ داری سمجھا''۔

(روزنامہ نوائے وقت' لاہور' ص 8 کالم 7۔ 10 مئی 2006ء)

عامر نذیرؒ کے چچا بشیر احمد کا بیان

عامر چیمہ شہیدؒ کی تدفین کے موقع پر شہید کی قبر کے نزدیک راقم الحروف (افضال احمد انور) کی عامر چیمہ شہیدؒ کے چچا بشیر احمد سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بتایا: عامر بچپن ہی سے بہت نیک بچہ تھا۔ پرہیز گار' نمازی اور درود وسلام پڑھنے والا۔ چونکہ تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا' لہٰذا بہنیں اُس پر واری ہو ہو جاتیں۔ وہ بزرگوں کا بہت ادب کرنے والا تھا۔ اُس نے بہت موقعوں پر کہا کہ مجھے (عامر چیمہ کو) اکثر یوں خیال آتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کوئی بڑا کام لینا ہے۔ وہ یقیناً عام جوان نہیں تھا' وہ بڑا مسلمان تھا' بہت بڑا مسلمان! (یہ کہتے ہوئے بشیر احمد کی آنکھیں بھیگ گئیں)۔

عامر نذیرؒ کے چچا عصمت اللہ کا بیان

کراچی میں رہنے والے چچا عصمت اللہ چیمہ سے بھی شہید عامر کی قبر پر ملاقات ہوئی۔ یہ تدفین کا وقت تھا' ٹوٹی ہوئی سلوں کی جگہ نئی سلیں آنے میں دیر کے باعث تدفین کا عمل رُکا ہوا تھا۔ اس اثنا میں چودھری عصمت اللہ چیمہ نے راقم (افضال احمد انور) کو بتایا کہ عامر بہت پیارا بیٹا تھا' وہ بہت محبت کرنے والا تھا' ہمیں بھی اُس سے بہت محبت تھی۔ وہ بچپن ہی سے بڑا عاشقِ رسول تھا۔ حضور نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام نامی سن کر اس کی عجیب حالت ہو جاتی' وہ بڑی عقیدت سے دونوں انگوٹھے ملا کر چومتا اور پھر انگوٹھوں کو بار بار آنکھوں پر ملتا۔ کہیں ذکرِ رسولؐ ہوتا تو عامر کی حالت دیدنی ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ اللہ کریم نے عامر کو بچپن ہی سے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت وغلامی کے لیے چن لیا تھا۔

ان کا ایک بیان اخبار کی زینت بھی بنا:

''وہ بڑا نیک بچہ تھا۔ اُس نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا تھا''۔

(روزنامہ ایکسپریس ص 5 کالم 3۔ 14 مئی 2006ء)

عامر شہیدؒ کے ایک اُستاد کا بیان

غازی عامر چیمہ شہیدؒ نیشنل ٹیکسٹائل کالج (اب یونیورسٹی) فیصل آباد میں محترم اسحاق جاوید صاحب' اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ٹیکسٹائل کیمسٹری سے پڑھتے رہے' جب اُن

سے عامرؒ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے یہ تحریر عطا کی:

''عامر چیمہ بطور ایک طالب علم بہت مؤدب' نیک' باحیا اور ذہین لڑکا تھا' وہ بہت جلد بات کو Pick کر لیتا تھا۔ پڑھائی میں درمیانہ لیکن Active لڑکا تھا۔

وہ ایک بہت ہی کم گو اور اپنے کام سے کام رکھنے والا لڑکا تھا۔ وہ زیادہ سنتا تھا اور کم بولتا تھا۔ اکثر باتوں کا جواب وہ ہنس کر دیتا تھا۔

پڑھائی کے دوران سٹرائیک کے دنوں میں اکثر مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ وہ دوسرے لڑکوں کا درد رکھنے والا لڑکا تھا۔ اس لیے اس نے سٹرائیک کے دوران بڑی محنت سے ایک APTAMA Questionair کی مینجمنٹ کے خلاف تیار کیا تھا' جو کہ آنے والے لڑکوں کی فیسیں بڑھانا چاہتے تھے۔ اس کی کوششوں کی وجہ سے یہ مسئلہ کافی حد تک حل ہو گیا تھا۔

Textile Chemistry کے شعبہ میں سب سے زیادہ لڑکیاں ہوتی ہیں۔ لیکن عامر چیمہ نے میری یادداشت کے مطابق 4 سالوں میں کسی لڑکی سے بات تک نہیں کی۔ حتیٰ کہ وہ لڑکیوں کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا' جبکہ اس کے باقی Class Fellow اکثر ان کے پیچھے پھرتے تھے۔

دینی حمیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایک دو بار جب ایک دو سٹوڈنٹس نے حضور ﷺ کی شان میں کچھ کمی کرنے کی بات کی اور اُس کو پتا چلا تو وہ مشتعل ہو گیا اور کہنے لگا کہ ان سے نبٹنا چاہیے۔ دوسرے دوستوں نے اُس کو سمجھا بجھا کر اس معاملے کو طریقہ سے Solve کیا۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (اقبال)

عامر چیمہ کی عادات وسکنات سے یہ لگتا تھا کہ وہ Future میں کوئی بڑا کام کرے گا۔ لیکن ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اتنا بڑا کام کر جائے گا کہ آنے والی نسلیں اس پر فخر کریں گی۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے عامر جیسے لڑکے کو پڑھانے کا شرف حاصل کیا۔

اسحاق جاوید
اسسٹنٹ پروفیسر (شعبہ ٹیکسٹائل کیمسٹری)
نیشنل ٹیکسٹائل یونیورسٹی
فیصل آباد



عامر چیمہ کے گہرے دوست ہارون احمد خاں آفریدی کے بقول:

''عامر انتہائی جی دار، محبت کرنے والا، مخلص اور صحیح معنوں میں یاروں کا یار تھا۔ عامر اللہ کے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے والا اور نبی ﷺ کے دشمنوں اور گستاخوں سے سخت نفرت کرنے والا تھا۔ وہ وعدہ کا پکا اور دوستوں کے مسائل حل کرنے کے لیے اپنی ذات کو نظر انداز کر دینے والا تھا''۔

(غازی علم دینؒ سے غازی عامر چیمہ تک از محمد مقصود احمد، ص 108۔ ناشر دار المحمود)

عامر چیمہ کے ایک استاد عبداللہ خاں نیازی کے بقول:

''..........اس میں کوئی بُری عادت نہیں دیکھی۔ وہ خاموش طبیعت کا مالک تھا، لیکن اس موقع پر اُس نے جو کام کیا، وہ ارب ہا مسلمانوں پر بازی لے گیا''۔

(غازی علم دین سے غازی عامر چیمہ تک، ص 108۔ ناشر المحمود)

عامر چیمہ شہیدؒ کے ایک گہرے دوست محمد عثمان اسحاق کا بیان

محمد عثمان اسحاق صاحب نیشنل ٹیکسٹائل کالج (اب یونیورسٹی) فیصل آباد میں عامر چیمہؒ کے کلاس فیلو اور گہرے دوست تھے۔ اُنھوں نے عامر شہیدؒ کے متعلق جو تحریر انگریزی میں لکھ کر دی، وہ گواہی دیتی ہے کہ عامر شروع ہی سے کیسا لڑکا تھا۔ وہ کم گو، ہنس مکھ، ہمدرد اور پاکیزہ سیرت جوان تھا۔ وہ لڑکیوں سے میل جول تو در کنار، اُن کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ وہ ظلم کے خلاف فوراً کمر بستہ ہو جاتا تھا۔ یہ تحریر یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ محافلِ میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ذوق وشوق سے شرکت کیا کرتا تھا۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت کرتا تھا۔ (محمد عثمان اسحاق آج کل اسلام آباد میں ہیں) تحریر یوں ہے:

Amer Cheema

Aamer was a very good friend of his fellows. He was a less speaking person. He was a simple person every time he was smiling. He has very noble character. I never see him involving in any bad habit like other students like smoking drinking or involving in girls. I never hear him speaking about

the girls. He was a self-complacent person. He was an intelligent person. In his studies he was medioker but his IQ level was very high. He attended mahafil-e-mustafa some times.

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری

Aamer Cheema had a most precious asset that was "Enthusiastic Love with Prophet Muhammad SAW". We saw this in His sayings and now in his act. This was His God gifted nature. He becomes aggressive when he hear wrong about Prophet. He seems an exceptional person as per my remembrance. A most special task was assigned by Allah which made him immortal. A true and complete Muslim is that who loves with Prophet Muhammad SAW. Love can be judged by saying and act. He was completed in his sayings and now in his act which is burly evidence of his passionate love with Prophet Muhammad SAW. May Allah bless upon Him.

He becomes famous in Muslims. As we know the Hadith:

The Propher sal Allaho alayhe wa sallam told us that when Allah sub'haanohu wa ta'aala loves a person he calls to Jibreel alayhis sallam saying:"O

Jibreel, I love such and such a person so love him". Then Jibreel will call to the (angels) of the heavens, "Allah loves such and such a person so love him". And the angels will love him. And then Allah sub'haanohu wa ta'alla will place love on earth for him.

And we can analyze from this that His love with Allah and Prophet Muhammad PBUH was firm.

Muhammad Usman Ishaque (close friend) MCS(senior programmer softwarehouse Islamabad)

عامر چیمہ شہیدؒ کے ایک اور دوست کا بیان

آصف منیر صاحب بھی عامر کے طالب علمی کے زمانے کے دوست ہیں۔ عامر صاحبؒ کے متعلق ان کی تحریر بھی انگریزی زبان میں ہے:

Aamir Cheema

A great man with outstanding personality is born in each century. Aamir Cheema is the great personality of this century. The great people are identified by thier attributes from the very beginning. Same was the case with Aamir Cheema. During College life we found him virtuous, sincere, co-operative, taciturn,straight forward and brave. We observed no hypocrisy and bad habits in him. He had grim determination to perform any task especially religious tasks. One day he said to his father that Allah will take special duty from him in

future. Now his prediction has been proved true.

He had great love with Holy Prophet Hazrat Muhammad (PBUH). He was very much emotional in the matter of the end of Prophethood. During college life a Qadiani student was preaching his doctrine to misguide Muslim students. Aamir Cheema could not bear it and became very emotional. He decided to take aggressive step against him but we advised him to settle the matter in other way. We succeeded in convincing him with great difficulty. This was the indication of great love and respect for Holy Prophet Hazrat Muhammad (PBUH) in his heart. He could not hear any wrong word against Holy Prophet Hazrat Muhammad (PBUH).

In fact, he is the Hero of the Muslims in this century. The muslim nation is in great need of Heroes like Noor-ud-Din Zangi, Salah-ud-Din Ayyubi and Aamir Cheema. May God provide us the leaders like these Heroes to restore the dignity of Muslim Nation. May his soul rest in peace. Aamin.

Aamid Munir
General Manager
Anjum Textile Mills (Pvt.) Ltd.
(Spinning Division)
Sheikhupura.

عامر چیمہ شہیدؒ کا عشقِ رسول ﷺ

مغز قرآں، روح ایماں، جانِ دیں
ہست حُبِّ رحمۃ للعالمیں ﷺ

عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطائے خدائے عزوجل ہے' وہ اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی لازوال نعمت مخصوص دلوں ہی میں رکھتا ہے۔ ویسے تو وہ مومن ہی نہیں جسے اپنی جان اور جہان کی ہر شے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیارے نہ ہوں' لیکن عشق ومحبت کا یہ سرمدی خزانہ بعض خوش نصیبوں کو عجیب ہی انداز سے نصیب ہوتا ہے' جن پر کائنات فخر کرتی ہے۔ اویس قرنیؓ اور بلال حبشیؓ سے لے کر غازی علم الدین شہیدؒ تک عاشقانِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایک عظیم قافلہ ہے' جس میں اب عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ بھی بفضلہٖ تعالیٰ شامل ہو چکا ہے۔

عامر چیمہ شہید کے متعلق جو معلومات ملیں' ان کے مطابق وہ پیدائشی عاشقِ رسول ﷺ تھا۔ اُس کے چچا عصمت اللہ چیمہ نے راقم الحروف کو ساروکی میں بتایا کہ وہ بچپن ہی سے بڑا عاشقِ رسولؐ تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ نامی سن کر اس کی حالت عجیب ہو جاتی' وہ بڑی عقیدت سے دونوں انگوٹھے ملا کر چومتا اور پھر ان انگوٹھوں کو دیر تک آنکھوں سے ملتا رہتا۔ اُس کی والدہ محترمہ کا بیان ہے کہ وہ شروع سے غازی علم الدین شہیدؒ کے ساتھ ایک خاص عقیدت رکھتا تھا۔ ان کے بقول:

''جب کبھی بھی توہینِ رسالت کے بارے میں کوئی خبر چھپتی' وہ بہت بیکل ہو جایا کرتا تھا۔ اب میں سوچتی ہوں کہ وہ اکثر غازی علم دین شہید کا ذکر کیا کرتا تھا' جیسے وہ اس کی پسندیدہ شخصیت ہو''۔ (نوائے وقت ص3۔16 مئی 2006ء)

اُس کی ماموں زاد بہن جرمن میں رہتی ہے' عامر اکثر چھٹی وہیں گزارتا۔ جب جرمن کے مسلمانوں نے توہین آمیز خاکے چھاپے تو برلن کے مسلمانوں نے ایک احتجاجی جلوس نکالا' عامر اُس میں خود تو شریک نہ ہو سکا البتہ اُس جلوس کے متعلق گھر والوں سے پوچھتا رہا کہ جلوس کیسا تھا' کتنے شرکا تھے۔ کیا اس کی وجہ سے کسی مجرم گستاخ کو حکومت سزا دے گی؟ وغیرہ' وہ کارٹونوں کی اشاعت کے بعد غمگین' چپ چاپ اور کھویا کھویا رہنے لگا

تھا۔ دراصل وہ اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کرتا بھی کیسے' وہ غازی علم دین شہید کا بڑا عقیدت مند تھا۔ اُس نے ثریا بیگم جیسی عظیم ماں کا دودھ پیا تھا' اُس نے محمد نذیر چیمہ جیسے محبِّ نبیؐ کے زیرسایہ پرورش پائی تھی۔ اس کی یہ حالت' اس کا یہ کرب اس کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل ہے۔ نیشنل ٹیکسٹائل کالج (اب یونیورسٹی) فیصل آباد میں اُس کے بہت قریبی دوست محمد عثمان اسحاق صاحب نے گواہی دی کہ وہ محافلِ میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شرکت بھی کیا کرتا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے اُسے بہت ہی پرجوش اور سرگرم محبت تھی۔ اس کی گفتگو میں اکثر عشقِ مصطفےٰؐ چھلکتا تھا۔ یہ چیز اُس میں خدا کا خاص عطیہ تھی۔ وہ سرکار ﷺ کے خلاف نازیبا بات سنتے ہی مشتعل ہو جایا کرتا۔ عشقِ رسول ﷺ قول اور فعل سے پرکھا جاتا ہے۔ ساری عمر اُس کے قول اور اب عمل نے اس کے عشقِ رسول ﷺ کو ثابت کیا ہے۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُس کا عشق بہت مضبوط ہے۔ (اصل انگریزی تحریر راقم کے پاس محفوظ ہے) اسکی بہن کے بقول وہ غازی علم الدین شہید پر لکھی گئی کتب پڑھا کرتا تھا۔ (نوائے وقت، 16 مئی 2006ء)

اس کے لڑکپن کے ایک واقعے سے اس کی دینی غیرت اور عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتا چلتا ہے۔

جب وہ ایف۔ جی سرسید کالج (مال روڈ) راولپنڈی میں ایف ایس سی کی تعلیم حاصل کر رہا تھا تو اُس نے ایک دن اپنے والد بزرگوار سے درخواست کی' وہ کسی ٹیچر سے ٹیوشن پڑھنا چاہتا ہے۔ والد صاحب اُس ٹیچر کو جانتے تھے' حیرت سے کہنے لگے:

''بیٹا! وہ ٹیچر تو میٹرک لیول کا ہے۔ تم اس سے جو پڑھنا چاہتے ہو' اس کا تمھاری ایف ایس سی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر اُس سے ٹیوشن پڑھنے کا فائدہ؟

عامر چیمہ نے تڑپ کر جواب دیا: ابوجی! بات دراصل یہ ہے کہ وہ ٹیچر جو پڑھاتا ہے' مجھے اُس سے غرض نہیں کیونکہ ٹیوشن تو حقیقت میں صرف ایک بہانہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ مرتد ہو گیا ہے اور ہمارے پیارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا رہتا ہے۔ میں اُسے سزا دے کر جہنم واصل کرنا چاہتا ہوں۔

باپ نے پیار سے سمجھایا: بیٹا! تمہارا جذبہ بہت قابلِ قدر ہے لیکن کسی شخص کو سزا دینا ہمارا نہیں' حکومت کا کام ہے۔ اس واقعے کے بعد باپ نے محسوس کیا کہ اس کا بیٹا ناموسِ

رسالت کے تحفظ کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ پروفیسر محمد نذیر چیمہ کے اپنے الفاظ میں:

''عامر کی بات۔ نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا' مجھے یقین آ گیا کہ وہ معوذ ؓ و معاذ ؓ کا سچا پیروکار ہے'' (دو بچے جنھوں نے جنگِ بدر میں دشمنِ رسول ابوجہل کو سزا دی تھی)۔

(مجلّہ الدعوۃ' لاہور ص 11 کالم نمبر 3۔ جون 2006ء' نیز ماہ نامہ ضیائے حرم ص 83' شمارہ جون 2006ء)

عامر شہید کے والد گرامی کا یہ بیان حقیقی گواہی نہیں تو اور کیا ہے؟

''خاتم المرسلین ﷺ اور دین کی محبت اس کے جسم میں خون بن کر دوڑتی تھی''۔

(مجلّہ الدعوۃ ص 11 کالم 3۔ جون 2006ء)

انٹرنیٹ سے عامر چیمہ شہید سے متعلق جو معلومات ڈاؤن لوڈ کی گئیں' اُن میں سے ایک ٹائلوں والا واقعہ بھی ہے' لیکن انٹرنیٹ کی معلومات کے مطابق عامر چیمہ ؒ کے اس واقعہ کا تعلق جرمنی سے ہے' جو درست نہیں۔ کیونکہ عامر چیمہ شہید ؒ کے والد گرامی کی تصدیق یہ ہے کہ اس واقعے کا تعلق رائے ونڈ' پاکستان سے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں تعلیم سے فارغ ہو کر عامر چیمہ نے ملازمت کر لی۔ وہ ماسٹر ٹیکسٹائل ملز رائے ونڈ میں 30 ہزار ماہوار پر کام کرتا تھا' جس کے فرش پر آرائشی ٹائلیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ ٹائلیں پرانی ہو گئیں اور گھسنے کے باعث عامر چیمہ کو ایسے لگا' جیسے ان ٹائلوں کے فرش پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمایاں ہو گیا ہو۔ اُس نے اُس دفتر کے منیجر سے کہا کہ یہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا اسم گرامی ہے' میں اس پر چل نہیں سکتا' لہٰذا ان ٹائلوں کو بدل دیا جائے۔ اُس منیجر نے کہا کہ میں بعض دوسرے لوگوں سے بھی پوچھوں گا' اگر وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ واقعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ نامی ہے تو میں یقیناً ٹائلوں کو بدل کر نئی ٹائلیں لگوا دوں گا۔ جب دوسرے لوگوں سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ہمیں نہیں لگتا کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔

اب عامر کے پاس کوئی دلیل نہ رہی' لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ یہ میرے آقا ﷺ کا نام ہے' میں اس پر پاؤں نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ عامر نے اُس مل کی جاب کو چھوڑ دیا۔ پروفیسر حبیب اللہ چشتی نے یہی واقعہ فیصل آباد کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب عامر فیصل آباد میں ایک ٹائل بنانے والی فیکٹری میں کام کرتے تھے تو اس فیکٹری میں ایسے ڈیزائن والی ٹائل تیار ہوتی تھی جسے دیکھ کر ہلکا سا شبہہ پڑتا تھا کہ کہیں وہ اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نہ

ہو۔ عامر نے اس پر شدید احتجاج کیا اور اس ڈیزائن کو بند کروانے کے لیے سر توڑ کوشش کی لیکن جب کسی نے اس کی بات نہ مانی تو عامر نے احتجاجاً وہ سروس ہی چھوڑ دی۔

(ماہنامہ ضیائے حرم' لاہور ص 83' جون 2006ء)

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے کا تعلق فیصل آباد سے نہیں۔ خود عامر شہید کے والد کا مجلّہ الدعوہ جون 2006ء کے صفحہ نمبر 11 پر یہ بیان موجود ہے کہ ٹائلوں والے اس واقعے کا تعلق ماسٹر ٹیکسٹائل ملز سے ہے' جو رائے ونڈ میں ہے۔ ارشاد احمد راشد کا بیان ہے:

''کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جنھیں اللہ کسی خاص کام کے لیے چن لیتا ہے۔ بلاشبہ عامر چیمہ شہید بھی انھی چیدہ لوگوں میں سے تھا۔ ساروکی میں عامر چیمہ کے والد محترم' چچا' بہنوئی' والدہ' دیگر رشتہ داروں اور اس کے دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ ان ملاقاتوں میں عامر چیمہ کے جو تفصیلی حالات معلوم ہوئے' ان کے مطابق عامر چیمہ شروع ہی سے تحفظ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والہ و شیدا تھا۔

اس کی زندگی کا مقصد و محور آقائے کائنات علیہ السلام کی محبت تھی۔ یہ محبت بچپن ہی سے اس کے رگ و ریشہ میں خون بن کر دوڑ رہی تھی۔ جب تحفظ ناموس رسالت کی بات آتی تو وہ بپھرا شیر بن جاتا اور غیظ و غضب سے بھر جاتا۔ یہ وہ جذبہ تھا جو جوان ہونے کے ساتھ ساتھ کم ہونے یا مٹنے کے بجائے بڑھتا چلا گیا۔ اس جذبہ کو بیدار کرنے اور پروان چڑھانے میں یقیناً بنیادی کردار اس کے والدین اور گھر کے ماحول کا تھا''۔

(ماہنامہ الدعوۃ' لاہور' ص 9۔ جون 2006ء)

فیصل آباد نیشنل ٹیکسٹائل انجینئرنگ کالج میں اُس کے بعض ہم جماعت دوستوں اور بعض جونیئرز سے اُس کے کردار کے بارے میں گفتگو کا موقع راقم الحروف کو حاصل ہوا۔ ایک بات پر سب متفق تھے کہ:

''عامر بھائی' بظاہر خاموش طبع' اپنے کام سے کام رکھنے والے' بے حد متین و سنجیدہ طالب علم تھے' تاہم وہ کسی طرح کی زیادتی' کسی نوع کا ظلم اور کسی انداز کی بے ایمانی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کے لیے فوراً تیار ہو جاتے تھے۔ وہ فیئر آدمی کی بہت قدر کرنے والے تھے لیکن غلط آدمی کا اپنے پاس سایہ بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ اللہ نے اُنھیں بنایا ہی ظلم کے خلاف میدان میں آنے کے لیے تھا۔

حافظ بلال اور این ٹی ای کے بعض طلبہ کا زبانی بیان

عامر چیمہ کے دوستوں کا مندرجہ بالا بیان بھی اُس کے کردار کے صاف، سچ اور پاک نیز بیباک ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ لگتا ہے قدرت اُسے تحفظِ ناموسِ رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے بڑی محنت سے پال رہی تھی۔ اُس کا کردار دوپہر کی دھوپ کی طرح بے داغ، چودھویں کے چاند کی طرح دلکش اور صاف و شفاف تھا، اُس کے جسم کا رُواں رُواں غلامیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سرشار تھا اور اُس کی روح عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گندھی ہوئی تھی۔ نیشنل ٹیکسٹائل کالج فیصل آباد (اب یونیورسٹی) کے ایک اُستاد (جن سے عامر باقاعدہ ٹیکسٹائل کیمسٹری پڑھتا رہا) نے بتایا:

"دینی حمیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایک دو بار جب ایک دو سٹوڈنٹس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کچھ کمی کرنے کی بات کی اور اُس کو پتا چلا تو وہ مشتعل (Agressive) ہو گیا اور کہنے لگا: ان سے نبٹنا چاہیے۔ دوسرے لوگوں نے، دوستوں نے سمجھا بجھا کر اس معاملے کو طریقہ سے Solve کیا۔

(محترم اسحاق جاوید صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ٹیکسٹائل کیمسٹری کی اصل تحریر راقم کے پاس محفوظ ہے)

اس واقعے سے بھی اس حقیقت سے آگاہی ہوتی ہے کہ قدرت نے اُس کے خمیر میں وہ شے رکھی ہی نہیں تھی جو شانِ رسالت میں ذرا سی بے ادبی، تنقیص یا اہانت کو برداشت کر سکے۔ ہینرک بروڈر کو جہنم واصل کرنے والے کو خدا کس نہج پر تربیت دے رہا تھا، سبحان اللہ! اور پھر سب سے بڑی دلیل یہ کہ جب وہ جرمنی میں گستاخ ہینرک بروڈر پر حملہ آور ہوا اور قید کر لیا گیا، اس پر تشدد کی انتہا کر دی گئی تو بھی اس کے پائے عشق و استقلال میں ذرا سی بھی لغزش نہ آئی۔ بقولِ اقبال

ع ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

جرمن پولیس اُس سے یہ بیان لینے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ نفسیاتی دباؤ کا شکار تھا یعنی پولیس یہ چاہتی تھی کہ عامر کے حملے کو عشقِ رسول ﷺ کے بجائے سائیکالوجیکل پرابلم قرار دے کر بے معنی اور لاحاصل بنا دیا جائے لیکن عامر نے کبھی یہ تسلیم نہ کیا اور ہر بار یہی کہا کہ اُس نے عالمِ ہوش میں خوب سوچ سمجھ کر اُس گستاخ پر حملہ کیا ہے اور صرف اپنے

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کے لیے ایسا کیا ہے۔ یہی معرکہ غازی علم الدین شہید کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ اُس نے بھی اور غازی عامر نے بھی ایک ہی جواب دے کر ثابت کر دیا کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقاضے کیا ہیں۔

جرمن پولیس نے اُسے 2 مئی 2006ء کو عدالت میں پیش کیا۔ سوال و جواب کے دوران میں ایک پولیس آفیسر نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں (نعوذ باللہ) کچھ نازیبا الفاظ بولے، عامر اس وقت بے بس تھا کہ اُس کے ہاتھ مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے، وہ چاروں طرف سے پولیس کے گھیرے میں تھا، لیکن وہ تڑپ اٹھا، بڑے غصے سے اُس گستاخ کی طرف بڑھا، پولیس اہلکاروں نے اس اسیر کو پکڑ کر مزید بے بس کر دیا تو اس نے بڑی نفرت سے اور بڑے غصے سے اُس گستاخ افسر کے منہ پر زور سے تھوک دیا۔ آسمان اُس کی جرأت پر دنگ رہ گیا، زمین اس کے جذبہ تحفظِ ناموسِ رسالت پر جھوم اُٹھی۔ اقبال کی روح نے بڑھ کر داد دی

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا　　شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہو کاری

2 مئی 2006ء کو یہ واقعہ ہوا اور 3 مئی 2006ء کو جرمن پولیس نے مشہور کر دیا کہ اُس نے خودکشی کر لی ہے۔ حالانکہ اُس نے جیل سے ایک خط اپنے گھر والوں کو پہنچایا کہ میں خودکشی نہیں کروں گا اور اگر مجھے شہید کر دیا جائے تو مجھے مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں دفن کر دیا جائے یا پھر کسی ولی اللہ کے مزار کے پاس جہاں بہت سے لوگ فاتحہ خوانی کے لیے آتے ہوں۔ مدینہ منورہ میں دفن ہونے کی خواہش، اُس کے عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم ثبوت ہے۔ یہ وہ خواہش ہے جو ہر عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہے، اسی خواہش نے علامہ اقبال سے کہلوایا تھا ؎

ہست شانِ رحمتت گیتی نواز　　آرزو دارم کہ میرم در حجاز

یہ عامر چیمہ کے عشقِ رسولؐ اور جانثاری کا نتیجہ ہے کہ آج پاکستان کے کروڑوں دلوں کی دھڑکن میں وہ جی رہا ہے۔ وہ محبت بن کر دل دل میں اتر گیا ہے، وہ خوشبو ہو کر ذہن ذہن تک پھیل گیا ہے۔ لوگوں میں اُس کا احترام ہے۔ لوگ اس کے تابوت کو چھونا، چومنا اپنے لیے باعثِ سعادت و شرف سمجھتے تھے، لوگ اس کی قبر پر سچے خادموں کی طرح کھڑے تھے، حکومتی تحفظات کے باوجود پاکستانی میڈیا نے جس طرح اُس کی خبریں عوام تک

پہنچائیں، کالم نویسوں نے جس طرح اُسے اپنی تحریروں کی زینت بنایا، شاعروں نے جس طرح اُسے خراجِ تحسین پیش کیا، یہ سب صرف اور صرف اُس کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نتیجہ تھا۔ نوبت بایں جا رسید کہ میاں حبیب صاحب کی اطلاع کے مطابق:

''عقیدت کا یہ عالم ہے کہ ایک بہت بڑا سرکاری افسر عامر چیمہ کے والد کو ملنے کے لیے گیا، تو وہ اپنی گاڑی میں جوتی اتار کر ننگے پاؤں عامر چیمہ کے گھر گیا کہ ان گلیوں میں عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پھرتا رہا ہے، میں ان گلیوں میں جوتیاں پہن کر نہیں جا سکتا۔ لوگوں نے عقیدت کے طور پر عامر چیمہ کے گھر منوں پھول ڈھیر کر دیئے''۔

(غازی عامر چیمہ شہید ص 32۔ علم دوست پبلی کیشنز، لاہور 2006ء)

عامر چیمہ کے ساتھ محبت عام پاکستانی مسلمان ہی نہیں کرتے بلکہ خاص بھی کرتے ہیں۔

عامر چیمہ شہیدؒ کے والد پروفیسر نذیر چیمہ صاحب نے راقم الحروف کو بتایا کہ عامر کی تدفین کے بعد ایک دن ایک مست مجذوب اُن کے گھر کے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ بڑی ہی عقیدت سے ہمارے گھر کو دیکھ رہا تھا۔ بہت منت کے بعد اُس نے صرف اتنا بتایا کہ اُس کی ڈیوٹی لگی ہے کہ "وہ ہمارے عامر کے گھر کی زیارت کر کے آئے۔"

عامر نذیر چیمہؒ کے ساتھ محبت ہی کا رشتہ ہے کہ نیشنل ٹیکسٹائل یونیورسٹی فیصل آباد کے آٹھویں سمیسٹر (فائنل ایئر) کے ایک طالب علم (بی ایس سی سپیشلائزیشن وِد گارمنٹ مینو فیکچرنگ ٹیکنالوجی) منیر احمد رضوان الحق نے اپنے تحقیقی مقالے '' Sewing Threads Quality Parameters and Selection Criteria" (Session 2001-2005) کو عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کے نامِ نامی سے منسوب کیا ہے۔ انتساب کی عبارت دیکھیے:

We setaside our thrash about to Mr. Amir Abdur Rehman Cheema Shaheed who preffered his entity for protecting the cachet of Holy Prophet Muhammad(PBUH).

یوں اس عظیم عاشقِ رسولؐ کے نام اپنی تصانیف معنون کرنے کا سلسلہ چل نکلا ہے۔ یہ بات صرف اہلِ قلم تک ہی نہیں رہی بلکہ اہلِ ہمت کھلاڑیوں نے بھی اُس کے نام پر اُس

کی یاد میں میچ منعقد کرانے کا آغاز کر دیا ہے۔ ایک خبر ملاحظہ کیجیے:

''گوجرہ کے نواحی گاؤں نمبر 307 ج۔ب سارو کی میں غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید کی یاد میں کبڈی کا ایک میچ منعقد ہوا۔ جس میں عامر شہیدؒ کے والد محترم پروفیسر نذیر چیمہ مہمانِ خصوصی تھے۔ کھلاڑیوں کو انعامات تقسیم کرتے ہوئے رکن پنجاب اسمبلی چودھری بلال اصغر وڑائچ ایڈووکیٹ نے کہا کہ عامر چیمہ شہید نے اپنی جان کی قربانی دے کر عالمِ اسلام کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ ان کی شہادت ہمیں اتحاد و یگانگت کا درس دیتی ہے''۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 6 کالم 7۔ 16 جولائی 2006ء)

مندرجہ بالا گزارشات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ پیدائشی طور پر منتخب (Selected) تھا۔ قدرتِ کاملہ اُس سے ناموسِ رسالت کے تحفظ میں عظیم ترین قربانی کا کام لینا چاہتی تھی۔ اسی لیے اُس کے ذہن میں، دل میں، خون میں، سانسوں میں، نس نس میں، ریشے ریشے میں عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوڑتا تھا۔ بقول اقبال

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

اللہ کریم اس سچے اور سچے عاشقِ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درجات مزید بلند کرے اور اس کا جذبۂ محبت جوانانِ اسلام میں بھر دے۔ آمین۔

بآں گروہ کہ از بادہ وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

توہینِ رسالت پر مبنی خاکوں کی اشاعت

توہینِ رسالت پر مبنی 12 عدد کارٹون سب سے پہلے 30 ستمبر 2005ء کو ڈنمارک کے اخبار جیلنڈز پوسٹن نے 12 عدد شائع کیے۔ ان سے یہ تاثر پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی تھی کہ (نعوذ باللہ) بانیِ اسلام حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن کے داعی نہیں بلکہ جنگ و ہلاکت کی سوچ رکھنے والے ہیں۔ وہ نبی ﷺ جس کو خود خدا رحمۃ للعالمین فرمائے، جو یکسر کرم ہی کرم ہو، جس نے عرب کے جنگجو قبیلوں کو شیر و شکر کیا ہو، جس نے بچیوں کو زندہ دفن کرنے کی بُری رسم کو دفن کیا ہو، جس نے بے سہاروں کو سہارا دیا ہو، جس نے عورتوں کو ظلم کی چکی سے نجات دلائی ہو، جس نے عین جنگ میں بھی فصلوں کو تباہ کرنے، بچوں کو قتل کرنے اور مقابلے پر نہ آنے والوں کو مارنے سے منع کیا ہو، جس نے طائف میں پتھر کھا کر بھی بددعا نہ دی ہو، جس نے یتیموں کے سر پر دستِ شفقت رکھا ہو، جس نے بے

بس بیواؤں کو تکریم دی ہو' جس نے چوری' لوٹ مار' ڈکیتی' ناحق قتل جیسے گناہوں سے روکا ہو'
جو پیامبرِ امن ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس نے فتح مکہ کے موقع پر' ستانے اور ستم
ڈھانے والے دشمنوں کو "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" (تم پر آج کوئی پکڑ دھکڑ نہیں) فرما
کر انھیں آزاد کر دیا ہو۔ جو اس دنیا میں بھی ہر مخلوق کے لیے رحمت ہو اور جو آخرت میں بھی
رحمت ہی رحمت ہو' جس کی رحمۃ للعالمینی ہر ہنگامۂ عالم میں مسلّم ہو' وہ کیسے امن دشمن ہو سکتا
ہے۔ ایک فرضی کارٹون کے سر کی پگڑی میں بم دکھا کر اُسے ختمی مرتبت ﷺ سے منسوب
کرنے کی جسارت کو کوئی مسلمان کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ چنانچہ ڈنمارک کے مسلمانوں
نے صدائے احتجاج بلند کی۔ بات پھیلی تو دوسرے ملکوں تک بھی پہنچی۔ چنانچہ چند مسلمان
ممالک کے سفیروں نے ڈنمارک کے وزیراعظم سے ملاقات کا وقت مانگا لیکن وزیراعظم
ڈنمارک نے انھیں ملنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ کارٹونوں کی اشاعت کا مسئلہ آزادیِ
اظہار سے متعلق ہے' لہٰذا اس پر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ امریکہ' برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک
نے ڈنمارک کی پشت پناہی کی' چنانچہ ڈنمارک کے وزیراعظم نے فخریہ اعلان کیا کہ ہم اکیلے
نہیں ہیں۔ اس سے یہ شہ پا کر جنوری 2006ء میں بائیس ممالک کے 75 اخبارات و
رسائل نے یہ کارٹون دوبارہ شائع کر دیئے۔ ساتھ ہی انٹرنیٹ پر بھی انھیں پیش کیا
گیا۔ ہالینڈ نے ہر ہفتے یہی کارٹون شائع کرنے کا اعلان کیا جبکہ اٹلی کے ایک وزیر نے ان
خاکوں پر مشتمل ٹی شرٹ استعمال کی۔

یورپی ممالک کے اخبارات نے بھی کارٹونوں کو اپنے ہاں شائع کر کے ڈنمارک کے
ساتھ اظہارِ یک جہتی کرتے ہوئے گویا اسے احساس دلایا کہ وہ اس سازش میں اکیلا
نہیں۔ ان کی اس حرکت کے باعث مسلمانوں میں اور بھی غم و غصہ بھر گیا۔ کسی بڑی یا چھوٹی
طاقت نے ان گستاخوں کے خلاف وہ ایکشن نہ لیا جس سے مسلمانوں کے غصے کی آگ
بجھتی۔ یورپی ممالک میں ان کارٹونوں کی بار دگر اشاعت نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور یوں
مسلمانوں کے احتجاج کا سلسلہ تیز سے تیز ہونے لگا۔ سعودی عرب' انڈونیشیا' ایران' شام'
اُردن' پاکستان سمیت تمام اسلامی ممالک میں مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ یہ احتجاج اتنا
دبنگ اور بلند آہنگ تھا کہ کفر کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ دنیا بھر کے
میڈیا کا سب سے نازک' سب سے اہم اور سب سے غور طلب مسئلہ بن گیا۔ مسلمان کسی

قیمت پر توہینِ رسالت کے ساتھ مفاہمت نہیں کر سکتے لہٰذا ہر مسلمان نے اس کی پرزور
مذمت کی۔

صدرِ پاکستان جنرل پرویز مشرف نے ٹی وی پر ان کارٹونوں کی مذمت کی اور لگی لپٹی
کے بغیر صاف صاف کہا کہ ایسی حرکتیں کرنے والے کس منہ سے عقل و دانش کا دعویٰ کرتے
ہیں' انھیں کسی طور پر بھی عقل مند یا معاملہ فہم نہیں کہا جا سکتا۔ دراصل مغرب کو اپنی عقل و دانش
پر بڑا ناز ہے اور صدرِ پاکستان نے ان کی اسی دُکھتی رگ پر انگلی رکھ کر انھیں یہ باور کرایا تھا
کہ اب بولو! یہی ہے تمھاری عقل و دانش کہ دنیا کے امن کو اپنی شرارت کے بھینٹ چڑھا دیا
جائے۔ وزیراعظم پاکستان شوکت عزیز نے بھی ان گستاخ کارٹونوں پر اپنے غم و غصہ کا
اظہار کیا۔ تمام سیاسی' دینی' تاجر پارٹیوں بلکہ وکلا نے بھی اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا۔ صرف
پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں۔ بعض یورپی ممالک کے انصاف پسند لوگوں نے ان
کارٹونوں پر اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ بعض غیر مسلم مذہبی رہنماؤں نے بھی مسلمانوں کے
ساتھ اظہارِ یک جہتی کے طور پر ان کارٹونوں کی اشاعت پر تنقید کی۔ بعض مسلمان ممالک
میں احتجاج کرنے والے یا تو اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے یا ان میں کچھ شرپسند دہشت گرد
آ گئے' یا کنٹرول کرنے والی ایجنسیاں ٹھوکر کھا گئیں' بہرحال بعض مقامات پر توڑ پھوڑ ہوئی۔
کچھ مسلمان جاں بحق بھی ہوئے۔ پاکستان میں بھی یہ ہوا۔ اہلِ کراچی نے بالکل پر امن
احتجاجی جلوس نکال کر دیگر خطوں کے لیے مثال قائم کی۔ یہ کارٹونوں کا معاملہ کیا تھا؟ کس
نے کارٹون شائع کیے اور انھیں ایسا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس سلسلے میں
پاکستان کے معروف کالم نگار جناب جاوید چودھری کا جنگ کے ادارتی صفحے پر شائع ہونے
والا کالم (زیرو پوائنٹ کے تحت) بہ عنوان "عشق کا امتحان" شائع ہوا۔ یہ کالم بہت
پرمغز' معلومات افزا اور دردِ دل سے مملو ہے۔ جاوید چودھری نے جن سطور میں یہ اشارہ کیا
ہے کہ دراصل یہودی و یورپی فکری و عسکری قوتیں مسلمانوں کے جذبۂ عشق رسول صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو جانچنے کے لیے گاہے ماہے اس طرح کے ٹیسٹ کرتی رہتی ہیں۔ تاکہ یہ
دیکھا جائے کہ حقیقی مسلمان مر کھپ گیا ہے یا ابھی زندہ اور اپنے جسم میں روح محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم لیے پھرتا ہے' یہ قابلِ غور و خوض ہے۔ ان کا مکمل کالم پیش خدمت ہے۔

عشق کا امتحان

کرے بلونکن کا تعلق ڈنمارک سے تھا' وہ بچوں کے لیے کہانیاں لکھتا تھا' اس نے 2005ء کے شروع میں نبی اکرم ﷺ پر ایک کتابچہ لکھا' اس نے سوچا کتاب میں کہیں کہیں خاکے شامل کر دیئے جائیں' اس نے ڈنمارک کے مختلف مصوروں سے رابطہ کیا' تمام آرٹسٹوں نے صاف انکار کر دیا' ان آرٹسٹوں کا کہنا تھا کہ اس قسم کے خاکے خلافِ اسلام ہیں اور مسلمان ایسے گستاخوں کو قتل کر دیتے ہیں' کرے بلونکن مسودہ لے کر ''یولاند پوسٹن'' اخبار کے دفتر چلا گیا' اس اخبار کے مالکان یہودی ہیں اور اس کی پیشانی پر باقاعدہ ''سٹار آف ڈیوڈ'' شائع ہوتا ہے' بلونکن نے اخبار کے ایڈیٹر کو اپنی بپتا سنائی' یہ کہانی سن کر ایڈیٹر کے شیطانی دماغ میں ایک انوکھا خیال آیا' اس نے کرے بلونکن سے کہا: ہم ایک آزاد ملک ہیں' ہمارے ملک میں صحافت آزاد ہے' آؤ ہم ایک تجربہ کرتے ہیں' ہم خاکے بنا کر شائع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں مسلمان ان پر کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ کرے بلونکن نے اس سے اتفاق کیا' ''یولاند پوسٹن'' کے پینل پر 40 کارٹونسٹ تھے' ایڈیٹر نے اسی وقت ان سب کو بلایا اور ایک ایسا ٹاسک دے دیا جس نے آنے والے دنوں میں پوری دنیا کا امن غارت کر دیا' ان چالیس کارٹونسٹوں میں سے 28 نے اس گستاخی سے انکار کر دیا جبکہ باقی 12 کارٹونسٹ خاکے بنا کر لے آئے' ایڈیٹر نے 30 ستمبر 2005ء کو یہ خاکے شائع کر دیئے' ڈنمارک کی مسلم کمیونٹی نے اس پر احتجاج کیا لیکن اخبار نے اس احتجاج کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا' ڈنمارک میں موجود مسلم ممالک کے 11 سفیر اکٹھے ہوئے اور انہوں نے 20 اکتوبر کو ڈینش وزیراعظم سے ملاقات کی درخواست کی مگر وزیراعظم نے اسے ''آزادیٔ صحافت'' قرار دے کر ملاقات سے انکار کر دیا' یہ مسئلہ دب گیا' عالم اسلام اس گستاخی سے بے خبر رہا۔

10 جنوری 2006ء کو ناروے کے ایک جریدے ''میگزنیت'' نے یہ خاکے ''ری پرنٹ'' کر دیئے' یہ ایک محدود سرکولیشن کا جریدہ تھا جس کی وجہ سے زیادہ تر لوگ اس گستاخی سے ناواقف رہے لیکن اگلے دن ناروے کے ایک بڑے اخبار ''واگ بلادت'' نے یہ خاکے اپنے انٹرنیٹ ایڈیشن میں شامل کر لیے' انٹرنیٹ کے ذریعے یہ گستاخی پوری دنیا میں پھیل گئی' جس کے بعد اسلامی دنیا کی طرف سے ردعمل شروع ہو گیا' یہ حج کے دن تھے' چالیس لاکھ کے قریب مسلمان سعودی عرب میں جمع تھے' وہاں لوگوں نے ان خاکوں کے بارے میں

گفتگو شروع کر دی' بات چلتے چلتے امام کعبہ تک جا پہنچی' انہوں نے اس گستاخی کا شدید نوٹس لیا' حج کے بعد جمعہ آیا تو سعودی عرب کی تمام مساجد میں آئمہ کرام نے اس سانحے کا ذکر کیا اور تمام مسلمانوں سے عملی احتجاج کی درخواست کی' سعودی عرب ڈنمارک کے حلال گوشت اور ڈیری مصنوعات کا سب سے بڑا خریدار ہے' ڈنمارک کی ایک کمپنی سعودی عرب کو ہر سال پانچ سو ملین ڈالر کی ڈیری مصنوعات بیچتی ہے' عوام نے ان مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیا' لوگ ڈیپارٹمنٹل سٹورز میں داخل ہوئے اور ڈینش ڈیری مصنوعات اٹھا کر باہر پھینک دیں' لوگوں نے اپنے ذاتی فریجوں سے بھی ڈینش مصنوعات نکال کر کوڑے دانوں میں پھینک دیں' صرف دو دن میں یہ کمپنی سعودی عرب میں دیوالیہ ہو گئی' عوامی احتجاج کو دیکھتے ہوئے سعودی عرب نے 26 جنوری کو ڈنمارک سے اپنا سفیر واپس بلا لیا' اس کے بعد یہ احتجاج عرب امارات' ایران' لیبیا' مصر اور فلسطین سمیت پورے عالم اسلام میں پھیل دیا' 30 جنوری کو غزہ میں یورپی یونین کے دفتر پر حملہ ہوا' دمشق میں مشتعل نوجوانوں نے ڈنمارک اور ناروے کے سفارتخانے جلا دیئے' بیروت میں ڈینش ایمبیسی جلا دی گئی' نابلس میں فرانسیسی کلچرل سنٹر پر قبضہ ہو گیا' لندن میں ڈینش ایمبیسی کے باہر مارچ ہوا' برلن میں مسلمانوں اور پولیس میں جھڑپیں ہوئیں اور قاہرہ اور ایتھنز میں ہزاروں لوگ سڑکوں پر آ گئے' غرض پورا عالم اسلام سراپا احتجاج بن گیا۔

فروری کے پہلے ہفتے تک بظاہر یہ محسوس ہوتا تھا' یہ خاکے محض اتفاق اور ایک ایڈیٹر کی بے وقوفی ہیں لیکن جب ناروے کے میگزین نے ان بجھی چنگاریوں کو ہوا دی اور نارویجن اخبار نے یہ چنگاریاں اڑا کر پوری دنیا میں پھیلا دیں تو معلوم ہوا یہ گستاخی محض بے وقوفی یا اتفاق نہیں تھا' یہ عالم اسلام کے خلاف ایک گہری سازش تھی' اس سلسلے میں ہم یورپ کے دوسرے اخبارات کو بطور دلیل پیش کر سکتے ہیں' جس وقت پورا عالم اسلام چراغ پا تھا' اس وقت فرانس' جرمنی' اٹلی اور سپین کے اخبارات نے بھی یہ خاکے شائع کر دیئے' یہ خاکے فرانس کے اخبار فرانس سوئیر' جرمنی کے اخبار ڈائی ایلٹ اور بلائیر زی تنگ اور اٹلی کے اخبار لا شامیا میں شائع ہوئے' یہ اقدام ثابت کرتا ہے کہ یہ اتفاق نہیں تھا اور اس کے پیچھے ایک لمبی چوڑی سازش ہے' اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سازش ہے کیا؟ آج سے پانچ برس پہلے مجھ سے ایک یورپی سکالر نے عجیب سوال پوچھا تھا' اس نے کہا تھا: میں ایسے بے شمار روشن خیال اور

لبرل مسلمانوں کو جانتا ہوں جو شراب پیتے ہیں' جوا کھیلتے ہیں' جو غیر فطری تعلقات کے حامی ہیں اور جو تیس تیس برس سے یورپ میں رہ رہے ہیں' جو ہم جیسے ہیں لیکن جب ان کے سامنے نبی اکرم ﷺ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے ردعمل اور ایک کٹر مولوی کے ردعمل میں کوئی فرق نہیں ہوتا' ایسا کیوں ہے؟ ہم اس بات پر حیران ہیں۔ اس سکالر کے سوال میں اس سازش کی ساری جڑیں پیوست ہیں' یورپ اور امریکہ کے ''لبرل'' دانشور ہر پانچ دس برس بعد اس قسم کی حرکت کرتے ہیں جس کے ذریعے یہ مسلمانوں کی لبرلزم کی سطح چیک کرتے ہیں' وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہم اعتدال پسندی اور روشن خیالی کے کس درجے پر فائز ہیں' لہٰذا اگر یہ محض اتفاق یا بے وقوفی ہوتی تو یہ بے وقوفی یولاند پوسٹن تک محدود رہتی' یہ گستاخی میگزنیت اور واگ بلادت تک نہ جاتی اور اس کے بعد یہ خاکے فرانس' جرمنی' اٹلی اور سپین کے اخبارات میں شائع نہ ہوتے' اگر ہم پچھلے ایک ماہ کے واقعات کا جائزہ لیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بارودی سرنگوں کا ایک سلسلہ تھا' جس میں ایک کے بعد دوسرا دھماکا ہوتا چلا گیا' جس کے ذریعے معاملہ آگے بڑھتا گیا۔

یورپی اخبارات اور حکومتوں کا ردعمل بہت دلچسپ ہے' ان کا کہنا ہے کہ یہ محض آزادی رائے یا آزادی صحافت کا مسئلہ ہے اور ان کے اخبارات میں ہر قسم کا مواد شائع ہوتا رہتا ہے' یہ موقف مکمل طور پر غلط اور جھوٹ پر مبنی ہے' ڈنمارک کے اسی اخبار یولاند پوسٹن کے ایک کارٹونسٹ کرسٹوفر زیلر نے اپریل 2003ء میں (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں چند خاکے بنائے تھے' اس نے جب یہ خاکے اخبار کو بھجوائے تھے تو سنڈے میگزین کے ایڈیٹر جینز کیسر نے یہ خاکے شائع کرنے سے انکار کر دیا تھا' ایڈیٹر کا کہنا تھا: ان خاکوں سے قارئین کے ایک حلقے کی دل آزاری ہو گی' وہ اس پر مشتعل بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ انکار اور یہ جواب ثابت کرتا ہے یولاند پوسٹن کی انتظامیہ اتنی سادہ اور بے وقوف نہیں' وہ عوامی ردعمل سے اچھی طرف واقف ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے ان کی آزادی کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں پہنچ کر اس کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں' اگر یہ محض آزادی صحافت کا مسئلہ ہوتا تو یولاند پوسٹن حضرت عیسیٰؑ کے خاکے بھی شائع کر دیتا' دوسرا اگر یورپ کے اخبارات اتنے ہی آزاد ہیں تو انہوں نے آج تک یہودیوں کے خلاف کوئی خبر' کوئی مضمون اور کوئی خاکہ کیوں شائع نہیں کیا' یورپ کے اخبارات یہودیوں سے اتنے ڈرتے ہیں کہ وہاں جب بھی کسی

داڑھی والے کا کارٹون یا خاکہ بنایا جاتا ہے تو اس پر مسلم لکھ دیا جاتا ہے تاکہ کوئی قاری اسے غلطی سے یہودی نہ سمجھ بیٹھے' پچھلے پچاس برسوں سے یورپ کے کسی اخبار میں یہودیوں کے قتل عام (HOLO CAUST) کے خلاف ایک سطر شائع نہیں ہوئی' لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں پر پہنچ کر یورپ کی آزادی صحافت دم کیوں توڑ دیتی ہے' آج تک کسی نے ان سے یہ نہیں پوچھا اور نہ ہی ان لوگوں نے آج تک اس سوال کا کوئی جواب دیا' میرا خیال ہے یورپ کی آزادی صحافت مسلمانوں سے شروع ہوتی ہے اور مسلمانوں پر آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ اب آتے ہیں مسلمانوں کے ردعمل کی طرف' وقت نے ثابت کیا مسلمان انتہائی بُرا ہو سکتا ہے لیکن نبی اکرم ﷺ' ازواجِ مطہراتؓ اور صحابہ کرامؓ مسلمان کی زندگی کا وہ موڑ ہیں جہاں پہنچ کر وہ زندگی اور موت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتا ہے اور اس موڑ پر عموماً سو فیصد مسلمان شہادت کا فیصلہ کرتے ہیں' یورپ اس بات کو نہیں سمجھ سکتا' اسے کیا معلوم جس دن اللہ اکبر کی پہلی صدا مسلمان کے کان میں پہنچتی ہے تو اس کے خون کا ایک ایک قطرہ نبی اکرم ﷺ کے نام ہو جاتا ہے' وہ اس دن سے اپنی زندگی کو رسول اللہ ﷺ کی امانت سمجھتا ہے اور پوری زندگی کسی کذاب' کسی راج پال کا تعاقب کرتے کرتے گزار دیتا ہے' عشق کے اس امتحان میں موت پانی کے ایک گھونٹ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ مسلمان سمجھتے ہیں جب تک رسول اللہ ﷺ کی ذات ان کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی نہیں ہو جاتی وہ مسلمان نہیں ہو سکتے اور اس وقت دنیا کے ایک ارب 45 کروڑ مسلمان خود کو مسلمان ثابت کرنے پر تلے ہیں' چنانچہ محسوس ہوتا ہے اب ان کے راستے میں جو بھی آیا وہ خس و خاشاک کی طرح بہ جائے گا' یہ عشق کا دریا ہے جس کا کوئی کنارا' کوئی بند نہیں ہوتا۔

(روزنامہ جنگ' لاہور' ص 6۔ 16 فروری 2006ء)

میاں منیر احمد صاحب نے عامر شہید کے والد محترم پروفیسر نذیر احمد چیمہ صاحب کا ایک انٹرویو ایک اخبار میں شائع کیا تھا' جسے اسلم زبیر صاحب نے ''غازی عامر چیمہ شہیدؒ'' کتاب میں بھی شائع کیا ہے۔ اس انٹرویو کے آغاز میں میاں منیر احمد کا یہ تجزیہ بہت غور طلب ہے کہ توہین پر مبنی کارٹون بغیر سوچے سمجھے نہیں بلکہ بڑی منصوبہ بندی کے بعد شائع کیے گئے اور ان کے ڈانڈے جرمنی کی یہودیوں کی ایک تنظیم سے ملتے ہیں۔

اس بات سے بھی انکار نہیں کہ توہینِ ناموسِ رسالت پر مبنی خاکوں کی اشاعت کا فیصلہ

بھی جرمنی میں ہوا۔

یہاں (جرمنی میں) بوریا کے علاقے میں یہودیوں کی تنظیم بلڈر برج نے اپنے اجلاس میں ایسے خاکے شائع کرانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس تنظیم کے بارے میں مغرب میں یہ بات معروف ہے کہ کوئی امریکی اس تنظیم کا رکن بنے بغیر وہاں کا صدر بن سکتا ہے اور نہ کوئی برطانوی شہری اسے جوائن کیے بغیر برطانیہ کا وزیراعظم بن سکتا ہے۔ یہ تنظیم عالمی حکمرانوں پر حکومت کرنے والی تنظیم ہے۔ نائن الیون کے واقعے کے بارے میں اسے پہلے علم تھا۔ (میاں منیر احمد' انٹرویو مشمولہ غازی عامر چیمہ شہیدؒ مرتبہ اسلم زبیر ص 37' علم دوست پبلی کیشنز' لاہور' 2006ء)

یہ معلومات اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کا بیج دراصل سب سے پہلے جرمنی سے برآمد ہوا اور صہیونی سازشوں نے اس کی پشت پناہی کی۔

اللہ رب العزت کا تحفظ ناموسِ رسالت کا اپنا پروگرام اور اپنا انداز ہے۔ اُس کی شانِ قدرت کہ اُس نے جرمنی ہی میں ایک گستاخِ رسول کو سزا دے کر دانشِ مغرب کو باور کرایا کہ اُس کے کعبے کی حفاظت پر مامور ابابیلیں آج بھی زندہ ہیں۔ انھی میں سے ایک ابابیل کا نام عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ ہے' جو صحیح معنوں میں غازی علم دین شہیدؒ کا وارث و نائب ہے' جس نے اپنی جان کی قربانی دے کر یہود و یورپ کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔ روزنامہ جنگ پاکستان کے مدیر نے بروقت اس سازش کی بو سونگھی اور اہلِ مغرب کو فکری سطح پر سمجھایا کہ مسلمان تمھاری شرارت کو سمجھتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ بڑے دردِ دل کے ساتھ اُنھوں نے احتجاج کرنے والے عاشقانِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو خبردار' باامن اور وقت شناس رہنے کا مشورہ بھی دیا۔

''توہین آمیز خاکے بنانا ایک انفرادی فعل تھا لیکن جس انداز سے اظہار رائے کی آزادی کے نام پر انھیں دوسرے ممالک کے اخبارات میں شائع کیا گیا اور پھر یورپی برادری کی طرف سے ان کا دفاع کیا گیا' اس سے کسی سازش کی موجودگی کا تاثر مضبوط ہوتا ہے۔ ڈنمارک کی حکومت کا کہنا ہے کہ وہ مذکورہ کارٹون کی اشاعت میں ملوث نہیں' اس لیے اس معاملے میں معذرت نہیں کرنا چاہتی۔ ڈنمارک میں جس طرح مسلم سفیروں سے بات

چیت کرنے سے انکار کیا گیا اس سے بھی تعصب کی بو آتی ہے۔ یورپی یونین کے صدر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اظہار رائے کی آزادی جمہوری یورپی معاشرے کی اقدار میں شامل ہے' جس پر کسی قسم کی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ توہین آمیز خاکوں سے پوری دنیا کے مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی' اس کے باوجود عدم تشدد اور اظہار رائے جمہوریت کے لیے لازمی ہے۔ جہاں تک یورپی جمہوری معاشرے کی اقدار کا تعلق ہے' مغربی دانشور اس بات پر فخر کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے ہاں نسلی اور مذہبی تعصبات کو ہوا نہیں دی جاتی اور فرد کے انفرادی وقار کے احترام کے لیے بھی ہتک عزت کے قوانین موجود ہیں لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیا کی ایک ارب سے زائد آبادی کے جذبات کو مجروح کرنے کے واقعہ کا آزادی اظہار کے نام پر دفاع کیا جا رہا ہے جب کہ اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور میں بھی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اپنے حقوق اور آزادیوں کے سلسلے میں ہر شخص قانون کی عائد کردہ ان پابندیوں کے دائرے میں رہے گا جن کا مقصد دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا ہے اور ان حقوق اور آزادیوں کو اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس پس منظر میں بعض حلقوں کی یہ بات وزن رکھتی ہے کہ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کی گئی ہے اور ان کا مقصد تہذیبوں کے تصادم کی راہ ہموار کرنا ہے۔ پاکستان سمیت پوری دنیائے اسلام کو اس معاملے کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سوچ سمجھ کر حکمت عملی ترتیب دینا ہو گی۔ اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہو گا کہ 1979ء میں مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو بیدار کر کے افغانستان میں جو کچھ کیا گیا اور بعد میں پھر اسی جذبے کو دہشت گردی کا نام دے کر جس انداز سے کارروائیاں کی گئیں' کہیں دل آزار کارٹونوں کے ذریعے مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکا کر اسی نوع کے کسی ایسے منصوبے کو تو بروئے کار نہیں لایا جا رہا ہے' جس کا مقصد املاک کی توڑ پھوڑ کر کے اپنی معیشت کو تباہ کرنا اور عالم اسلام کو کمزور کرنا ہو سکتا ہے۔ اسلامی دنیا کو اس وقت جن چیلنجوں کا سامنا ہے ان میں جوش کی نہیں ہوش کی ضرورت ہے تاکہ وہ خود کو سیاسی' سماجی اور معاشی طور پر مستحکم بنائیں''۔

(روزنامہ جنگ لاہور' اداریہ ص 6۔ 16 مئی 2006ء)

خاکے شائع ہونے کے بعد ردِعمل

توہین آمیز خاکے سب سے پہلے ڈنمارک کے اخبار جے لانڈز پوسٹن (Jyllands-Posten) نے 30 ستمبر 2005ء کو شائع کیے۔ گیارہ مسلمان ممالک کے سفیروں کو ملاقات کی اجازت نہ دے کر ڈینش وزیراعظم نے اس توہین کی پشت پناہی کی' چنانچہ 10 جنوری کو ناروے کے اخبار میگزینیٹ نے یہی خاکے دوبارہ چھاپ دیے۔ 11 جنوری کو واگ بلاوت نے یہ خاکے انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا بھر میں پہنچا دیئے۔ تب سب مسلمانوں کو خبر ہوئی۔ اب ہر مسلمان بے چین اور افسوس زدہ ہو گیا کیونکہ گیا گزرا مسلمان بھی اپنے نبی ﷺ کی توہین برداشت نہیں کرسکتا۔ اس سلسلے میں ایک حاجی نمازی پرہیزگار مفکرِ اسلام خطیب اور گناہوں میں لت پت مسلمان کی غیرت و جذبۂ تحفظِ ناموسِ رسالت کسی طرح ایک دوسرے سے کم نہیں۔ راقم الحروف نے نوائے وقت اخبار کے ایک کالم میں واقعہ پڑھا کہ حالیہ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے بعد ایک بظاہر نام کے مسلمان' گناہوں میں لت پت جوان سے اُس کے ذاتی تاثرات پوچھنے کے لیے کچھ برطانوی صحافی ایک پب (PUB' یہ وہ قحبہ خانہ ہوتا ہے جہاں من پسند گناہوں کی آزادی ہوتی ہے اور لذتِ کام و دہن حکومتی تحفظ میں بکتی ہے) میں گئے۔ وہاں اُنھوں نے ایک نوجوان کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا ہوا پایا۔ نشے میں دھت اس جوان سے انھوں نے پوچھا کہ ہر قسم کی آزادی کے اس دَور میں کیا کارٹونوں کی اشاعت سے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہے؟ یہ سنتے ہی اُس کے جسم نے ایک جھرجھری لی' وہ لڑکھڑاتا ہوا کھڑا ہُوا — اور اُس نے کانپتے ہاتھوں سے شراب کی بوتل سوال پوچھنے والے کے منہ پر دے ماری۔ اس کے بعد وہ رونے لگا اور بڑی مشکل سے بھربھری آواز سے اُس کے منہ سے صرف یہ جملہ نکلا: تم چاہتے ہو کہ اس ناپاکی کی حالت میں اُن کا نامِ پاک میرے گندے منہ سے نکل جائے' یہ نہیں ہوگا۔ اللہ اکبر۔ اقبال نے سچ کہا تھا

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے ‏ رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

کارٹونوں کی اشاعت کے بعد ہر مسلمان بے چین ہو گیا۔ وہ گستاخوں کے خلاف شعلۂ جوالا بن گیا۔ امامِ کعبہ نے اس پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔ خطبۂ حج میں بھی اس کی گونج سنی گئی۔ سعودی مساجد میں بھی جمعہ کے خطبوں میں اس کی مذمت کی گئی۔ سعودی

عرب نے ڈنمارک سے لین دین بند کردیا۔ دنیا بھر میں یورپی سفارت خانے خوف کی زد میں آ گئے۔ بعض جگہ ڈنمارک اور ناروے کے سفارت خانے جلا دیئے گئے۔ مسلمانوں کی تنظیم او۔آئی۔سی نے بھی ان گستاخ خاکوں کی اشاعت پر احتجاج ریکارڈ کرایا۔

پاکستانی انٹرنیٹ کمپنی برین نیٹ نے ڈنمارک سے ہر طرح کا انٹرنیٹ رابطہ منقطع کرتے ہوئے اعلان کیا کہ توہینِ رسالت پر مبنی کارٹون شائع کرنے والی ویب سائٹوں کو پاکستان میں بلاک کیا جارہا ہے اور برین نیٹ کا کوئی یوزر ان سائیٹوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ برین نیٹ نے مطالبہ کیا ہے کہ توہینِ رسالت پر مبنی خاکے شائع کرنے والے مدیران' مالکان اخبارات' وزیراعظم ڈنمارک اور یورپی حکمران مسلمانوں سے سرِعام معافی مانگیں اور آئندہ ایسے واقعات کے مرتکب افراد کو سزائے موت دی جائے۔

(ہفت روزہ غزوہ' لاہور' ص 1 کالم 7۔ 12 مئی 2006ء)

مجلسِ حزب الاحناف بھیرہ کے 76 ویں سالانہ جلسہ میں تیسری اور چوتھی نشست میں مقررین نے کہا کہ:

''اسلام دہشت گردی نہیں بلکہ محبت و اخوت کا درس دیتا ہے۔

پاسپورٹ کے صفحۂ اوّل پر مذہب کا علیحدہ خانہ بنایا جائے۔

مرتد کی شرعی سزا پر عمل درآمد کیا جائے۔

توہین آمیز خاکے شائع کرنے والے ممالک کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کیا جائے''۔

(روزنامہ نوائے وقت' لاہور' ص 6 کالم 4' 26 مارچ 2006ء)

پاکستان میں احتجاجی مظاہرے بالعموم پرامن رہے' البتہ لاہور میں خبر نہیں کس ظالم نے ستم ڈھایا کہ پرامن مظاہرہ گھیراؤ جلاؤ ریلی میں بدل گیا۔ پنجاب اسمبلی کے ایک حصہ کو آگ لگادی گئی۔ کاریں تباہ ہوئیں۔ موٹر سائیکلیں جل کر خاکستر ہوئیں۔ راہ گیر زخمی ہوئے۔ دو نوجوان اندھی گولیوں کا نشانہ بن کر جاں بحق بھی ہوئے۔ پٹرول پمپ بھی جلے اور سرکاری املاک کا بھی نقصان ہوا۔ دیال سنگھ مینشن کو بھی آگ لگادی گئی' یہ سب کچھ اور وہ سب کچھ جو رپورٹ نہ ہوسکا' اس تقدس مآب احتجاج کے شایانِ شان ہرگز نہ تھا۔ بہترین طریقہ تو یہ تھا کہ قطعاً پرامن رہتے ہوئے' یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کے نعرے لگاتے ہوئے' حدود اسلام کی گونج میں یہ احتجاج ریکارڈ کرایا جاتا۔ صوبہ سرحد کی اسمبلی نے ان

خاکوں کے خلاف قرارداد بھی منظور کی، جس میں مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ:

''توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے مرتکب یورپی ممالک کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے تاکہ کوئی بھی ایسا فعل دوبارہ نہ کرے۔ ارکان نے قرارداد کی متفقہ طور پر منظوری دے دی۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 1 کالم 6، 12 مارچ 2006ء)

پورے ملک میں جمعہ کے خطبوں کے علاوہ بھی علماءِ کرام، وکلا حضرات اور سیاسی رہنماؤں نے جذبۂ عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سرشار ہو کر ان کارٹونوں کے خلاف مذمتی بیانات دیے، ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ سب کا ذکر مشکل ہے، تاہم اس میں کسی کو شک نہیں کہ عام عالمِ اسلام کی طرح ہر پاکستانی مسلمان اس جسارت پر تڑپ اٹھا اور جرمنی میں ایک یونیورسٹی کے پاکستانی طالب علم عامر عبدالرحمٰن کے کرب کی تو کوئی انتہا نہ رہی، جب اُس نے سوچا کہ میں بذاتِ خود جرمنی میں ہوں اور میرے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شان کے خلاف جرمنی میں بھی خاکے شائع ہوئے ہیں۔ چنانچہ اُس نے بالکل غازی علم دین شہیدؒ کے تتبع میں گستاخ کارٹون شائع کرنے والے اخبار کے بیورو چیف پر قاتلانہ حملہ کیا، گرفتار ہوا اور جرمن پولیس کی تحویل میں شہادت کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہوا۔

یہاں یہ سوال اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ غیر مسلم یورپی ممالک اس شرارت کی تہ میں چھپی سازش پر نگاہ کیوں نہیں کرتے۔ جرمنی کے شہر برلن میں یہودیوں کی ایک بین الاقوامی امیر ترین اور طاقتور ترین تنظیم ہے۔

اس تنظیم نے اپنے پنجے دنیا بھر کے ممالک میں گاڑے ہوئے ہیں۔ بڑی سے بڑی حکومت کو بنانے یا مٹانے میں اس کا بہت دخل ہوتا ہے۔ اس تنظیم نے سب سے پہلے توہین آمیز خاکے شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ جب 30 ستمبر کو سب سے پہلے جے لانڈز پوسٹن نے یہ توہین آمیز خاکے شائع کیے تو ڈنمارک کے مسلمانوں نے احتجاج کیا، جسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔ گیارہ مسلمان ملکوں کے سفیروں نے اس معاملے میں بات چیت کے لیے وزیر اعظم ڈنمارک سے ملاقات کا وقت مانگا، جو نہ دیا گیا۔ بڑی طاقتوں نے جرمنی کی حکومت کی پیٹھ ٹھونکی اور آزادی صحافت کے لیے اپنی امداد و تائید کا یقین بھی دلایا، چنانچہ گستاخوں کو شہ ملی اور یہ خاکے دوسرے اخبارات میں بھی چھپنے لگے۔

سوال یہ ہے کہ اگر دانشِ یورپ عدل و انصاف سے کام لے کر تحقیق کرتی، گستاخی کے مرتکب فرد کو بروقت اُس کے کیے کی سزا دیتی، مظلوم کا ساتھ دیتی اور ظالم کی کلائی مروڑتی تو یہ آگ آگے بڑھ کر امنِ عالم کو سبوتاژ نہ کرتی۔ ہمیشہ یہ ہوتا آیا ہے کہ جب حکومتیں دین سے متعلق گستاخی پر چشم پوشی کرتی ہیں تو کوئی اللہ کا منتخب بندہ آگے بڑھ کر ظالم کو خود سزا دے دیتا ہے۔

یہی علم الدین غازی شہیدؒ کے واقعے میں ہوا تھا، حامد میر نے کتنا صحیح لکھا ہے:

''گستاخ رسول پبلشر راج پال کی کتاب 1927ء میں شائع ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے احتجاج پر راج پال کے خلاف مقدمہ قائم ہوا۔ لاہور کے ایک سٹی مجسٹریٹ نے راج پال کو 6 ماہ کی قید سنائی، لیکن ہائی کورٹ کے جج کنور دلیپ سنگھ نے ملزم کو رہا کر دیا۔ کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے باوجود راج پال سزا کا مستحق نہ ٹھہرا تو پھر غازی علم دین شہیدؒ نے اسے خود سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ اس واقعے سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں بہت فاصلے پیدا ہوئے۔ اگر 1929ء میں برطانوی سرکار کا قانون ظالم کی بجائے مظلوموں کی مدد کرتا تو شاید 1930ء میں علامہ اقبال الہ آباد میں خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے علیحدہ مملکت کا تصور پیش نہ کرتے، لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ راج پال کی طرف سے شانِ رسالتؐ میں گستاخی کے واقعے نے برصغیر کی سیاست پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ کئی مغربی حکومتیں توہینِ رسالتؐ کے قانون کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتی رہیں اور 1947ء میں ان فیصلوں نے مستقل جغرافیائی حیثیت اختیار کر لی۔ 1994ء میں اس قانون میں ترمیم کا فیصلہ ہو گیا تھا، جس کے تحت توہین رسالت کی سزا پھانسی سے کم کر کے دس سال قید کرنے کی تجویز تھی۔ لیکن شدید عوامی ردعمل کے بعد یہ فیصلہ مؤخر ہو گیا۔

کچھ عرصہ قبل ڈنمارک کے ایک اخبار میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے بعد توہین رسالتؐ کے قانون کی افادیت خود بخود سامنے آ گئی۔ ان توہین آمیز خاکوں نے مسلمانوں کی نئی نسل اور مغربی تہذیب کے مابین جن غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے، انھیں دور کرنے کے لیے کئی سال درکار ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے توہین آمیز خاکوں کی حوصلہ شکنی کرنے کے بجائے ناروے، فرانس، جرمنی اور ہالینڈ سمیت کئی مغربی ممالک کے اخبارات اور جرائد نے ان خاکوں کو بڑے فخر سے شائع کیا۔ مغربی ذرائع

ابلاغ کے اس احساسِ تفاخر نے نفرت اور انتقام کے کئی الاؤ روشن کیے۔اور اسی الاؤ کی شدت سے جرمنی میں ایک پاکستانی طالب علم عامر چیمہؒ ایک اخبار کے ایڈیٹر پر حملہ آور ہوا' اگر ڈنمارک سے جرمنی تک انبیائے کرام (علیہم السلام) کی ناموس کے تحفظ کا کوئی قانون ہوتا تو شاید عامر چیمہؒ یہ قدم نہ اٹھاتا' گرفتار بھی نہ ہوتا اور دورانِ تفتیش پراسرار موت کا شکار بھی نہ ہوتا۔ عامر چیمہؒ کی شہادت نے مسلمانوں کو غازی علم دین شہیدؒ کی یاد دلا دی ہے۔

مغربی حکومتیں اس قسم کے واقعات کی روک تھام کے لیے مؤثر قوانین بنانے کے بجائے پاکستان جیسے ممالک میں پہلے سے موجود قوانین ختم کرنے کے درپے ہیں''۔

توہین آمیز خاکوں کے خلاف احتجاج ضروری ہے مگر۔۔۔۔

محبوبِ خدا' سید الانبیاء' خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ احمدِ مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر کوئی ملعون' بد بخت انگشتِ توہین اٹھائے تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی مسلمان آتش زیرپا ہو کر سراپا طیش وغضب نہ بن جائے۔اس کی ایک وجہ ہے اور وہ بہت سیدھی سادی ہے کہ مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے مگر اپنے پیارے آقا رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذرا سی بے ادبی' توہین کا معمولی سا شائبہ اور استخفافِ شان کا موہوم سا اشارہ بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ایسے موقع پر اُس کے خون کا جوش مارنا اور اُس کا اپنے نبی ﷺ کے بے ادب کے لیے قہرِ الٰہی بن جانا بالکل فطری بات ہے۔ گستاخ کو سزا دینے کے لیے وہ تن من دھن ہر شے کی قربانی دے دے گا۔ یہ محبت رسول ﷺ' یہ ایثار کی متاع اور یہ جانبازی کا جذبہ اُس کے اندر خدا نے رکھا ہے۔ پیدا ہوتے ہی جب اُس کے کانوں میں اذان کی آواز آتی ہے اور اشھد ان محمد رسول اللہ کے میٹھے بول اُس کی سماعتوں میں شہد رس گھولتے ہیں تو اس کے دل میں عشقِ رسول ﷺ کا بٹن آن ہو جاتا ہے۔اُس کی روح پیارے نبی ﷺ کی غلامی کی کمٹمنٹ قبول کرتی ہے۔ پھر تو ہر آن دل ہی میں اُس کا یہ جذبۂ الفت ومحبت پروان چڑھتا رہتا ہے۔ ماں کا دودھ' باپ کا پیار' گھر والوں کی لوریاں' اسی جذبے کی آبیاری کرتی ہیں۔ یہ جذبہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ بقولِ درویشِ لاہوری خدا کی محبت کے جوش سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر   بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر
قوتِ قلب وجگر گردد نبیؐ   از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

(یعنی اگر تو چشمِ صدیقِ اکبرؓ سے دیکھے تو تیرے نزدیک نبیِ مکرم خدا سے زیادہ محبوب ہو جائیں) مسلمان ہوتا ہی وہ ہے جسے اپنے والدین' اپنی اولاد' اپنے اموال' سارے جہان بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پیارے ہوں۔صحابہؓ کے ظاہری دور میں بھی اس جذبے کے مظاہر جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہیں تو ''فداک ابی وامی یا رسول اللہ'' کہتے ہیں' یعنی اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں۔ حقیقی باپ یا بیٹا' پیارے رسول ﷺ کے مقابل آجائے تو اُسے قتل کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمار بن یاسر' حضرت بلالِ حبشی' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ سخت تکلیفیں برداشت کر لیتے ہیں لیکن دامنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتے۔ مسلمانوں کی ساری تاریخ اسی جذبے سے سرشار نظر آتی ہے۔اس کے لیے کسی خاص عمر' علم یا تجربے کی شرط بھی نہیں۔ کسی خاص معاشی ومعاشرتی حالت یا زہد وتقویٰ کی کسی مخصوص کیفیت کی بھی ضرورت نہیں۔غریب سے غریب' چھوٹے سے چھوٹا اور گنہگار سے گنہگار' کوئی مسلمان کیسا ہی ہو' اُس کے خون میں ناموسِ رسالتؐ پر مر مٹنے کا ایسا جذبہ ہوتا ہے جس کی مثال دیگر اقوامِ عالم نہیں دے سکتیں۔اور بعض اوقات تو اونچی شانوں والے' سجادہ بدوش' وارثانِ محراب ومنبر دیکھتے رہ جاتے ہیں اور ایک سادہ سا مسلمان آگے بڑھ کر گستاخِ رسول کو نمونۂ عبرت بنا دیتا ہے۔اُس کی نسلیں ہی نہیں دوسری قومیں بھی کانوں کو ہاتھ لگا لیتی ہیں۔اور آئندہ کوئی بد بخت اہانت کرنے سے پہلے ہزار بار سوچتا ہے۔راج پال نے مسلمانوں کے پیارے آقا ﷺ کے خلاف کتاب چھاپی تو سب دیکھتے رہ گئے لیکن اُسے جہنم واصل کر کے شہادتِ عظمیٰ پانے کی سعادت ایک بڑھئی نوجوان علم دینؒ کو نصیب ہوئی۔اسی موقع پر شاعرِ مشرق' مفکرِ اسلام اور عاشقوں کے مرشد علامہ اقبالؒ نے تاریخی جملہ کہا تھا: ''اسیں گلاں ای کردے رہ گئے' ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا''۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس جذبے کی نمود کے لیے کسی مالی حیثیت یا تعلیمی سطح کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس یہ رب کا کرم ہوتا ہے وہ جس سے چاہتا ہے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کی عزت وناموس کی حفاظت کی خدمت لے لیتا ہے۔ بے شک وہ خدائے بزرگ وبرتر ہر شے پر قادر ہے' مچھر سے نمرود کو مروا دینے پر قادر' ابابیلوں سے ابرہہ کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دینے پر قادر' علم ودولت کی بڑی

تجوریوں سے محروم علم دین غازیؒ سے راج پال کو ختم کرا سکتا ہے اور اس دور میں چھپن اسلامی ممالک میں بسنے والے کروروں مسلمانوں میں سے راولپنڈی کے ریٹائرڈ پروفیسر نذیر چیمہ کے لختِ جگر، نورِ نظر عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ سے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کا بدلہ لینے کا عظیم کام لے سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عامر چیمہؒ کا جذبہ دوسرے جوانوں میں بھی ہے، مگر انھیں وہ موقع نہیں ملا کہ ان کا ہاتھ گستاخِ نبی تک پہنچ سکتا۔ خاکے چھاپنے والے چھپتے پھر رہے ہیں۔ انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ انھوں نے وہ گناہ کیا ہے جس کا نہ کوئی کفارہ ہے نہ توبہ۔ زمین اُن کے نجس وجود کو برداشت کرنے پر تیار نہیں۔ ان کا سکون غارت ہو گیا ہے، وہ خوف و ملامت کی بدترین زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ بھی چھپ چھپ کر، لیکن اللہ کے ملک الموت سے کب تک چھپیں گے؟ وہ زندگی کو اور عاشقانِ مصطفےٰ ﷺ اُن بدبختوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ ان کے خلاف ہر مسلمان کے دل میں غم وغصہ فطری عمل ہے، اُن کے خلاف احتجاج دینی غیرت کا تقاضا بھی ہے اور اسلامی تشخص کی ضرورت بھی۔ چنانچہ توہین پر مبنی خاکے چھاپنے والے مُردہ ضمیروں کے خلاف آواز اٹھانا، احتجاج کرنا اور دشمنانِ اسلام کو اپنے احتجاج سے اپنی ناپسندیدگی کا احساس دلانا یقیناً قابلِ قدر جذبہ ہے لیکن ۔۔۔۔۔ لیکن احتجاج کے جوش میں ہوش بھلا دینا، دشمن کو مناسب پیغام دینے کے بجائے اپنے ہی ہم وطن، ہم مذہب اور ہم عشق بھائیوں پر غصہ اتارنا کب مناسب ہو سکتا ہے۔ اپنے بھائی بندوں کی کاریں جلا دینا، موٹر سائیکلیں تباہ کر دینا، عمارتوں میں توڑ پھوڑ کرنا، اموال کو لوٹنا، بے قصوروں کو زخمی کرنا، پولیس کو تشدد کی دعوت دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رستہ نہیں۔ یہ غازی علم دینؒ کا رستہ نہیں۔ یہ عامر نذیرؒ کا رستہ نہیں۔ غازی علم دینؒ یا غازی عامر نذیرؒ نے کسی بے قصور پر آوازے نہیں کسے، کسی بے خطا کو زخمی نہیں کیا۔ کسی عمارت کو تباہ نہیں کیا، کسی گاڑی کو آگ نہیں لگائی۔ دراصل ایسے احتجاجوں کے موقع پر دہشت گردوں کے گھس آنے، مقاصد کو سبوتاژ کرنے اور بلوہ پھیلانے کے مواقع بھی ہوتے ہیں۔ عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے شرپسند لوگوں، بلوائیوں اور دہشت گردوں پر کڑی نظر رکھنی چاہیے اور اگر ایسا کوئی فسادی ملے، اُسے فوراً پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے تاکہ کوئی تخریب کار ان کے مقاصدِ جلیلہ پر مشتمل پرامن اور عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار احتجاج کو منفی مقاصد کے لیے استعمال نہ

کر سکے۔

ان غیر شائستہ خاکوں کے حوالے سے جہاں سب اہلِ اسلام غم وغصہ کی تصویر بن گئے اور انھوں نے اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا وہاں بدقسمتی سے بعض بعض جگہ توڑ پھوڑ بھی ہوئی، جو نہیں ہونی چاہیے تھی۔

اس خاص پہلو سے بھی بعض دردِ دل رکھنے والے لوگوں نے عوام کی رہنمائی کی۔ مثلاً روزنامہ جنگ لاہور نے اپنے اداریے ''حبِ رسول ﷺ کے تقاضے اور ذمہ داریاں'' میں لکھا:

''یورپی ممالک کے بعض اخبارات میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے خلاف دنیا بھر کے مسلمان احتجاج کر رہے ہیں اور پاکستان میں بھی احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے۔ تاہم منگل کے روز ملک کے مختلف شہروں اور آزاد کشمیر کے اضلاع میں شٹر ڈاؤن ہڑتال اور مظاہروں کے دوران تشدد کے جو واقعات ہوئے، ان کی بنا پر یہ سوالات جنم لے رہے ہیں کہ کہیں ہم کسی سازش کے شکار تو نہیں ہو رہے ہیں۔ متعدد عمارتیں، دکانیں اور سینکڑوں گاڑیاں جلا دی گئیں، پنجاب اسمبلی کا ایک حصہ بھی نذر آتش کر دیا گیا، کئی ریستورانوں اور پٹرول پمپوں کو آگ لگا دی گئی، ایک بینک پر بھی حملہ کیا گیا جس کے سیکورٹی گارڈ کی فائرنگ سے دو نوجوان ہلاک ہوئے، پتھراؤ اور آنسو گیس شیلنگ سے پولیس اہلکاروں سمیت متعدد افراد زخمی ہوئے۔ جی ٹی روڈ پر ٹریفک معطل کر دیا گیا جبکہ مختلف سیکشنوں پر ٹرینوں کی آمد و رفت روک دی گئی۔ ایک پولیس سٹیشن پر بھی حملہ کیا گیا۔ اسلام آباد میں نوجوانوں نے پتھراؤ کیا اور سفارتی علاقے میں گھس گئے۔ ان واقعات کے بعد بہت سے لوگ یہ سوال کر رہے ہیں کہ کہیں ناموس رسالتؐ کے احترام وتقدس کے لیے کیے جانے والے مظاہروں میں شرپسند عناصر کسی سازش کے تحت تو شامل نہیں ہوئے اور تشدد آمیز کارروائیاں کر کے غیر ملکی میڈیا کو یہ موقع تو فراہم نہیں کیا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو متشدد اور انتہا پسند ثابت کریں۔ عشق رسول ﷺ کا تقاضا تو یہ تھا کہ پرامن اور باوقار انداز میں مظاہرے کیے جاتے اور دنیا کو یہ دکھایا جاتا کہ رحمت للعالمین ﷺ کے پیروکاروں کے احتجاج میں بھی ایک وقار اور نظم وضبط شامل ہوتا ہے۔ اس کا ایک عملی مظاہرہ اسلام آباد میں پارلیمینٹ کے دونوں ایوانوں کے حکومتی اور اپوزیشن ارکان کے مظاہرے میں کیا گیا، جس

کی ابتدا میں اگرچہ بعض لوگوں نے نعرے بازی کی کوشش کی مگر بعد میں پورے مظاہرے کے دوران خاموشی اختیار کی اور سفارتی علاقے میں دعا کی گئی۔ ویسے بھی دعا اہل ایمان کا وہ ہتھیار ہے جس میں تائید ایزدی شامل ہو جاتی ہے۔ اراکین پارلیمنٹ کے اس مظاہرے میں اقلیتی ارکان نے بھی شرکت کی اور واضح کیا کہ وہ اس احتجاج میں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہیں۔

لاہور کے احتجاجی مظاہروں کے شکار بھی یہ بات یقینی طور پر نہیں چاہتے ہوں گے کہ ان کے طرز عمل سے دنیا کو کوئی منفی پیغام ملے لیکن ان میں شامل بعض عناصر نے جس انداز سے توڑ پھوڑ اور تخریب کاری کی وہ حب رسول ﷺ کے تقاضوں سے کسی طور پر بھی میل نہیں کھاتی۔ احتجاج میں تشدد اور تخریب کا عنصر شامل ہو جائے تو اصل مقصد پس پشت چلا جاتا ہے اور قومی املاک کو نقصان پہنچنے کے ساتھ ساتھ قومی وقار بھی مجروح ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جن لوگوں کی املاک تباہ ہوئیں، موٹر سائیکلیں اور گاڑیاں نذر آتش کی گئیں وہ بھی مسلمان ہیں، وہ بھی عشق رسول ﷺ کے جذبے سے سرشار ہیں اور بھی توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سے اتنا ہی دکھ پہنچا ہے جتنا کسی اور کو پہنچ سکتا ہے۔ ان میں سے بہت سوں کی زندگی بھر کی پونجی کو نذر آتش کرنے والوں نے شاید یہ سوچا بھی نہ ہوگا کہ جس نبی ﷺ سے محبت کے وہ خود داعی ہیں، اسی کے دوسرے شیدائیوں کو تکلیف سے دوچار کر رہے ہیں اور ان کا یہ فعل اسوۂ رسول ﷺ سے مطابقت نہیں رکھتا''۔

(روزنامہ جنگ لاہور اداریہ، ص 6، 16 فروری 2006ء)

نذیر ناجی کے کالم ''سویرے سویرے'' میں ان کا عشق اور کرب دونوں نمایاں ہیں، کس دکھ سے لکھتے ہیں، بعنوان ''یہ تلافی کون کرے گا'':

''یہ کون لوگ تھے، جو کل اسی خوبصورت سڑک کے دشمن بن گئے؟ جس نے انھیں اپنے سینے پر چل کر اظہار جذبات کا موقع مہیا کیا تھا۔ یہ سڑک تین سال سے مظاہروں کے لیے بند کی جا چکی تھی۔ شاید اسی وجہ سے کہ نئی نسل کے لوگ اس سڑک کی تاریخی اہمیت سے واقف نہیں ہیں لیکن گزشتہ روز تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوال تھا۔ حکومت نے اس نیک مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے جلوس سے پابندی اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی خود عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ انہوں نے

پولیس کو حکم دیا کہ آج آپ کسی کو روکنے یا اس کی نقل وحرکت اور نعروں پر پابندی لگانے نہیں بلکہ مظاہرین کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے جا رہے ہیں۔ ایس ایس پی عامر ذوالفقار علی خان نے وزیر اعلیٰ کی ہدایت کے مطابق مظاہرین کے ساتھ مثالی یکجہتی کا اظہار کیا۔ انہوں نے تمام روایات اور قواعد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مظاہرین کے ساتھ مل کر نعرۂ ہائے رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند کیے۔ مگر انہیں تشدد کا نشانہ بنا کر چوٹوں سے نڈھال کر دیا گیا۔ مال روڈ کے در و دیوار اور کھڑکیاں بھی عامرؔ ہی کی طرح شان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورد کر رہی ہوں گی، مگر اسے بھی چوٹوں سے نڈھال کر دیا گیا۔ وہ عمارتیں، جو شہر لاہور اور خود مال روڈ کی تاریخ کی امین تھیں اور جنہیں کسی جلوس اور مظاہرے میں نقصان نہیں پہنچایا گیا تھا، ان کے چہرے نوچ ڈالے گئے۔ دیال سنگھ مینشن مال روڈ کی شناخت تھی، اسے جلا دیا گیا۔ یہ کون لوگ تھے؟ ان کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس سے کیا تعلق تھا؟ علمائے کرام اور حکومت دونوں کو ان کا پتہ چلانا چاہیے۔ کہیں یہ مایوس سیاسی عناصر تو نہیں تھے؟ تخریب کار تو نہیں تھے؟ بیرونی ایجنٹ تو نہیں تھے؟ پاکستان میں انتشار اور تباہی پھیلانے کے خواہش مندوں کے کارندے تو نہیں تھے؟ ان لوگوں نے بے شمار کاروباری مراکز کو نقصان پہنچایا اور عام شہریوں کی موٹروں اور موٹر سائیکلوں کو توڑ پھوڑ اور جلا کر بے کار کر دیا۔ میں اپیل کروں گا کہ حکومت بے گناہ شہریوں کے نقصان کی تلافی کرے۔ امید ہے یہ تلافی ضرور ہوگی مگر لاہور کے نقصان کی تلافی کون کرے گا؟

(روزنامہ جنگ لاہور، ص 6، 16 فروری 2006ء)

گستاخ رسولِ مقبول ﷺ کی سزا

جب فخرِ کون و مکاں، محبوبِ رحمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری عمر مبارک چالیس برس کی ہوئی تو اعلانِ نبوت کا حکم ہوا۔ تین برس تک آپ ﷺ بعض لوگوں کو فرداً فرداً اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ خداوند کریم نے حکم دیا کہ اپنے قریبی عزیزوں کو اللہ سے ڈرائیں اور انھیں دین کی دعوت دیں (سورۃ الشعراء آیت نمبر: 214) چنانچہ آپ نے اہل قریش کو جمع کیا اور اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی توحید اور اپنی رسالت کی دعوت دی۔ جب اہلِ مکہ کے بڑے اور قریش کے اہم لوگ اکٹھے ہو گئے تو ہر طرف یہی چہ میگوئی ہونے لگی کہ آج اہل مکہ کو اس نے جمع کیا ہے، جس نے کبھی جھوٹ نہیں

بولا' جس نے کبھی امانت میں خیانت نہیں کی' جس کی زبان سے کبھی غلط بات نہیں نکلی' جس سے زیادہ حسین کسی آنکھ نے نہیں دیکھا' جس سے زیادہ جمیل کسی ماں نے نہیں جنا' جس سے زیادہ نیک کوئی نہیں ہوسکتا' یقیناً وہ کوئی اہم بات کرے گا۔ بچے' بوڑھے' جوان' امیر غریب' چرواہے اور عرب سردار سب جمع ہوگئے' آپ ﷺ کوہِ صفا کی چوٹی پر تشریف لے گئے' پھر فرمایا:

اے اہلِ مکہ! تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟

سب نے بیک زبان پکار کر کہا: آپ صادق اور امین ہیں۔ آپ معزز ترین ہیں' آپ ہم میں بہترین ہیں۔ آپ کی زبان سے سچ کے علاوہ کبھی کچھ نہیں نکلا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج ہے جو تم پر حملہ آور ہو کر تمھیں فتح کرلے گی تو تم کیا کہو گے؟ سب نے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر حدِ نظر تک بغور دیکھا' کچھ نظر نہ آیا' ایک دوسرے سے پوچھا' کچھ دکھائی یا سجھائی نہ دیا' تو بولے:

بے شک ہمیں نظر کی آخری حد تک کوئی گرد وغبار تک دکھائی نہیں دے رہا اور بظاہر کوئی فوج بھی نظر آنے کا امکان نہیں' لیکن ہم یہ مانتے ہیں کہ ہماری نظریں تو دھوکا کھا سکتی ہیں لیکن آپ کا فرمان غلط نہیں ہوسکتا' لہٰذا ہم آپ کی صداقت کے باعث اقرار کرتے ہیں کہ ضرور اس پہاڑ کے پیچھے کوئی فوج ہوگی جو ہمیں مغلوب کرلے گی کیونکہ ہماری نگاہ قصور کر سکتی ہے' ٹھوکر کھا سکتی ہے' آپ کا فرمان غلط نہیں ہوسکتا۔

آپ نے کمال متانت سے فرمایا: اگر تمھارا میرے بارے میں ایسا ہی گمان ہے تو پھر یقین کرلو' تمہارا اصل معبود وہ ایک اللہ ہے' جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ عبادت کے لائق ہے' یہ پتھر کے تراشے ہوئے بت نہیں' یہ بت بے جان' نفع نقصان پہنچانے سے عاجز محض بے بس' بے حس اور بے جان مجسمے ہیں۔ ان کی عبادت چھوڑ دو' ایک اللہ کی عبادت کرو' جو رحمان ہے اور رحیم ہے۔ یہ سنتے ہی پہلے تو وہ سکتے میں آگئے تھے' بتوں کے خلاف جو صدیوں سے معبود مانے جاتے تھے' یوں اعلانیہ باتیں سن کر وہ غصے میں آگئے' جوشِ غیظ و غضب چہروں سے ظاہر ہونے لگا' سب ابھی غصے کے اظہار کے لیے مناسب لفظ ہی ڈھونڈ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا ابولہب یوں چیخا:

(نعوذ باللہ) تیرا ہاتھ ٹوٹ جائے' تو نے بتوں کے خلاف یہ باتیں سنانے کے لیے ہمیں اکٹھا کیا ہے؟

اس کی اس بات پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو چپ رہے لیکن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے اس اوّلین گستاخ کا بذریعہ وحی جواب دیا:

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ تباہ وبرباد ہوا' نہ کام آیا اُس کے اُس کا مال اور جو اُس نے کمایا (اُس کے اعمال)۔ جلد ہی اُسے دہکتے شعلوں میں دھکیل دیا جائے گا اور اُس کی بیوی جو لکڑیوں کا گٹھا سر پر لیے پھرتی ہے' اس کی گردن میں چھال کی رسی ہے''۔

اہانتِ رسول ﷺ کے اس پہلے عام واقعے سے درج ذیل مسائل نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

(ا) سب گناہوں سے بڑا گناہ' اللہ کے محبوب' نبی برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی اور اُن کا دل دکھانا ہے۔ اگر کوئی شخص نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرے تو خدا ناراض ہوجاتا ہے۔

(ب) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ ایک ہاتھ کی بربادی کا ذکر کرے تو رب اُس کے دونوں ہاتھوں کی تباہی کا اعلان کرتا ہے' یعنی رب گستاخ سے اعلانِ جنگ کرتا ہے۔

(ج) یہ اعلان بھی وہ کسی عام انسان یا سردار کے ذریعے نہیں بلکہ خود بذریعہ وحی کرتا ہے۔

(د) یوں فیصلہ ہوگیا کہ جو حضرتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے ادب ہے اور حضور ﷺ کا کچھ نہیں لگتا' وہ رب کریم کا بھی کچھ نہیں لگتا۔ اور اُس بے ادب کا کسی سے بھی کوئی تعلق نہیں رہتا۔ وہ اولاد ہوتے ہوئے بھی لاولد رہتا ہے اور مال رکھتے ہوئے بھی کنگال ہوتا ہے' کوئی رشتہ' کوئی چیز اُس کے کام نہیں آتی اور مصیبت میں وہ یکہ وتنہا رہتا ہے' اُس کا انجام بہت عبرتناک ہوتا ہے۔

(ہ) اللہ کے ساتھ بندگی ومحبت کا رشتہ بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ہوگا۔ کالا حبشی حضور ﷺ کی غلامی میں آکر صحابہ کے لیے ''سیدنا'' ہوجاتا ہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا بے ادبی کے باعث دشمنِ خدا ٹھہرتا ہے۔ گویا سرکار ﷺ کی بے ادبی کے بعد کوئی نسبی تعلق بھی گستاخ کو ذرا فائدہ

نہیں دیتا۔

(و) بے ادبی میں گستاخ کے ساتھی (جیسے ابولہب کی بیوی) بھی بُرے اور بھیانک انجام سے دوچار ہوتے ہیں' چنانچہ چشمِ عالم نے دیکھا کہ ابولہب کی بیوی جب لکڑیوں کا گٹھا سر پر لیے آرہی تھی تو اس کی رسی اس کی گردن میں الجھی اور وہ وہیں بے بسی کے پھندے سے مرگئی' قولِ حق پورا ہوکر رہا۔ بے ادب کی سزا سب نے دیکھی۔

سرکار ﷺ کا یہ اولین گستاخ ایک بیماری کا شکار ہوا اور اللہ کریم کی شدید پکڑ میں آگیا۔ اسے ایک ایسی پھنسی نکل آئی' جسے اہلِ عرب بہت منحوس سمجھتے اور اس کو متعدی جان کر ایسے مریض کے قریب بھی نہ پھٹکتے' چنانچہ ابولہب کے بیٹوں نے بھی اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا۔ وہ کئی روز اذیت اور درد سے تڑپتا رہا اور بے بسی کی موت مرگیا۔ تین دن تک اس کی لاش بے گوروکفن پڑی رہی' لیکن کسی نے اس کو دفن کرنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ اس کی لاش پھٹ گئی اور اُس سے بدبو اُٹھنے لگی۔ بدنامی کے خوف سے اس کے بیٹوں نے اس کی لاش کو ایک گڑھے میں دھکیل دیا اور اسے پتھروں سے ڈھانپ دیا۔

(سیرۃ الرسول ج 10 از ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

مدینہ شریف میں ایک یہودی کعب بن اشرف رہتا تھا۔ یہ بڑا مالدار' بدکلام اور خاص دشمنِ اسلام تھا۔ شعر بھی کہتا تھا اور شانِ رسالت میں گستاخانہ گفتگو بھی کرتا۔ اُس نے اتنی اذیت پہنچائی کہ صحابہ کرامؓ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشاورت و اجازت سے اس کا سرتن سے جدا کردیا۔ اسے قتل کرنے والے حضرت ابو فائلہ نے اُسے قتل کرنے سے پہلے حضور نبی اکرمؐ سے کچھ حیلہ' کچھ بہانہ کرنے کی اجازت چاہی تو حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ ابو فائلہ نے کعب کے پاس جاکر بظاہر کعب سے حضور ﷺ کے خلاف باتیں کرکے اسے اعتماد میں لیا اور پھر مناسب وقت پر قتل کردیا۔ ثابت ہوتا ہے کہ گستاخِ رسول کو سزا دینے کے لیے مکر کی بھی اجازت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے والے گستاخ کی سزا قتل ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ حرکت (ایذا و اہانتِ رسول ﷺ) کسی مسلمان سے بھی سرزد ہو تو وہ مرتد اور واجب القتل ہوجاتا ہے اور اس میں کسی مسلمان کو اختلاف بھی نہیں۔ اسی سے تحفظ ناموسِ رسالت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ یہ اتنا مضبوط اور اہم معاملہ ہے کہ کوئی گیا گزرا مسلمان بھی اپنے

پیارے نبی ﷺ کی گستاخی اور توہین برداشت نہیں کرسکتا اور فوراً گستاخ کو سزا دینے کے لیے تیار ہوجاتا ہے' خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔ سب کچھ لُٹ جائے تب بھی' جان بھی چلی جائے تب بھی۔ یہی عینِ اسلام ہے اور یہی تقاضائے ایمان۔ فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ کا ایک گستاخ ابنِ خطل غلافِ کعبہ سے لپٹ کر معافی مانگ رہا تھا' لیکن اُس کی گستاخیوں کے پیشِ نظر اُسے قتل کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورِ اکرمؐ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کوئی شخص معافی نہیں دے سکتا۔

پاکستان میں بھی توہینِ رسالت کو بہت بڑا جرم قرار دیا گیا ہے' ایسا جرم جس کی معافی نہیں اور جس کی سزا قتل سے کم نہیں۔ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 295۔سی' حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخ کے لیے سزائے موت یا عمر قید یا سزائے جرمانہ کا اعلان کرتی ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے 30 اکتوبر 1990ء کے فیصلے کی رُو سے توہینِ رسالت مآب ﷺ کی سزا یوں ہے:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے تمام پیغمبروں (علیہم السلام) کی شان میں گستاخی کے کلمات ادا کرنے والے بدقسمت شخص کی سزا' سزائے موت سے کم نہیں ہے۔ جو کوئی عملاً زبانی یا تحریری طور پر بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ یا بلاواسطہ اشارۃً حضور نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین یا تنقیص یا بے حرمتی کا ارتکاب کرے' وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا اور اسے سزائے جرمانہ بھی دی جائے گی۔ اگر وہی اعمال یا چیزیں دوسرے پیغمبروںؑ کے متعلق کہی جائیں تو وہ بھی اسی سزا کا مستوجب ہوگا''۔

(قانون توہینِ رسالت' مشمولہ غازی عامر چیمہ شہید' ص 213)

غازی علم دین شہیدؒ اور غازی عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ نے اپنے اپنے دور میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں کو جو عملاً سزا دی' وہ اس ایکٹ کی روح کے عین مطابق ہے۔

جب لاہور میں راج پال نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین پر مبنی کتاب رنگیلا رسول (نعوذ باللہ) شائع کی تو غازی علم دینؒ نے تیز دھار چھری سے وار کرکے اُسے جہنم واصل کیا۔

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ نے بھی توہینِ رسالت مآب کو تیز دھار چاقو سے شدید

زخمی کر دیا۔ بعد ازاں وہ ہسپتال میں اذیت کی موت مر گیا۔ اللہ نے راج پال اور ہینرک بروڈر، کو ان کی گستاخی کی سزا دے کر جہنم کا ایندھن بنا دیا۔

اب آخر میں گزشتہ برس 2005ء کے اواخر میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توہین آمیز کارٹون شائع کرنے والے اخبار کے ایڈیٹر کا انجام بھی دیکھ لیں۔

''توہین آمیز خاکے شائع کرنے والے ڈنمارک کے اخبار کا ایڈیٹر زندہ جل مرا''۔

ایلیٹ بیک نے توہین آمیز خاکے شائع کیے، جس پر دنیا بھر کے مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا تھا، اللہ کے عذاب نے سوتے میں پکڑ لیا۔ (سعودی اخبار)

''توہین آمیز خاکے شائع کرنے والے ڈنمارک کے بدنام زمانہ اخبار جائیلینڈز پوسٹن (Jyllands Posten) کا بدبخت ایڈیٹر ایلیٹ بیک اپنے کمرے میں بھڑک اٹھنے والی آگ میں جل کر ہلاک ہو گیا ہے۔ ایک سعودی اخبار کی رپورٹ کے مطابق ایلیٹ بیک اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا کہ اچانک آگ بھڑک اُٹھی، جس کی لپیٹ میں آ کر بدبخت ایلیٹ بیک زندہ جل کر ختم ہو گیا۔ اس ایڈیٹر نے 30 دسمبر 2005ء کو اپنے اخبار میں توہین آمیز خاکے شائع کیے تھے، جس پر پاکستان سمیت دُنیا بھر کے مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا تھا، ڈنمارک کی حکومت اُس کے جل مرنے کی خبر کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ سعودی اخبار نے لکھا ہے کہ اس ایڈیٹر کو اللہ کے عذاب نے سوتے میں پکڑ لیا اور وہ زندہ جل کر جہنم واصل ہو گیا''۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 1، 15 جون 2006ء)

فاعتبروا یا اولی الابصار

یوں اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَر (بے شک آپ کا دشمن ابتر، دم کٹا (بے وارث و نسل بریدہ) ہے) کی تفسیر ایک بار پھر نئی شان سے سامنے آئی۔ سچ فرمایا تھا امامِ اہل سنت الشاہ احمد رضا خاں بریلویؒ نے۔

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اسی خبر کی بنا پر پاکستان کی قومی اسمبلی میں متحدہ مجلسِ عمل کے رکن ڈاکٹر فرید احمد پراچہ نے نکتۂ اعتراض پر کہا کہ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت پر قوم نے جس صدمے کو برداشت کیا، قدرت نے اس کے مرتکب ایڈیٹر کو عبرت کا نشان بنا دیا ہے۔ اخبار کا ایڈیٹر اپنے

کمرے میں زندہ جل کر مرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا ہے کہ توہینِ رسالت کا مرتکب دنیا میں عبرت کا نشان بنے گا۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 16 جون 2006ء)

یہاں ایلیٹ بیک کا تھوڑا سا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ یہی وہ بدبخت ترین شخص تھا، جس نے ڈنمارک کے بچوں کی کہانیاں لکھنے والے کرے بلوتکن کے شیطانی ذہن کی تخلیق (کہ بچوں کی کہانیوں کی کتاب میں پیغمبرِ اسلام کے خلاف زہریلے کارٹون شائع کیے جائیں) سے اتفاق کیا اور مسلمانوں کے احتجاج کا تماشا دیکھنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا۔ ایلیٹ بیک ڈنمارک کے اخبار جے لینڈز پوسٹن Jyllands.Posten کا ایڈیٹر تھا۔ یہ اخبار یہودیوں کی ملکیت ہے، اس اخبار میں کارٹون بنانے کے چالیس ماہر ہیں۔ ایلیٹ بیک نے ان سب کو بلا لیا اور کرے بلوتکن کے حوالے سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کارٹون بنانے کی دعوت دی۔ اٹھائیس نے یہ کام کرنے سے انکار کر دیا، بارہ نے ہامی بھر لی۔ یوں ان بارہ کارٹونسٹوں کے بنائے ہوئے کارٹونوں کا انتخاب ایلیٹ بیک نے اپنے اخبار جے لینڈز پوسٹن میں 30 ستمبر 2005ء کو شائع کر کے گستاخی، شرارت اور بے حیائی کی جو آگ لگائی بالآخر اُسی آگ کے عملی مظاہرے نے اُسے ایک کمرے کی آگ میں بھسم کر کے دوزخ کی آگ میں پہنچا دیا تا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جلتا رہے۔

غازی عامر چیمہ شہیدؒ کا شاتم پر حملہ اور اس کی سرکوبی

عظیم عاشقِ رسول مقبول حضرت عبدالرحمن چیمہ شہیدؒ نے اہانتِ رسول پر مبنی کارٹون شائع کرنے والے جرمنی کے اخبار کے مالک پر حملہ کر کے اُسے گستاخ رسول راج پال کا ہم انجام بناتے ہوئے جہنم رسید کیا تو برلن کی پولیس نے اُسے پکڑ لیا۔ اُس پر مقدمہ چلا اور اُسے برلن کے علاقے موآبٹ (Moabit) کی جیل میں قید کر دیا گیا، جہاں وہ شہادتِ عظمیٰ کی سعادتِ جلیلہ سے مشرف ہوا۔

پاکستان میں جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو غلامانِ رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پژمردہ چہرے کھل اُٹھے۔ عام مسلمانوں نے سکون کا سانس لیا کہ جبر وقہر کے اس دور میں بھی کوئی نیا علم دینؒ، حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموسِ پاک کی حفاظت کے لیے کسی شاتم ملعون سے ٹکرایا ہے۔ عامر دیکھتے ہی دیکھتے 56 اسلامی ممالک کے مسلمانوں کا ہیرو بن گیا۔ اُس کی جرأت، اسلامی غیرت، دینی حمیت کا استعارہ کہلائی، اُس کا

حوصلہ خدا کا خاص کرم گردانا گیا۔ اُسے آج کے مادی دور میں اسلامی ثقافت کی راکھ میں زندہ و تابندہ چنگاری سمجھا گیا' اُس کی جرأت و بہادری نے ملتِ اسلامیہ کا سر اونچا کر دیا۔ اُس کی اُٹھتی جوانی نے پیرانِ جُبہ و دستار کے سفید بالوں کی لاج رکھ لی۔ اُس کی للکار نے شاتمانِ رسول کے دل دہلا کر رکھ دیے۔ اُس کی سرشاری نے کفر و طاغوت کے کاخ و کو میں زلزلہ پیدا کر دیا' اُس کی غیرت نے گستاخانِ نبی کی پھیلی چھاتیوں کو آتشِ خوف و ہیبت کی دھونکنی بنا دیا۔ دندناتے بے فکرے مضحک کارٹون چھاپنے والوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ اُنھیں احساس ہوا کہ نبی ختمی مرتبت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں شوخی و گستاخی انھیں کتنی مہنگی پڑ سکتی ہے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ زندگی کی کسی نہ کسی شاہراہ پر کوئی نہ کوئی عامر عبدالرحمٰن اُن پر عذابِ الٰہی بن کر لپکے گا۔ وہ چھپ چھپ کر' ڈر ڈر کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یوں عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اُس کا مقصد سیاسی نہیں تھا' وہ کسی دہشت گرد تنظیم کا آلہ' کار بھی نہیں تھا' اُسے نمود و نمائش کی خواہش بھی نہیں تھی' وہ انتہا پسند مدرسوں کا پڑھا ہوا بھی نہیں تھا' وہ جُبہ' عصا اور ریش رکھنے والا مولوی بھی نہیں تھا۔ وہ تو بس ایک سیدھا سادا' شریف النفس' پاکیزہ خو' پابندِ صوم و صلوٰۃ' نرم مزاج' باادب اور بردبار مسلمان نوجوان تھا' جس نے ایک نیک دل عاشقِ رسول نذیر چیمہ کے ہاں جنم لیا تھا۔ جس نے ایک بابرکت ماں کا دودھ پیا تھا' جس نے ایک مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی تھی' جس کی ساری تعلیم دنیاوی سکولوں کالجوں کی تھی۔ دنیاوی تعلیم کے علاوہ اُسے ایک ازلی سبق بھی یاد تھا اور وہ یہ تھا کہ اُس کے پیارے نبی' اللہ کے محبوب' نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُسے ہر چیز سے پیارے ہیں' دنیا جہاں سے عزیز ہیں' اپنی جان سے بھی بڑھ کر پیارے ہیں۔ وہ اپنے باپ اور اپنی ماں کو اپنے پیارے نبی ﷺ کے قدموں پر فدا کر سکتا ہے' وہ کون و مکاں کا ہر رشتہ' ہر چیز اپنے پیارے نبی ﷺ پر قربان کر سکتا ہے حتیٰ کہ اپنی جان بھی پیارے نبی ﷺ پر تصدق کر سکتا ہے۔ دیکھا جائے تو یہی سبق' اصلِ ایمان ہے۔ اُسے جہان و جاں سے پیارے آقا ﷺ کا یہ فرمان بھی اچھی طرح یاد تھا کہ مسلمانو! تم میں سے کوئی بھی اُس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا' جب تک میں اس کے ماں باپ' اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر پیارا نہ ہو جاؤں۔ اپنے آقا کے گستاخ کو سزا دینا ہی غازی کا مقصد وحید تھا۔

شمعِ رسالت کے اس پروانے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس سچے عاشق اور غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آنکھوں کے تارے عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ نے جب سنا کہ ڈنمارک میں چھپنے والے توہین آمیز خاکوں کو فروری 2006ء میں جرمن اخبار ڈائی ویلٹ نے بھی شائع کر دیا ہے تو یقیناً وہ تڑپ کر رہ گیا ہوگا۔ اُس نے سوچا ہوگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کا ایک غلام' آپ کے غلام کا بیٹا جرمنی میں ہے اور اسی ملک میں آپ کا ملعون شاتم بھی ہے' حضور! اپنے اس عاجز اُمتی سے اپنی ناموسِ پاک کی حفاظت کا عظیم کام لے لیجیے۔ مجھے اپنے پیارے رب سے وہ توفیق' وہ حوصلہ لے دیجیے کہ میں آپ کے بے ادب کو سبق سکھا سکوں۔ یقیناً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اس جانثار غلام کی فریاد کو شرفِ پزیرائی بخشا' اُسے اللہ سے حوصلہ لے دیا۔ اُس میں وہ ہمت پیدا ہوئی جس سے ہمالہ بھی کانپتا ہے۔ یہ عشق کی ہمت ہے جو معاذ و معوذ بچوں سے (رضی اللہ عنہما) ابوجہل کو نمونہ عبرت بنا دیتی ہے' جو علم دینؒ جیسے بڑھئی کے ہاتھوں راج پال کو واصلِ جہنم کرا دیتی ہے۔ عشقِ نبی ﷺ کی اس ہمت والے کے پاس کوئی خوف' کوئی غم' کوئی دہشت' کوئی پریشانی نہیں آتی۔ یہی عشقِ نبی ﷺ کی ہمت عامر میں پیدا ہوئی۔ اُس نے سوچا ہوگا کہ یہ جان ایک دن تو جانی ہی ہے' کیوں نہ اپنے پیارے آقا ﷺ کی ناموس پر قربان کر دی جائے۔ پھر اُس نے وہ فیصلہ کیا جو بغیر فضلِ خداوندی ہو ہی نہیں سکتا۔ اُس نے دیارِ غیر میں بے بس ہوتے ہوئے بھی گستاخ اندھی طاقت سے ٹکرا کر اُسے پاش پاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ یوں چراغِ مصطفوی سے برسرِ پیکار شرارِ بولہبی کی گردن مروڑنے کے لیے اُس نے کمرِ ہمت باندھ لی۔ وہ کئی دن اپنی سوچوں میں کھویا رہا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اپنے اللہ کے حضور دعا کرتا رہا۔ بارگاہِ نبوت میں رہنمائی کی التجا کرتا رہا۔

وہ جرمنی کے شہر مونشن گلاڈباخ کی یونیورسٹی میں پڑھتا تھا اور توہینِ رسالت پر مبنی کارٹون شائع کرنے والے اخبار ڈائی ویلٹ کا دفتر برلن کے علاقہ رزبرگ (Kreuzberg) میں تھا۔ برلن ہی میں اس کی ماموں زاد بہن فاخرہ کوثر اپنے شوہر آصف چٹھہ اور بچوں کے ساتھ رہائش پزیر تھی اور وہ اکثر چھٹیاں گزارنے اپنی بہن کے ہاں آجایا کرتا تھا' لہٰذا برلن اُس کے لیے نامانوس نہیں تھا۔ وہ کئی دن تک چپ چاپ سوچتا

رہا۔ اُس کا خون کھولتا رہا اور وہ گستاخِ رسول کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بناتا رہا۔ ایک دن اُس نے بازار سے نیا شکاری چاقو خریدا۔ خالی کالج بیگ ساتھ لیا اور برلن پہنچ گیا۔ وہ اپنی بہن کے گھر ٹھہرا۔ اُن دنوں اُس کی ذہنی حالت کا کچھ پتا اُس کی بہن فاخرہ کوثر کے اس بیان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

''ہمیں بالکل بھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ اس طرح کا کوئی پروگرام بنا رہا ہے۔ ہاں ہم نے اُس میں بعض تبدیلیاں نوٹ کی تھیں۔ نماز وہ پہلے بھی پڑھتا تھا لیکن اتنے اہتمام سے نہیں۔ بعض اوقات چھوٹ بھی جاتی تھی لیکن اس مرتبہ وہ نماز کی سخت پابندی کر رہا تھا' اتنی کہ کھانا لگا ہوتا تو وہ کہتا: باجی! نماز کا وقت ہو گیا ہے' پہلے نماز پڑھ لوں۔ جمعہ کے روز علاقے کے مسلمانوں نے گستاخی کرنے والے اخبار کے دفتر کے سامنے مظاہرہ کیا' لیکن عامر اس میں شریک نہیں ہوا۔ وہ مسجد میں نماز پڑھنے چلا گیا اور کافی وقت لائبریری میں گزارا۔ شام کو وہ میرے شوہر سے بڑے تجسس کے ساتھ پوچھتا رہا: مظاہرہ کیسا تھا' کتنے لوگ تھے' اس کا کوئی اثر ہوگا؟ میں میاں سے کہتی تھی: عامر کچھ بدلا بدلا سا لگتا ہے' لیکن ہمیں وہم وگمان تک نہ تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے؟''

(عرفان صدیقی، نقشِ خیال، نوائے وقت، ص3، 16 مئی 2006ء، نیز www.millat.com)

عامر عبدالرحمٰن اُس احتجاجی مظاہرہ میں شریک نہ ہوا' جو برلن میں جمعہ کے روز مسلمانوں نے گستاخ اخبار کے دفتر کے سامنے کیا تھا' یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ اپنے عشق کی بدولت تو اُسے ضرور شامل ہونا چاہیے تھا لیکن شاید وہ اس لیے اس میں شریک نہ ہوا کہ وہ محض رونے' محض احتجاج اور محض مظاہرے کا قائل ہی نہیں تھا۔ اُس کی رگوں میں دوڑنے والا خون اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخ کو عملاً جہنم واصل کرنے کے لیے جوش مار رہا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کو دراصل جرمِ ضعیفی کی سزا مل رہی ہے۔ جب سب سہم جائیں تو کوئی نہ کوئی موسیٰ طلسمِ سامری کو توڑنے کے لیے آگے بڑھ آتا ہے' یہی نظامِ قدرت ہے۔ اسی نظام کے تحت قدرت عامر کو تیار کر رہی تھی۔ اُس کی کیفیت مجلّہ الدعوۃ میں یوں تحریر ہوئی ہے:

''جرمنی سے جنازے کے ساتھ آنے والی عامر کی بہن فاخرہ کوثر کے مطابق جب جرمنی کے اخبار Die Welt میں آقائے گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق توہین

آمیز خاکے شائع ہوئے تو عامر کو اس کے بعد چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ ہر وقت کھویا کھویا سا اور خاموش رہنے لگا تھا۔ فاخرہ کوثر کہتی ہیں: میں اس کی خاموشی پر حیران ہوتی۔ مجھے زیادہ تعجب اس بات پر ہوتا کہ دو ماہ بعد اس کا آخری سمسٹر مکمل ہونے والا ہے مگر یہ کیسا لڑکا ہے کہ کامیابی کے دن جیسے جیسے قریب آ رہے ہیں' یہ خوش ہونے کی بجائے چپ چپ سا رہنے لگا ہے۔

20 مارچ سے کچھ دن پہلے وہ یونیورسٹی سے ہمارے گھر آیا۔ کچھ دن رہ کر واپس چلا گیا۔ چند دنوں بعد وہ دوبارہ چلا آیا۔ میں نے پوچھا: عامر آخر بات کیا ہے؟ ایک دم ہی تم اتنی چھٹیاں کیوں کرنے لگے ہو اور یہ اتنے کھوئے کھوئے سے کیوں رہتے ہو؟

عامر نے دیر تک سر کو جھکائے رکھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔ وہ کسی نامعلوم اور غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے کچھ سوچ رہا تھا۔ آخر اس نے سر اٹھا کر ایک بہت ہی مختصر اور غیر معمولی جواب دیا۔ اس کے جواب سے میں نے جان لیا کہ وہ بہت سنجیدہ ہے اور دل میں کسی بات کا عزمِ مصمم لئے ہوئے ہے۔ عامر کہنے لگا:

باجی! میں جس کام کے لیے آیا ہوں' اب وہ کام کر کے ہی جاؤں گا۔

میں نے کام کی تفصیل پوچھنی چاہی تو اس کی زبان کو پھر چپ کا تالا لگ چکا تھا۔ اس کے بعد وہ گھر سے غائب رہنے لگا۔ صبح نکلتا تو رات گئے تک لوٹتا۔ (بعد میں) معلوم ہوا کہ عامر توہین آمیز خاکے دوبارہ شائع کرنے والے اخبار Die Welte کے چیف ایڈیٹر Henryk Broder پر قاتلانہ حملے کے الزام میں گرفتار ہو چکا ہے۔ فاخرہ کوثر کہتی ہیں: بعد میں دستیاب ہونے والی معلومات کے مطابق عامر جن دنوں غائب رہنے لگا تھا' ان دنوں میں وہ توہین آمیز خاکے شائع کرنے والے اخبار کے چیف ایڈیٹر ہینرک بروڈر کی ریکی کرتا تھا۔ وہ دفتر میں اس کے آنے جانے اور کام کرنے کے اوقات کا جائزہ لیتا''۔

(مجلّہ الدعوۃ لاہور، ص10، جون 2006ء)

برلن شہر کے علاقہ رزبرگ (Kreuzberg) میں متعلقہ اخبار کا دفتر اس کے تجسس کا مرکز بن گیا۔ ساری معلومات لینے کے بعد اُس نے گستاخِ رسول کو سزا دینے کے منصوبے کو حتمی شکل دی۔ بہن کے گھر سے نکلنے سے پہلے اُس نے غسل کیا۔ شاید اُس کے ذہن میں یہ سوال آیا ہو کہ ہو سکتا ہے اس مقدس مشن میں اُسے بھی قتل کر دیا جائے' لہٰذا

شہادت سے پہلے اپنے ہاتھوں سے آخری غسل کرلیا جائے۔ اس نے اپنی بہن کو خدا حافظ کہا اور ایک بہت ضروری کام کا کہہ کر گھر سے نکلا۔ وہ کمر میں کالج بیگ کس کر برلن کی عمارت ایکسل سپرنگر پبلشنگ ہاؤس (Axel Springer Publishing House) کی طرف بڑھا۔ یہاں پہنچ کر اُس کے قدم ڈائی ویلٹ اخبار کے دفتر کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔ جس کے چیف بیورو ہینرک بروڈر (Henryk Brooder) کو وہ گستاخ کارٹون شائع کرنے کی سزا دینا چاہتا تھا۔

ایکسل سپرنگر ورلاگ (Axel Springer Verlag) ڈائی ویلٹ اخبار کا یہ دفتر برلن کے علاقہ رز برگ میں واقع بلڈنگ میں تھا۔ یہ عمارت سترہ، اٹھارہ منزلہ تھی۔ وہ اپنی مطلوبہ جگہ ساتویں منزل پر پہنچا۔ اُس نے خالی کالج بیگ کو عام سٹوڈنٹس کی طرح کمر کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ کسی کالج سے پڑھ کر آ رہا ہے۔ اُس نے بے دھڑک مطلوبہ مالکِ اخبار کے کمرے میں جانا چاہا تو مسلح گارڈوں نے اُس کا راستہ روکا، اُسے شناخت کرانے، اجازت ملنے کے بعد اندر جانے کے مروجہ اصول کی خبر دی گئی لیکن اپنے اور گستاخِ رسول کے درمیان اتنے تھوڑے فاصلے پر اُس کا خون اور بھی جوش مارنے لگا۔ اس میں شدید آندھیوں کی تیزی پیدا ہوئی۔ گارڈز اُس کو قابو کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اب اُس کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ یہ کون ہوتے ہیں میرے راہ میں حائل ہونے والے! لیکن ان کے چنگل سے نکلنا بھی تو ضروری تھا۔ اُس کے ذہنِ رسا نے ایک آن میں ایک ترکیب سوچی۔ اُس نے گرجدار آواز میں کمر سے بندھے خالی بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: میں نے بم باندھا ہوا ہے اور اُس کے بٹن پر میری اُنگلی ہے۔ ایک سیکنڈ میں دور ہو جاؤ، میں سب کچھ اُڑا کر راکھ کر دوں گا۔ شاتمِ رسول کے محافظ، اپنی جان بچانے کے لیے سرپٹ بھاگ کھڑے ہوئے، کسی نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، کیوں کہ انھیں اپنی جان پیاری تھی۔ یہ تو صرف مسلمان ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ جان کسی کی امانت ہے اور اس کے جانے کا ایک وقت ہے، جو ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ جان پیاری نہیں، مقصد پیارا ہے۔ یہی درس تو امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام نے کربلا میں دیا تھا، لیکن غیر مسلموں کے پاس حسینؓ کہاں؟ انھیں تو بس جان پیاری ہے۔ اسی جان کو بچانے کے لیے گارڈ بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت عامر چیمہ نے طوفانی شدت سے شاتمِ رسول کے کمرے کا دروازہ کھولا، سامنے ہی

کرسی پر وہ ملعون موجود تھا، جسے دیکھتے ہی عاشقِ مصطفیٰؐ کا خون کھولنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے جبریل امینؑ اس کا حوصلہ بڑھا رہے ہوں، جیسے صلاح الدین ایوبیؒ اور نور الدین زنگیؒ اُس کے کندھے تھپتھپا رہے ہوں، جیسے 56 مسلم ممالک کے عاشقانِ مصطفیٰؐ اُسے داد دے رہے ہوں۔ وہ عقاب کی طرح جھپٹا اور اُس کا نیا شکاری چاقو تو ملعون کے پیٹ اور گردن پر پے در پے وار کرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ملعون شدید زخمی ہو گیا۔ وہ اور بھی حملے کرتا لیکن گارڈوں نے اُسے پکڑ لیا اور پولیس کے حوالے کر دیا۔

(اس حملے کی تفصیل روز نامہ اسلام کے 12 مئی کے خصوصی ایڈیشن، مجلہ الدعوہ کے جون 2006ء کے شمارے، ہفت روزہ غزوہ، انٹرنیٹ، روزنامہ نوائے وقت، ایکسپریس وغیرہ میں چھپنے والی مختلف خبروں، ماہ نامہ پھول جون 2006ء، عامر شہیدؒ کے عزیزوں کی گفتگو سے اکٹھی کی گئی ہے۔)

گرفتار ہونے کے باوجود عامر نذیرؒ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اُس نے خدا کی دھرتی کو گستاخِ نبی کے نجس وجود کو اٹھائے رکھنے کی اذیت سے قریباً نجات دلا دی تھی۔ اُس نے اپنے پیارے آقا و مولا، شاہِ لولاک، سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کی طرف انگشتِ تضحیک اٹھانے والے کو اُس کے فطری انجام سے دوچار کر دیا تھا۔ اُس نے اپنی پیدائش کے جواز کو ثابت کر دیا تھا۔ وہ دین و دنیا میں سرخرو ہو چکا تھا۔ اُس نے طاغوتی طاقتوں کے اس خیال کی جان نکال لی کہ ہمارے حربے کامیاب ہو گئے ہیں، کیبل، ڈش اور انٹرنیٹ نے آج کے مسلمان کے بدن سے روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھینچ لی ہے اب یہ مسلمان صرف سایے ہیں، ان میں کوئی علم دین“ نہیں رہا۔ اپنے مقصدِ وحید کو پانے کے بعد اب اُسے کسی چیز کی فکر نہیں تھی، اُسے کوئی غم نہیں تھا۔ اب اُسے نہ پکڑے جانے کا غم تھا نہ موت کا خوف۔ اب وہ ہر غم اور خوف سے بے نیاز سینہ پھلا کر پولیس کے سامنے آیا۔ گرفتار ہوا اور اُس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ بیان دیا کہ اُس نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب توہین آمیز کارٹون شائع کرنے والے ایک ملعون پر بہت سوچ سمجھ کر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اس سارے واقعے کو صیغۂ راز میں رکھا گیا۔ پاکستانی پریس نے جہاں سے جو خبر لی، شائع کر دی لیکن تمام تر تفصیلات کماحقہ، سامنے نہ آسکیں۔ پاکستانی پریس کی رپورٹوں خصوصاً عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کی تدفین کے موقع پر اُس کے عزیزوں سے

بالمشافہہ ملاقات میں جو معلومات ملیں، اُن کے مطابق ہینرک بروڈر چند دن موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر اذیت کی موت مرا اور جہنم کا ایندھن بن گیا۔ گستاخِ رسول دنیا و آخرت میں یونہی سزا پاتا ہے۔

پہلے پہل تو یہ بھی عام نہ ہو سکا کہ وہ ملعون واقعی جہنم رسید ہو گیا تھا یا نہیں۔ عام خیال یہی تھا کہ عامر نذیر نے اُسے مارنے کی بس کوشش کی لیکن وہ زخمی ہو گیا، مرا نہیں۔ اللہ بھلا کرے پاکستانی پریس کا جس نے مفتی ڈاکٹر سرفراز نعیمی صاحب کی تصدیق کے ساتھ یہ خبر شائع کی کہ وہ ملعون جہنم واصل ہو گیا تھا۔

عامر چیمہؒ جس شاتمِ رسول پر حملہ آور ہوا، وہ جہنم رسید ہو گیا تھا

راقم الحروف (افضال احمد انور) کو عامر چیمہؒ کی تدفین کے وقت، عامر شہیدؒ کے انکل بشیر احمد صاحب نے بتایا تھا کہ جس گستاخِ رسول پر ہمارے بیٹے عامر نے حملہ کیا تھا، وہ جانبر نہ ہو سکا تھا اور مر گیا تھا مگر اُس کے قتل کو مشتہر نہیں کیا گیا۔ یہ سُن کر وہاں جتنے لوگ سُن رہے تھے، خوش ہو گئے کہ گستاخِ رسول کو جہنم واصل ہی ہونا چاہیے تھا۔ بشیر چیمہ صاحب کی اس زبانی اطلاع پر ذہنی تحفظات تو تھے مگر تحریری شکل میں اس کی خبر کہیں سے نہیں ملتی تھی۔ بالآخر 31 مئی 2006ء کے ایکسپریس اخبار میں اس عنوان پر نظر پڑی:

عامر چیمہ نے گستاخِ رسول کو جہنم واصل کر دیا تھا۔ سرفراز نعیمی

اس عنوان کے تحت یہ اطلاع دی گئی تھی:

''امیر اسیرانِ ناموسِ رسالت مفتی ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے انکشاف کیا ہے کہ غازی عامر چیمہ شہید نے گستاخِ رسول کو جہنم واصل کر دیا تھا، لیکن مغربی میڈیا جان بوجھ کر اس بات کو چھپا رہا ہے، جسے پاکستانی میڈیا کو اجاگر کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے کہا کہ حکمران سمجھتے تھے کہ عاشقانِ رسول کو جیلوں میں ڈال کر ڈرایا جا سکتا ہے لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ عاشقانِ رسول، ناموسِ رسول ﷺ پر جان بھی قربانی کرنے سے نہیں گھبراتے، جس کی ایک مثال عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید کی ہے۔ عامر شہید نے دنیا کو بتا دیا کہ یہ مسئلہ سرحدوں کا نہیں بلکہ عالمی مسئلہ ہے''۔

(روزنامہ ایکسپریس فیصل آباد، ص 8 کالم 3، 31 مئی 2006ء)

اسی خبر میں جے۔ یو۔ پی کے سربراہ انجینئر سلیم اللہ خان کا بیان بھی ریکارڈ پر ہے:

''عامر چیمہ شہیدؒ نے اُن کی سرزمین پر جا کر انھیں جہنم واصل کر کے غازی علم دین شہید کی طرح نئی تاریخ رقم کی''۔ (ایضاً بقیہ بر صفحہ 5 نمبر 29)

جون 2006ء کے مجلّہ الدعوہ میں عامر چیمہ شہیدؒ کی جرمنی کے شہر برلن میں مقیم کزن (ماموں زاد بہن) محترمہ فاخرہ کوثر (جو شہید کے جسدِ خاکی کے ساتھ پاکستان تشریف لائیں) کا ایک بیان شائع ہوا ہے، جس نے اس خبر کے درست ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے:

''عامر شہیدؒ کی بہن فاخرہ کے مطابق یہ ایڈیٹر چند دنوں بعد گہرے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہسپتال میں واصل جہنم ہو گیا تھا''۔ (مجلّہ الدعوۃ ص 8، جون 2006ء)

علامہ اقبال نے عامر جیسے جوانوں ہی کے لیے فرمایا تھا:

شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہو کاری　　وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا

گرفتاری سے شہادت تک

20 مارچ 2006ء کو عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ نے توہینِ رسالت پر مبنی کارٹون شائع کرنے والے اخبار ڈائی ویلٹ کے چیف ایڈیٹر ہینرک بروڈر پر قاتلانہ حملہ کر کے اُسے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ سیکیورٹی گارڈوں نے اس پر قابو پا لیا، تھوڑی دیر بعد برلن کی جرمن پولیس اُسے پکڑ کر لے گئی۔ چوالیس دنوں کے بعد وہ جرمن حراست میں تشدد سے شہید کر دیا گیا۔ 3 مئی 2006ء کو اُس نے جامِ شہادت نوش کیا اور 4 مئی کو جرمن پولیس نے اُس کی خودکشی کی خبر پاکستانی سفارت خانے کو اور برلن میں مقیم عامر کی بہن فاخرہ کوثر کو دی۔

ان چوالیس دنوں میں اُس پر کیا بیتی، کون کون سا ستم اُس پر ڈھایا گیا، پولیس نے کیا تفتیش کی، عدالت نے کیا کیا؟ جرمنی میں پاکستانی سفارت خانے نے اُس کے لیے کیا کیا؟ وغیرہ وغیرہ سب کچھ پردۂ اخفا میں ہے۔ کوئی بھی کچھ بتانے، سمجھانے کی پوزیشن میں نہیں۔ جرمن کی نازی پولیس نے حکومتِ پاکستان کی اعلیٰ تحقیقاتی ٹیم کے ساتھ جو نام نہاد تعاون کیا، اُسے تعاون کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ برلن میں مقیم اُس کے عزیزوں کو ایک بار بھی اُس سے ملنے نہ دیا گیا۔ ایک بار بھی اُس کے والدین کے ساتھ اُس کی بات نہ کرائی گئی، سب کچھ پردۂ اسرار میں ہے۔ تاہم پریس کی رپورٹوں سے جو کچھ معمولی سی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں، اُن سے بھی درونِ خانہ واقعات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

لاہور کے ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارے کے سکالر شپ پر عامر عبد الرحمٰن چیمہؒ 26 نومبر 2004ء کو اعلیٰ تعلیم کے لیے عازم جرمنی ہوا۔ یہاں اُسے دو سال تک تعلیم حاصل کرنا تھی، لیکن 3 مئی کی شام اُسے جرمن جیل میں شہید کر دیا گیا۔ جرمنی میں اُس کے قیام کا کل عرصہ قریباً سترہ ماہ بنا۔ اس عرصہ میں وہ محض ایک بار اپنے والدین سے ملنے پاکستان آیا۔ وہ اواخر ستمبر 2005ء میں آ کر 22 اکتوبر 2005ء کو واپس جرمنی چلا گیا۔ یہ اُس کی گھر والوں سے آخری ملاقات تھی۔ فروری 2006ء میں اُس نے گھر والوں سے فون پر تفصیلی بات کی۔ 6 مارچ کو بھی اُس نے گھر فون کر کے اپنے کزن کی شادی کی مبارکباد دی۔ اور سب گھر والوں سے بے حد مختصر بات کی۔ بہنوں سے بھی پیار کے دو بول کہے، بس یہ اُس کی آخری آواز تھی جو گھر والوں کو سننا نصیب ہوئی۔

جرمنی کے شہر برلن میں اُس کی ماموں زاد بہن فاخرہ کوثر اپنے شوہر آصف چٹھہ کے ساتھ رہائش پزیر ہے۔ وہ یونیورسٹی میں ہونے والی تعطیلات گزارنے اپنی اس بہن کے ہاں چلا جایا کرتا تھا۔ چوتھا سمیسٹر شروع ہونے سے قبل بھی فروری 2006ء میں جب یونیورسٹی میں قریباً ایک ماہ کی تعطیلات ہوئیں تو وہ تعطیلات برلن میں گزارنے کے متعلق سوچنے لگا۔ اس بار وہ برلن محض اپنی بہن سے ملنے کے لیے ہی نہیں جانا چاہتا تھا بلکہ اُس کا کوئی اور مقصد تھا۔ وہ مقصدِ وحید برلن سے شائع ہونے والے اخبار ڈائی ویلٹ کے چیف بیورو ہینرک بروڈر کو گستاخانہ کارٹون شائع کرنے کی سزا دینا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے والد سے برلن جانے کی اجازت مانگی۔ اجازت ملنے کے بعد وہ برلن کے وسطی علاقہ میں رہائش پزیر اپنی ماموں زاد بہن کے گھر آ گیا۔ یہاں وہ اپنے ساتھ ایک کالج بیگ اور ایک نیا شکاری چاقو بھی لایا تھا۔ یہاں وہ اکثر چپ چاپ اپنے خیالوں میں کھویا رہتا، وہ کسی کو کچھ نہ بتاتا۔

11 مارچ 2006ء کو اُس کی یونیورسٹی کھل گئی، لیکن وہ واپس نہ گیا۔ اُس کی بہن اُس کے موجودہ رویّے پر حیران بھی تھی اور پریشان بھی، کیونکہ عامر پوچھنے پر بھی کچھ نہ بتاتا۔ اکثر وہ صبح گھر سے نکل جاتا اور دیر بعد گھر لوٹتا، بہن پوچھتی کہ کہاں گئے تھے؟ تو وہ صرف اتنا کہتا: ایک ضروری کام تھا۔

20 مارچ 2006ء کو اُس نے اپنا ضروری کام سرانجام دے لیا۔ اُس نے گستاخانہ

کارٹون شائع کرنے والی ڈائی ویلٹ اخبار کے بیورو چیف کو شدید زخمی کر دیا۔ وہ اُسے موقع پر ہی مار ڈالتا، لیکن گارڈز نے اُس پر قابو پا لیا اور پولیس اُسے گرفتار کر کے لے گئی۔

جرمن پولیس نے سب سے پہلے اُس کا موبائل قبضے میں کر کے سوئچ آف کر دیا۔ پولیس نے اُس سے آلۂ ضرب لے لیا۔ جب اُسے تفتیشی مرکز لے جایا گیا تو اُس نے بے دھڑک یہ تحریری بیان دیا:

"ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے ہینرک بروڈر (Henryk Broder) پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ یہ شخص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا ذمہ دار تھا۔ اگر مجھے آئندہ بھی موقع ملا تو میں اس شخص کو قتل کر دوں گا"۔

(مجلہ الدعوۃ، لاہور، ص 10، کالم 3، جون 2006ء)

اس کے بعد جرمن پولیس نے عامر چیمہؒ کے معاملے کو سپیشل کیس بنا لیا۔ اُس کی بہن کے گھر اور اس کے ہاسٹل سے مزید معلومات لینے کا منصوبہ بنا۔

عامر عبد الرحمٰن شہیدؒ کی گرفتاری کے بعد پولیس نے اپنی تحقیقات کے لیے عامر کے برلن میں مقیم عزیزوں کے گھر اور یونیورسٹی میں اس کے پرائیویٹ رہائش کمرے پر چھاپہ مارنے کے لیے جو "ضمنی" پیش کی، اُس میں کہا گیا کہ عامر نذیر نے ایک روزنامے Die Welt کے دفتر میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ سکیورٹی گارڈ نے روکا تو اُس نے شکاری چاقو نکال لیا اور بم چلانے کی دھمکی دی تا کہ وہ بیورو چیف کے دفتر میں داخل ہو سکے۔ بعد کی خبروں میں بتایا گیا کہ عامر نے توہین رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مرتکب اخبار کے ایڈیٹر پر حملہ کیا، جس سے ایڈیٹر کو گہرے زخم آئے، اسی دوران گارڈ نے عامر پر قابو پا لیا۔

(روزنامہ نوائے وقت، نقشِ خیال 6 مئی 2006ء نیز www.millat.com)

جرمن حکومت نجانے کن وجوہ کی بنا پر عامر چیمہؒ کے معاملے کو چھپائے رکھنا چاہتی تھی۔ پروفیسر محمد نذیر چیمہ صاحب نے راقم الحروف کو بتایا کہ ان دنوں سب گھر والے سخت پریشان تھے۔ عامر کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ آخر ہم نے 7 اور 8 کی درمیانی شب قریباً دو بجے اپنی عزیزہ کو برلن فون کیا، پہلے تو معمول کی رسمی بات، سلام دعا ہوئی۔ پھر جونہی ہم نے پوچھا کہ بیٹی! عامر آپ کے پاس آیا تھا، پھر اُس کا کوئی پتا نہیں چل رہا، آپ کو علم ہے تو بتائیں کہ وہ کہاں ہے اور اس کا کیا حال ہے؟ تو انھوں نے فون بند کر دیا کیونکہ جرمن

حکومت کی طرف سے فون پر آبزرویشن (Observation) لگی ہوئی تھی۔ اس کے بعد عامر کی ماموں زاد بہن نے باہر سے (کسی PCO پر) حافظ آباد اپنے بھائی رب نواز بھون کو فون پر بتایا کہ عامر نے 20 مارچ کو ایک اخبار کے چیف ایڈیٹر پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا اور یوں پولیس نے اُسے گرفتار کر لیا ہے۔ تب ہمیں صورتِ حال کا پتا چلا۔

اصولاً عامر چیمہ کی گرفتاری کے فوراً بعد اُس کی ماموں زاد بہن محترمہ فاخرہ کوثر کو اطلاع دی جانی چاہیے تھی‘ جرمنی میں پاکستانی ایمبیسی کو اس کا علم ہونا چاہیے تھا اور پاکستان میں عامر چیمہ کے والدین کو باقاعدہ اطلاع دی جانی چاہیے تھی۔ عامر چیمہ کے حملے کا تعلق توہین آمیز کارٹونوں کی اشاعت کے حوالے سے کوئی معمولی نوعیت کا کیس نہیں تھا۔ ساری دنیا بالخصوص عالمِ اسلام کے بے پناہ اضطراب و احتجاج کے پیشِ نظر عامر چیمہ پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جانا چاہیے تھا‘ جس کی لمحہ لمحہ کی رپورٹ ریڈیو‘ ٹی وی انٹرنیٹ‘ اخبارات کے ذریعے گلوبل ورلڈ کے چپے چپے میں پہنچتی۔ غیر جانبدار جج سے تحقیقات کروائی جاتیں‘ غیر جانبدار ملک کے کسی غیر جانبدار ڈاکٹر سے پوسٹ مارٹم کرایا جاتا‘ پھر فوراً بعد لاش پاکستان میں لا کر عامر چیمہ کے والدین کے سپرد کر دی جاتی تو عامر چیمہ کے مقدمہ کا کوئی نقطہ کوئی گوشہ سوالیہ نشان نہ بنتا‘ لیکن بدقسمتی سے یہ سب کچھ نہ ہو سکا۔

عامر چیمہؒ کی گرفتاری کے بعد برلن میں مقیم ماموں زاد بہن کا یہ بیان قابلِ غور ہے کہ ”جب عامر نے گستاخ ایڈیٹر پر حملہ کے بعد تحریری اعتراف کر لیا اور اسے جیل میں ڈال دیا گیا تو ایک طرف عامر پر جیل میں تشدد کا ہولناک سلسلہ شروع ہو گیا اور دوسری طرف پولیس نے ہمارے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ ہمارے فون ٹیپ ہونے لگے‘ گھر کے ہر فرد کی کڑی نگرانی ہونے لگی اور عملاً ہمیں گھر میں محصور کر دیا گیا۔ حالانکہ عامر موقع پر ہی از خود حملے کا اعتراف کر چکا تھا۔ اس کے کوئی خفیہ عزائم تو نہ تھے کہ وہ بات کو چھپاتا۔ اس کے حملہ کرنے کے رضا کارانہ اعتراف کے بعد جرمن پولیس کے پاس ہمارے گھر کو گھیرے میں لینے‘ گھر کے افراد کی کڑی نگرانی کرنے‘ انھیں ہراساں کرنے اور فون ٹیپ کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ 20 مارچ کو جرمن پولیس نے ہمارے بھائی کو اٹھایا۔ اس دوران ایک دفعہ بھی ہماری اس سے ملاقات نہ کروائی گئی۔ پھر جب 4 مئی کو عامر کے لیے برلن جیل کا دروازہ کھلا تو ہمیں اس کی لاش ہی ملی۔“ (مجلہ الدعوہ لاہور‘ ص 10 کالم 3‘ جون 2006ء)

مقدمے کے لیے عامر چیمہ کو کسی عدالت میں پیش نہ کیا گیا۔ اُسے ایک سرکاری وکیل تو مہیا کیا گیا لیکن اس وکیل کے باعث عامر چیمہ کو کوئی مدد نہ مل سکی۔ اہم بات تو یہ ہے کہ وکیل کی کوشش ہونی چاہیے تھی کہ فوراً عامر کو عدالت میں پیش کر کے مقدمہ چلایا جائے لیکن ایسا نہ ہوا۔

عامر چیمہ نے جرمنی کی پولیس کے تشدد اور غیر انسانی سلوک کے بارے میں ایک خط لکھ کر پاکستانی سفارت خانے کو مطلع بھی کیا تھا۔

(روزنامہ ایکسپریس‘ فیصل آباد‘ ص 5‘ 10 مئی 2006ء)

بقول تبصیر نشاط: عامر پر جرمن دفعات 240 اور 113 کے تحت الزام لگایا گیا تھا کہ وہ اخبار کے دفتر میں ایڈیٹر پر حملہ کرنے کی نیت سے داخل ہوا تھا۔

(غازی عامر چیمہ شہید مرتبہ اسلم زبیر ص 90)

اُس کے اعترافی بیان‘ بے خوف لہجے اور تحفظِ ناموسِ رسالت کے جذبے کے تحت اُس کے اس کام کے پس منظر میں کارفرما عوامل کی تلاش بھی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے عامر کے کسی دہشت گرد تنظیم کے ساتھ تعلق کو تلاش کرنے کی سعیِ لاحاصل کی گئی۔

جرمن پولیس نے گویا فاخرہ کوثر کے گھر کے باہر ڈیرہ لگا لیا۔ ارشاد احمد ارشدؔ عامر چیمہ کے چچا عصمت اللہ کا یہ بیان ریکارڈ پر لے آئے ہیں کہ: جب عامر ایڈیٹر پر قاتلانہ حملے کے بعد گرفتار ہوا تو جرمن پولیس کے افسران فاخرہ کوثر کے گھر آتے اور بار بار پوچھتے کہ عامر چیمہ کا تعلق کس دہشت گرد تنظیم سے تھا۔ وہ القاعدہ کا ممبر کیسے بنا؟

(مجلہ الدعوہ ص 9 کالم 1‘ جون 2006ء)

گویا جرمن پولیس کے بزرجمہر سارے معاملے کو القاعدہ کے کھاتے میں ڈال کر ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبے کو دہشت گردی ثابت کرنا چاہتے تھے لیکن اس میں انھیں ناکامی ہوئی۔ عامر کے والد پروفیسر نذیر چیمہ نے میاں منیر احمد کو انٹرویو میں بتایا تھا:

”(جب عامر گرفتار ہو گیا تو) جرمنی میں جن عزیزوں کے ہاں وہ رہتا تھا‘ پولیس پھر اُن کے گھر گئی اور تلاشی لی‘ اس کے کمرے کے چپے چپے کی تلاشی لی گئی لیکن وہاں سے پولیس کو کچھ بھی مواد نہ مل سکا۔ دراصل پولیس کا خیال تھا کہ اس کا تعلق کسی دہشت گرد تنظیم کے

ساتھ ہو سکتا ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ تفتیش کے دوران میں اس پر تشدد بھی کیا گیا' اذیتیں دی گئیں اور اُس سے پوچھا جا رہا تھا کہ اُس کا تعلق کس دہشت گرد تنظیم سے ہے لیکن عامر کا ایک ہی جواب تھا کہ میں سچا عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں' دہشت گرد نہیں۔ اور نہ ہی میرے خاندان میں سے کسی کا تعلق کسی ایسی تنظیم کے ساتھ رہا ہے۔ شہید ہمیشہ پر امن اور باوقار شہری رہا ہے''۔ (انٹرویو میاں منیر احمد' مشمولہ غازی عامر چیمہ شہید ص 41)

20 مارچ سے 3 مئی تک چوالیس دن بنتے ہیں۔ ان دنوں میں اُس کا مقدمہ ہی شروع نہ ہو سکا۔ اُسے ریمانڈ پر ہی تفتیشی تشدد سے گزارا گیا۔ اس غیر فہم تفتیش کی ایک کوشش یہ بھی تھی کہ عامر کو کسی طرح نفسیاتی مریض ثابت کر دیا جائے' تا کہ عامر کی قربانی کو نسبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ کر کے ایک Disturbed Person کا Psycho Problem بنا کر مشہور کر لیا جائے تا کہ ناموسِ رسالت کے تحفظ کے جذبے کی طرف کسی کی نظر نہ جائے۔ نوائے وقت میں اپنے وقیع اداریے میں لکھا:

''اخباری اطلاعات کے مطابق عامر چیمہ پر دباؤ ڈالا جاتا کہ وہ اپنے آپ کو ذہنی مریض تسلیم کر لے تا کہ دنیا کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت و ناموس کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک ذہنی مریض کا نجی فعل ہے' لیکن عامر چیمہ نے پولیس کا دباؤ قبول کرنے سے انکار کر دیا''۔ (روزنامہ نوائے وقت' لاہور' اداریہ' 15 مئی 2006ء)

جرمن پولیس کی اس حرکت پر U.K. سے محترمہ فاطمہ نے انٹرنیٹ کے ذریعے درج ذیل خیالات کا اظہار کیا: (2006-05- 1606: 00:15)

"Another thing which amazes me is that same agency is mentioned that he was a psycho....my question to them is if he was a psycho.

A:Why was an initial assessment not made that whether he is at risk for himself or for others.

B:If he was at risk of harming himself or others why was he not put to one to one observations.

C:Why was he not assessed psychiatrists".

اندازہ ہوتا ہے کہ بے پناہ تشدد سہ کر عامر کو یقیناً اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اُسے شہید کر دیا جائے گا۔ اُس نے چار صفحات پر مشتمل اپنے والدین کو آخری خط لکھا۔ اس خط میں اُس نے کچھ وصیتیں بھی کیں۔ اور یہ خط جرمن حکومت نے پاکستانی ایمبیسی کے ذریعہ اُس کی شہادت کے بعد اُس کے والدین تک پہنچا بھی دیا لیکن چار میں سے دو صفحے نہ دیے گئے۔ ان دو ابتدائی صفحات میں کیا ہو گا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کیا عامر نے ان دو صفحات میں خود پر ہونے والے تشدد کا ذکر کیا تھا؟ کیا جرمن پولیس کے مطالبات تھے؟ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہر حال وصیت کے بعض حصوں کو چھپا لینا اور والدین کے کرب میں مزید اضافہ کرنا کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس وصیت میں اُس نے صاف لکھا ہے کہ اُس کی موت خود کشی ہرگز نہیں ہو گی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُسے باور کرایا جا رہا تھا کہ اُسے قتل کر کے خود کشی کے ڈرامے کا اعلان کیا جائے گا؟ عامر چیمہ شہیدؒ کے خط کے ملنے والے دونوں صفحات کی عبارت پیشِ خدمت ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''تمام مسلمانوں اور میرے والدین سے گزارش ہے کہ مجھے جیل میں مرنے کی صورت میں جلد از جلد بغیر پوسٹ مارٹم کے جنت البقیع میں یا کسی بہت بڑے قبرستان میں دفنایا جائے تا کہ آخرت میں میرے لیے آسانی ہو۔ میرے والدین سے گزارش ہے کہ اگر مجھے سعودی عرب جنت البقیع میں دفن کرنے کا انتظام ہو جائے تو اس کی اجازت دے دیں۔ دوسری صورت میں کسی ایسے بڑے قبرستان میں دفنائیں جہاں بہت سے نیک لوگوں کی قبریں ہوں۔ اور میرا جنازہ بڑا کرنے کی کوشش کریں' تا کہ میرے لیے آسانی ہو۔

باقی تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کریں اور غائبانہ نمازِ جنازہ (اگر ہو سکے تو) ادا کریں تا کہ میرے لیے آسانی ہو۔ میں تمام لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ان شاء اللہ میری موت خود کشی ہرگز نہیں ہو گی۔ میری والدین' بہنوں اور دیگر عزیز و اقارب و دوستوں اور تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ میرے گناہ معاف کر دیں اور میرے ذمہ کوئی قرض ہو تو معاف کر دیں اور میرے لیے دعا کریں تا کہ آخرت کے حساب کتاب میں میرے لیے آسانی ہو۔ میرے لیے بخشش کی دعا کریں۔ اللہ آپ کی دعاؤں کو قبول

فرمائے۔

اگر ہو سکے تو خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں کوئی میرے لیے دعا کرے۔

سعودی حکومت سے درخواست ہے کہ خانہ کعبہ اور مسجد نبویؐ میں میرا نام لے کر دعا کروائی جائے۔ تاکہ میرے لیے آسانی ہو اور مجھے جنت البقیع میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے''۔

جرمن حکام نے اسے 4 روز بعد عدالت میں پیش کرنا تھا' جہاں انھیں خدشہ تھا کہ تشدد کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ اس لیے اسے شہید کر دیا گیا۔

(عامر چیمہؒ کے والد پروفیسر نذیر چیمہ کا بیان' غازی عامر چیمہ شہید ص 43)

2 مئی 2006ء کو جب پولیس آفیسرز اس سے تفتیش کر رہے تھے' ایک پولیس افسر نے ختمی مرتبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء (علیہم السلام) کی شان میں گستاخانہ جملہ کہا' جسے سنتے ہی عامر بپھرے ہوئے شیر کی طرح اُس پر جھپٹا' لیکن اس کے دونوں ہاتھ سختی سے بندھے ہوئے تھے اور ارد گرد کے پولیس اہلکاروں نے اُسے قابو بھی کر لیا تھا' اس بے بسی میں بھی عامر عبدالرحمٰن نے اُس گستاخ پولیس افسر کے منہ پر غصے سے تھوک دیا۔

اس ببر ظاہر ہے' اُس کے ساتھ کیا گیا ہوگا۔ لیکن کوئی چیز واضح نہیں۔ کسی کو کچھ خبر نہیں' اگر خبر ہوئی بھی تو یہ کہ بقول جرمن پولیس 3 مئی 2006ء کی شام عامر نے پھانسی لے لی ہے۔ جسے نہ ایمان مانتا ہے نہ عقل۔ نوائے وقت میں اپنے اداریے میں لکھا:

''دورانِ تفتیش جب ایک جرمن پولیس اہلکار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام کے بارے میں گستاخانہ اندازِ گفتگو اختیار کیا تو اخباری رپورٹوں کے مطابق عامر چیمہ شہیدؒ نے اس کے منہ پر تھوک دیا جس سے مشتعل ہو کر جرمن اہلکاروں نے شہید کو حیوانی انداز میں تشدد کا نشانہ بنا کر بے ہوش کر دیا۔ جسم کے کسی نازک حصے پر چوٹ لگنے سے اُن کی سانسیں اکھڑ گئیں''۔ (روزنامہ نوائے وقت' لاہور' اداریہ' 15 مئی 2006ء)

یہ 2 مئی 2006ء کا واقعہ ہے اور 3 مئی 2006ء کو جرمن افسروں نے اعلان کیا کہ اُس نے پھانسی لے کر اپنا خاتمہ کر لیا ہے۔

جرمن حکومت کے محکمہ انصاف کی ترجمان جولیان بیٹرینی نے جرمن حکومت کی طرف

سے جو مختصر سرکاری نوٹ جاری کیا' وہ یوں تھا:

''عامر چیمہ نے جیل میں اپنے لباس کا پھندہ بنایا اور اس سے لٹک کر موت کو گلے لگا لیا''۔ (مجلۃ الدعوۃ' ص 10 جون 2006ء)

بدھ' 3 مئی 2006ء (شام: Late Hours) کو عامر چیمہ کی پھانسی کی بات کی گئی اور 4 مئی 2006ء کو عامر کے عزیزوں کو برلن میں بتایا گیا کہ عامر نے موآبٹ جیل میں کھڑکی کی سلاخوں سے باریک رسی لٹکا کر پھانسی لے لی ہے۔ عامر کی ماموں زاد بہن نے بذریعہ فون پاکستان اطلاع دی۔ تب والدین کو پتا چلا کہ ان کا لختِ جگر جامِ شہادت نوش کر گیا ہے۔ تب پاکستانی میڈیا نے یہ خبر گھر گھر پہنچا دی۔ عامر کے والد پروفیسر نذیر احمد چیمہ صاحب کا کہنا ہے کہ یونیورسٹی سے آخری دفعہ برلن جانے سے پہلے اُس نے والد سے اجازت لی تھی:

''عامر بڑا ہی فرمانبردار تھا' چھٹیاں منانے برلن گیا تو اس نے پہلے مجھ سے اجازت حاصل کی۔ بعد میں 18 اپریل کو عامر کی ماموں زاد بہن نے اطلاع دی کہ عامر کو 20 مارچ کو گرفتار کر لیا گیا۔ انھوں (عامر چیمہؒ کے والد) نے اپنے طور پر حکام اور بعض سیاستدانوں سے رابطے کیے' قومی اسمبلی کے رکن فرید پراچہ نے برلن میں پاکستانی سفارت خانے کے فرسٹ سیکرٹری خالد عثمان قیصر سے فون پر بات کی تو تصدیق کی گئی کہ عامر برلن پولیس کی حراست میں ہے۔ چالیس دن گزر جانے کے باوجود کوئی حل تلاش نہ کیا جا سکا بلکہ پولیس چالان عدالت میں پیش نہ کر سکی اور نہ ہی مقدمے کی باقاعدہ کارروائی شروع ہو سکی۔ اُنھوں نے مزید بتایا کہ دو مئی کو ہمارے عزیزوں نے وکیل کے ذریعے عامر کو کپڑے' ٹوتھ پیسٹ اور کچھ دیگر اشیا بھجوائیں۔ 4 مئی کو انھیں پولیس کی طرف سے اطلاع ملی کہ عامر نے خودکشی کر لی ہے۔ پروفیسر نذیر چیمہ نے انتہائی ٹھوس لہجے میں پولیس کے دعویٰ کو لغو اور من گھڑت قرار دیا اور کہا کہ میرا بیٹا بچپن ہی سے مذہبی میلان رکھنے والا نوجوان تھا' وہ خودکشی جیسے ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب کر ہی نہیں سکتا۔ (عامر نذیر چیمہ مرتبہ اسلم زبیر ص 45)

کچھ تفصیلات پروفیسر نذیر احمد چیمہ نے میاں منیر احمد کو دیے گئے' انٹرویو میں بھی ظاہر کی تھیں۔ 4 مئی کو جرمن سفارت خانے سے 'ہمیں اپنے بیٹے کے شہید ہونے کی خبر ملی۔ ہمیں بتایا گیا کہ آپ کے بیٹے نے خودکشی کر لی ہے اور کہا کہ بیس منٹ تک لٹکا رہا ہے۔ یہ

بات میری تو سمجھ سے باہر ہے کہ جیل میں سیکیورٹی حکام بھی ہوں اور پھر بھی وہ اسے نہ روک سکے ہوں۔ ہم کہہ رہے ہیں ایسا نہیں ہوا۔ عامر کو جرمن پولیس اہلکاروں نے عدالت جانے سے قبل ہی تشدد سے شہید کر دیا تھا اور وہ کبھی خودکشی نہیں کر سکتا۔ وہ گزشتہ دو ماہ سے جیل میں قید تھا۔ مرحوم کو شہادت اور جہاد کا شوق تھا' اس نے خودکشی نہیں کی۔ خودکشی کرنا ہوتی تو 2ماہ قبل کرتا' جب وہ گرفتار ہوا تھا۔ (انٹرویو مشمولہ غازی عامر شہیدؒ ص42)

(عامر چیمہ شہید 44دن جیل میں رہا' یہ ڈیڑھ ماہ کا عرصہ بنتا ہے نہ کہ دو ماہ کا۔ افضال احمد انور)

عامر چیمہ کی خودکشی یا شہادت کا فیصلہ آنے سے پہلے ان بیانات کا مطالعہ مفید مطلب ہوسکتا ہے: یہ اقتباسات انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کیے گئے ہیں:

بعض خبروں کے مطابق شہادت کا وقت صبح کا بتایا گیا ہے لیکن اکثر خبروں میں 3مئی شام کا ذکر ہے۔ انٹرنیٹ سے یہ معلومات ملی ہیں:

(i) His body was found in prison on May 03 and the police asserts that he committed suicide.

(ii) One of Germany,s top pathologists, Volkmar, Schneider, Performed the autopsy wednesday, which found that the injuries were consisted with suicide and there was no evidence whatever of any one else hurting cheema, a prosecutions spokesman said.

(iii) Police says cheema hunged himself with a noose made from his own cloth.

(iv) Germany offered pakistan full cooperation in the inquiry and delayed the autopsy till the two officers of the Federal Investigations Agency(FIA) from Islamabad could attned it.

(v) Karin Schubert Berlin,s minister of justice, said a through inquiry had disproved suspicious voiced by the pakistani protesters that cheema might have been tortured to death.

(vi) The report of German police sent to the government said Cheema has refused to go for a walk while other persons in his cell opted for it.

When they returned to the cell after half an hour they found him hanged with a cord used to tie his Shalwar (pajama).

مندرجہ بالا سطور سے جرمن افسروں کا یہ نقطۂ نظر سامنے آتا ہے کہ 3 مئی 2006ء کو عامر چیمہ جیل میں اپنے سیل کے ساتھیوں کے ہمراہ سیر پر نہ گیا جبکہ باقی قیدی چلے گئے۔ جب وہ آدھے گھنٹے کے بعد واپس آئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ عامر چیمہ نے اپنی شلوار کے ازار بند سے پھندا بنا کر پھانسی لے لی ہے۔ اس کی لاش بعض خبروں کے مطابق 20منٹ اور بعض کے مطابق اڑھائی گھنٹے تک لٹکتی رہی' پھر اُس کی لاش کو گارڈز کی موجودگی میں اتار کر ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ جرمن پولیس' برلن کے وزیرِ انصاف' پوسٹ مارٹم کرنے والے جرمن ڈاکٹر اور جرمن پریس نے تصدیق کی کہ اُس پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا۔

یہ سراسر جرمن نقطۂ نظر ہے لیکن پاکستان میں عامر عبدالرحمٰن چیمہ کے والد پروفیسر محمد نذیر چیمہ کے بقول:

"My son was tortured to death by the German Plice".(Islam online.net on 14.5.06)

یعنی میرے بیٹے کی موت جرمن پولیس کے تشدد سے ہوئی۔ انٹرنیٹ کے علاوہ پاکستانی اخبارات نے بھی اس بیان کو شائع کیا۔ اس بیان کو پاکستانی عوام نے درست تسلیم کیا' عامر چیمہ کو عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جان دینے والا شہید مانا گیا۔ پاکستانی میڈیا میں چھپنے والی خبریں' کالم' بیانات اور رپورٹیں اس پر شاہد عادل ہیں۔ عامر چیمہ کے

معاملے کو عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تناظر میں غازی علم دین شہید کے نئے روپ سے تعبیر کیا گیا۔ اُس کے جنازے میں شرکت کرنے والے لاکھوں مسلمانوں نے اُس کے لیے سچی اور حقیقی عقیدت کا اظہار کیا۔ نیٹ پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے والوں کی بڑی تعداد نے عامر چیمہ کی شہادت کے بارے میں اس نظریے کی تائید کی کہ نازی جرمنوں نے اُسے تشدد کر کے شہید کر دیا اور عالمی تنقید سے بچنے کے لیے اُس کی شہادت کو خودکشی کا رنگ دے دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ عامر چیمہ شہید کے مقدمے کی تمام تر تفصیلات معلوم نہیں، نہ جرمن حکومت نے اس کی لمحہ لمحہ رپورٹ شائع کی، نہ اس کی شہادت کے بعد تمام Documments سامنے آئے۔ بلکہ جرمن صحافت نے اس واقعے کو ذرا سی بھی اہمیت نہ دی۔ فرانسیسی اخبار Le Monde کے مطابق The affair went almost unnotised in the german media.

(www.editorsweblog.org)

حکومتِ پاکستان کے لیے یہ معاملہ بہت نازک تھا، لہٰذا حکومت نے جرمن نظریے کو من وعن تسلیم کرنے کے بجائے تحقیقات کا فیصلہ کیا اور دو رکنی ٹیم کو عامر چیمہؒ کے سانحے کی اصل وجوہ دریافت کرنے کے لیے جرمنی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ابتدائی خبروں کے مطابق جرمن حکومت نے اس دو رکنی پاکستانی تحقیقاتی ٹیم کے ساتھ تعاون کا یقین بھی دلایا۔

''عامر چیمہ شہیدؒ کے قتل کے حوالے سے حکومتِ پاکستان کی طرف سے درج ذیل افراد پر مشتمل دو رکنی ٹیم تشکیل دی گئی، جو جرمنی جا کر تحقیقات کرے گی:

(۱) طارق کھوسہ (ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے)

(۲) تنویر احمد (ڈی۔ آئی۔ جی۔ انویسٹی گیشن، پنجاب پولیس)

یہ تحقیقاتی ٹیم 9 مئی کو سہ پہر PK 623 فلائیٹ کے ذریعے برلن (جرمنی) کے لیے روانہ ہو گئی۔ یہ ٹیم تین سے چار روز میں اپنی تحقیقات مکمل کر کے وطن واپس آئے گی اور حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کرے گی''۔ (روزنامہ ایکسپریس ص 5 بقیہ نمبر 5، 10 مئی 2006ء)

جرمن حکومت نے ایک ہفتہ تک عامر شہیدؒ کا پوسٹ مارٹم نہ ہونے دیا۔ تاخیر کا سبب یہ بتایا گیا کہ پاکستان کی انکوائری ٹیم کے سامنے پوسٹ مارٹم کیا جائے گا۔ ادھر حکومتِ

پاکستان نے بھی جرمن پولیس کے نظریہ خودکشی سے اتفاق کرنے کے بجائے اپنی تحقیقاتی ٹیم بھیجنا بہتر جانا۔

9 مئی کی شام کو پاکستان میں جرمن سفارت خانے کے ڈپٹی ہیڈ آف مشن کرسٹون سانڈر نے پاکستانی اخبار نویسوں سے بات کرتے ہوئے اپنی ناراضی کا یوں اظہار کیا:

''پاکستانی پریس نے پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے سے قبل ہی عامر چیمہ کے بارے میں یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ جیل میں اس کی تشدد سے ہلاکت ہوئی ہے، کم سے کم پوسٹ مارٹم رپورٹ کا انتظار کیا جانا چاہیے تھا''۔ (روزنامہ نوائے وقت ص 8 کالم 7، 10 مئی 2006ء)

جرمن، پوسٹ مارٹم رپورٹ کے معتبر ہونے کی باتیں کرتے رہے، لیکن ادھر پاکستان میں یہی خیال عام تھا کہ دراصل عامر چیمہ شہیدؒ کو جرمن پولیس نے تشدد سے شہید کیا ہے۔ عوام تو ایک طرف پاکستان کے وفاقی وزیر مملکت برائے اطلاعات طارق عظیم صاحب کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے:

''عامر چیمہ پر کسی قسم کا کوئی جرم ثابت نہیں ہوا تھا۔ جرمن جیل میں اس کی ہلاکت جرمن حکومت اور انتظامیہ کی غفلت کا نتیجہ ہے، جدید ترین کیمروں کی موجودگی میں اس کی موت کی ذمہ داری جرمن حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ ہم جرمن حکومت کی طرف سے کی جانے والی کسی بھی تحقیق کو قبول نہیں کریں گے''۔

(روزنامہ ایکسپریس فیصل آباد، ص 8 کالم 6، 12 مئی 2006ء)

اس خبر میں طارق عظیم صاحب کا یہ خیال بھی موجود ہے کہ جرمن تحقیقات کے بجائے ہم اپنی پاکستانی تحقیقاتی ٹیم کی حتمی رپورٹ کو درست مانیں گے۔ بہر حال 10 مئی بروز بدھ عامر چیمہ شہیدؒ کا پوسٹ مارٹم ہوا۔

پاکستان کی طرف سے دو رکنی ٹیم تحقیقات کے لیے بھیجی گئی تھی۔ جس کے سربراہ ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے طارق کھوسہ تھے۔ طارق کھوسہ صاحب نے سینٹ کی انسانی حقوق کی فنکشنل کمیٹی کے سامنے جو بیان دیا، وہ اخبارات کی زینت بن چکا ہے، جس کا عنوان ہے:

''عامر چیمہؒ کی شہ رگ کٹی اور ہاتھ بندھے تھے، جرمن حکام نے تحقیقات نہ کرنے دی''

''اسلام آباد (خصوصی نیوز رپورٹر + اے پی پی) سینٹ کی انسانی حقوق کی فنکشنل کمیٹی میں عامر چیمہؒ کی ہلاکت کی تحقیقات کے لیے جرمنی جانے والی تحقیقاتی ٹیم کے سربراہ ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے طارق کھوسہ نے انکشاف کیا ہے کہ یہ بات اب تک واضح نہیں کہ عامر چیمہؒ کی ہلاکت خودکشی سے ہوئی ہے یا اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ جرمنی کی جیل میں جاں بحق ہونے والے عامر چیمہؒ کی گردن کی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی جب کہ اس کی شہ رگ کٹی ہوئی تھی۔ جرمن حکام نے پاکستانی تحقیقاتی ٹیم کو جرمن جیل کے سیل میں عامر چیمہ کے ساتھی قیدی سے پوچھ گچھ اور واقعہ کی تحقیقات سے متعلق دستاویزات اور متعلقہ افسران سے بھی بات چیت کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پاکستان کی تحقیقاتی ٹیم نے ابھی تک عامر چیمہ کی مبینہ ہلاکت کی تحقیقات مکمل نہیں کی۔ جرمن حکام کو تحقیقات سے متعلق 30 اہم سوالات بھیجے گئے ہیں۔ ان کے جواب پوسٹ مارٹم کرنے والے سرجن کی رپورٹ اور جرمن پراسیکیوٹر کی رپورٹ کے بعد ہی پاکستانی ٹیم اپنی تحقیقاتی رپورٹ مکمل کرے گی اور حالات کو مدنظر رکھ کر عامرؒ کے دوبارہ پوسٹ مارٹم کرنے یا نہ کرنے کی سفارش کی جائے گی۔ سینیٹر ایس ایم ظفر کی زیرِ صدارت سینٹ کی فنکشنل پراسیکیوٹر کی رپورٹ کا انتظار ہے۔ ہم تمام صورتِ حال کو دیکھنے کے بعد ہی اس پر اپنی رائے کا اظہار کریں گے اور تحقیقاتی ٹیم کی حتمی رپورٹ آنے کے بعد ہی اس پر مزید بات ہوسکتی ہے۔ کمیٹی کے ارکان نے طارق کھوسہ کی زیرِ قیادت تحقیقاتی ٹیم کی کارکردگی کی تعریف کی اور تحقیقاتی ٹیم اور وزارتِ خارجہ کو دس روز میں تحقیقات مکمل کر کے دوبارہ قائمہ کمیٹی کو رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کی۔

پوسٹ مارٹم کے دوران عامر چیمہؒ کے جسم کے تمام حصوں کی تصاویر لی گئیں۔ عامرؒ کے جسم پر تشدد کے نشانات نہیں تھے تاہم اس کی شہ رگ کٹی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اس کی گردن کے گرد رسی کے نشانات موجود تھے تاہم اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹی نہیں تھی۔ انھوں نے بتایا کہ ہماری درخواست پر ہمیں عامرؒ کا جیل سیل بھی دکھایا گیا۔ جس کی چھت پر پنکھا موجود نہیں تھا تاہم جرمن حکام کے مطابق عامرؒ نے دیوار کے اوپر لگی کھڑکی کی سلاخوں سے خود کو پھانسی دی تھی۔ طارق کھوسہ نے بتایا کہ انھوں نے جرمن حکام سے عامر چیمہؒ کے سیل میں موجود دوسرے قیدی سے ملنے کی اجازت مانگی، جو جرمن حکام نے

مسترد کر دی۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نے جرمن حکام سے سفید رنگت کی رسی کی سیل میں دستیابی کی وجہ سمیت متعدد سوالات کیے مگر جرمن حکام نے ان کا جواب نہ دیا۔ بعدازاں ہم نے انھیں تحریری طور پر تیس سوالات بھیجے، یہ سوالات انھیں وزارتِ خارجہ کے ذریعہ بھی بھیجے گئے ہیں لیکن تاحال نہ تو ہمیں ان سوالات کا جواب دیا گیا ہے اور نہ ہی ہمیں جواب دینے یا نہ دینے کا کوئی عندیہ دیا گیا ہے۔ اس موقعہ پر سینیٹر لطیف کھوسہ نے دریافت کیا کہ کیا عامر چیمہ کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی تو طارق کھوسہ نے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس پر لطیف کھوسہ کا تبصرہ تھا کہ یہ خودکشی تو نہیں لگتی۔ یہ بات واضح ہے کہ عامر کی موت کسی اور وجہ سے ہوئی۔ اس پر طارق کھوسہ نے کمیٹی کو بتایا کہ ہم نے اب تک کی ابتدائی رپورٹ میں واقعہ کا کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکالا۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 1، 26 مئی 2006ء)

پولیس نے اُسے گرفتاری کے تیسرے دن 22 مارچ 2006ء کو عدالت میں پیش کیا اور ریمانڈ لے کر مقدمہ چلائے بغیر برلن کے نزدیکی علاقہ موآبٹ کی جیل میں قید کر دیا تھا۔ یہ جیل اپنی سختی خصوصاً دورانِ حراست خودکشی کے واقعات کے لیے دنیا بھر میں بدنام ہے۔

اس کے حملے کی خبر کو اخبارات نے جلی سرخیوں سے شائع کیا۔ خصوصاً جرمنی اور یورپ کے اخبارات (جن میں زیتوگ برگر، جے لینڈ پوسٹن اور ڈرسپیگل وغیرہ نمایاں ہیں) نے اس حملے کی دانستہ اچھالا۔ (تنویر قیصر شاہد، کالم مشمولہ غازی عامر چیمہ شہید ص 74)

عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کو جس طرح مقدمہ چلائے بغیر شہ رگ کاٹ کر شہید کر دیا گیا اور جس طرح اُس کی لاش کو رسی سے لٹکا کر اُس کی خودکشی کا شوشہ چھوڑا گیا، اس سے مسلمانوں کی بے بسی تو ظاہر ہوتی ہی ہے، مغربی اقوام کی سوچ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ طیبہ ضیاء کا خیال ہے:

''یورپی اقوام کا مسلمانوں کے ساتھ کینہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ ان کی جیلوں میں نہ جانے کتنے بے گناہ تشدد اور موت کا نشانہ بن رہے ہیں۔ کتنے موت کا نوالہ بن چکے ہیں۔ غیر مسلمین شہادت کے فلسفہ کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات سے بخوبی واقف ہیں، لہٰذا اُن کے ظلم وستم کا کوئی ایک آدھ کیس منظر عام پر آجائے تو اسے دبانے کے لیے خودکشی یا دہشت گردی جیسے الزامات لگا کر مسلمانوں کے جذبات سرد کرنے کی کوشش کی

جاتی ہے“۔ (غازی عامر چیمہ شہید مرتبہ اسلم زبیر، ص 49)

عامر چیمہ شہیدؒ کے والدِ بزرگ پروفیسر نذیر چیمہ نے بھی میاں منیر احمد کو انٹرویو دیتے ہوئے تسلیم کیا کہ عامر کو دراصل مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ سزا دی گئی ہے۔

(غازی عامر چیمہ شہید ص 43)

یہاں ہمیں اس حقیقت کو بھولنا نہیں چاہیے کہ پھانسی پانے والوں کی زبانیں اکثر باہر نکل آتی ہیں، گردن کی ہڈی کے ایک دو مُہرے ٹوٹ جاتے ہیں اور عموماً گردن لمبی ہو جاتی ہے لیکن پھانسی سے شہ رگ کبھی نہیں کٹتی۔ پھر عامر کی گردن کی نہ ہڈی ٹوٹی، نہ کوئی مُہرہ الگ ہوا، نہ گردن لمبی ہوئی، نہ زبان باہر نکلی، صرف شہ رگ کٹی ہوئی تھی۔ اس کی شہادت سے پہلے یقیناً اُس کے ہاتھ کسی مضبوط رسی سے باندھے گئے ہوں گے تبھی تو اُس کے ہاتھوں کلائیوں پر رسی کے نشانات تھے۔ شہید جسم کو پھندے سے لٹکا کر جرمن پولیس نے تو کچھ حاصل نہ کیا البتہ عامر شہیدؒ کے درجات اور بلند ہو گئے۔ شیخ القرآن حضرت مولانا پیر عبدالغفور ہزارویؒ نے اپنے اس شعر میں کیا نکتہ بیان کیا ہے:

نمازِ زاہداں محراب و منبر　　نمازِ عاشقاں بر دار بینم

عامر چیمہ شہیدؒ کی خودکشی کا ڈرامہ

3 مئی 2006ء کو جرمن پولیس نے یکا یک یہ شوشہ چھوڑا کہ عامر عبدالرحمٰنؒ نے جیل میں خودکشی کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا ہے۔ پاکستانی ناظرین نے ایک ٹی۔وی چینل پر پاکستان میں جرمن کے سفیر کا یہ بیان بھی سنا کہ عامر نے خودکشی کی ہے تاہم اس پر تحقیقات ہو رہی ہیں، پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد ہی اصل حقائق سامنے آئیں گے۔

اس خبر نے دیندار طبقوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ اس تشویش اور پریشانی کا سبب یہ نہیں تھا کہ عامرؒ کی زندگی کا چراغ بجھ گیا بلکہ اصل سبب یہ تھا کہ اتنا بڑا بہادر، اتنا عظیم عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اتنا حوصلہ مند جوان خودکشی (جو اسلام میں جائز بھی نہیں) کیسے کر سکتا ہے؟ یہی وجہ تھی کہ کوئی سلیم الطبع آدمی یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ عامرؒ نے خودکشی کی ہے۔ غازی عامرؒ نذیر کے بہنوئی ڈپٹی ڈسٹرکٹ اٹارنی حافظ آباد رب نواز بھون نے عامرؒ چیمہ کی خودکشی کرنے کی خبر کو من گھڑت قرار دیا اور کہا کہ وہ سچا عاشقِ رسول تھا، جو کبھی خودکشی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور، ص 1 کالم 6، 7 مئی 2006ء)

عامر عبدالرحمٰنؒ کے والد بزرگوار پروفیسر نذیر چیمہ نے کہا:

میرے بیٹے نے خودکشی نہیں کی، جرمن پولیس نے اسے تشدد کر کے قتل کیا۔

(انٹرویو میاں منیر احمد منقولہ غازی عامر چیمہ شہید مرتبہ اسلم زبیر ص 42، علم دوست پبلی کیشنز لاہور 2006ء)

یہی ہر دیندار پاکستانی کا نقطۂ نظر ہے۔ اسے عامر شہیدؒ سے متعلق پاکستانی نقطۂ نظر بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن کیا یہ نقطۂ نظر محض جذبات، محض عقیدت اور محض اٹکل پچّو پر مشتمل ہے یا اسے عقلی دلائل بھی سچ ثابت کرتے ہیں۔ یہ وہ تحقیق طلب اَمر ہے جو سچّائی، غیر جانبداری اور عدل و انصاف کا متقاضی ہے۔ اس لیے اس مسئلے پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنا چاہیے۔

آیئے سب سے پہلے جرمن پولیس اور حکومت کے نقطۂ نظر کو بھی دیکھ لیں:

جرمنی کی حکومت نے عامر عبدالرحمٰنؒ کے متعلق جو مشتہر کیا، اُس کا لبِّ لباب یہ ہے کہ پاکستانی انجینئر طالبِ علم نے برلن میں ڈائی ویلٹ اخبار کے بیورو چیف پر ایک شکاری چاقو سے 20 مارچ 2006ء کو حملہ کیا۔ پولیس نے آلۂ جرم برآمد کر کے اُسے تفتیش کے لیے برلن کی موآبٹ جیل میں قید کر دیا۔ اُسے کسی عدالت میں پیش نہ کیا جا سکا، کیونکہ تفتیش ابھی جاری تھی کہ 3 مئی کی شام کو وہ اپنے حراستی سیل میں مردہ پایا گیا، اُس نے رسی کے پھندے سے خودکشی کر لی۔ بعض خبروں کے مطابق 20 منٹ تک اور بعض کے مطابق اڑھائی گھنٹے تک اُس کی لاش رسی سے لٹکی رہی، پھر اُسے اتار کر ہسپتال کے سرد خانے میں پہنچا دیا گیا۔ 10 مئی 2006 کو اُس کا پوسٹ مارٹم ہوا، جس میں اس پر جسمانی تشدد کا کوئی نشان نہ پایا گیا چنانچہ حتمی نتیجے کے طور پر اُس کی خودکشی کو اُس کی موت کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔

اس رپورٹ کو جرمن حکومت کے درج ذیل شواہد سپورٹ کرتے ہیں:

(1) جرمن حکومت نے پاکستانی حکومت کو مکمل تعاون کا یقین دلاتے ہوئے پاکستان کو اپنی ایک تحقیقاتی ٹیم بھیجنے کی پیشکش کی تا کہ وہ پاکستانی ٹیم، پوسٹ مارٹم کے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ چنانچہ جرمن حکومت نے پاکستان سے آئی ہوئی اس تحقیقاتی ٹیم سے تعاون کا یقین دلایا۔

(2) برلن کے وزیرِ عدل و انصاف کیرن شوبرٹ (Karin Schubert) نے کہا کہ

ایک تحقیقاتی تفتیش سے یہ نظریہ غلط ثابت ہوا ہے کہ عامر چیمہ کو جرمن پولیس نے تشدد کر کے شہید کیا ہے۔(www.expadtice.com 13.5.2006)

(3) جرمن حکومت کے محکمہ انصاف کی ترجمان جولیانے بایئر ہینے (Juliane BaerHenny) نے توثیق کی کہ عامر چیمہ نے اپنے کپڑوں سے پھندا تیار کر کے پھانسی لے لی ہے۔ اُس نے کہا کہ اُس (عامر) کی موت میں کوئی دوسرا شامل نہیں۔ (انٹرنیٹ، خلیج ٹائمز آن لائن نیوز، 5 مئی 2006ء)

(4) پاکستان کے مشہور سماجی کارکن انصار برنی نے کہا ہے کہ عامر چیمہ نے واقعی خودکشی کی ہے تاہم حتمی فیصلہ حکومت کی فائنل رپورٹ کے بعد کیا جائے گا۔

Ansar Burney, Pakistan's well known social worker who has reliable foreign contacts, has already stated that Amir Cheema's death was suicide, and the matter will finally be settled when the government makes public its own findings.

(www.dailytimes.com pk15-05-2006)

(5) پاکستان میں ترجمان وزارتِ خارجہ نے جمعہ 5 مئی 2006ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کو بتایا کہ جرمن حکومت کی طرف سے فراہم کردہ ابتدائی رپورٹ کے مطابق عامر چیمہ نے جیل میں خودکشی کر لی ہے۔

(Khaleej Times Online>>News>> Subcontinent 5.5.06)

(6) جرمن کے ایک تفتیش کار نے کہا کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ عامر نے خودکشی کی تھی۔(www.rand burg.com)

(7) جرمن ٹاپ پتھالوجسٹ والکمار شنیڈر (Volkmar Schneider) نے عامر کا پوسٹ مارٹم کیا اور کہا کہ عامر کے زخم اس کی خودکشی ثابت کرتے ہیں۔

(www.expatica.com 13-05-2006)

(8) پاکستان میں حکومتِ جرمن کے سفیر گنٹر مولیک (Gunter Mulack) نے ایک ٹی وی چینل پر بتایا کہ ابتدائی رپورٹ کے مطابق عامر چیمہ نے خودکشی کی ہے،

تاہم اُن کے بقول ابھی حتمی رپورٹ کا انتظار ہے کیونکہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کی روشنی میں ہی حتمی فیصلہ کیا جا سکے گا۔ اُنھوں نے نیوز کانفرنس میں بھی چیمہ کے جسم پر تشدّد کے نشانات نہ پائے جانے کا ذکر کیا۔

یہ وہ خبریں/اطلاعات ہیں جو اخبارات و رسائل نیز ٹی وی اور انٹرنیٹ سے بھی لوگوں کو معلوم ہوئیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا کسی ملک کے وزیرِ عدل، محکمہ انصاف کی ترجمان، یا سفیر کے صرف بیان دینے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی نے واقعی خودکشی کی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر حقائق کی تلاش ضروری ہے۔

رسی وغیرہ سے پھندا بنا کر خودکشی کرنے والوں پر بالعموم جو نشان ظاہر ہوتے ہیں، وہ (1) عموماً زبان کا باہر نکل آنا (2) گردن کے مُہروں کا جھٹکے سے ٹوٹ کر الگ ہو جانا (3) گردن کا لمبا ہونا ہیں۔ پوسٹ مارٹم کرنے والے جرمن پتھالوجسٹ والکر مارشنیڈر سمیت کسی بیان دینے والے افسر نے یہ نشانات وعلامات بتانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اگر عامر چیمہ نے واقعی خودکشی کی اور اُس کی لاش 20 منٹ یا اڑھائی گھنٹے تک رسی سے جھولتی رہی تو اُسے اتارنے سے پہلے اُس کی ویڈیو بنائی گئی ہوگی یا کم از کم تصویر تو ضرور بنائی گئی ہوگی، وہ ویڈیو یا تصویر بھی لوگوں کے سامنے پیش نہیں کی گئی، صرف زخموں کی بات کی گئی ہے۔ کیا پھانسی کے پھندے سے ظاہری زخم بھی لگتے ہیں؟ اس کی وضاحت بھی نہیں کی گئی۔ پوسٹ مارٹم کے مشاہدے سے حاصل ہونے والی معلومات بھی مکمل نہیں دی گئیں۔ مثلاً پاکستان سے اس معاملے میں تحقیق کرنے کے لیے جانے والی ٹیم کے سربراہ طارق کھوسہ صاحب نے بتایا کہ عامر چیمہ کی شہ رگ کٹی ہوئی تھی۔ جرمن بیان بازوں نے کسی بیان میں شہ رگ کٹنے کا ذکر ہی نہیں کیا؟ یہ اخفاء دراصل کسی راز پر پردہ ڈالنے کے لیے روا رکھا گیا؟ اور اگر خدانخواستہ عامر نے واقعی ذبح ہو کر خودکشی کی تھی تو وہ پھندے پر کیسے جھول گیا؟ یہ بھی کہ اُس نے آخر کس قسم کی رسی سے پھانسی لی کہ اُس کا گلا ذبح ہو گیا۔ کیا خدانخواستہ اُس نے رسّی کے اگلے سرے پر تیز چھری باندھی ہوئی تھی کہ پھانسی کے ساتھ اس کی شہ رگ بھی کٹ گئی، یا اُس نے تیز دھاتی تار سے پھانسی لی۔ اگر ایسا ہے تو یہ جو کہا گیا کہ اُس نے اپنی شلوار کے ازار بند سے پھانسی لی، کیا شلواریں دھاتی تاروں سے باندھی جاتی ہیں۔ اور اگر ایسی دھاتی تار ثابت بھی کر دیں تو بھی یہ کیسی تار تھی جس نے صرف شہ رگ

کاٹی، گردن کا پچھلا حصہ زخمی نہیں کیا؟ اور جرمنوں کو یہ بھی تو ثابت کرنا پڑے گا کہ پھانسی کے وقت اُس نے شلوار پہنی ہوئی بھی تھی، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اُس وقت پتلون پہنے ہوئے ہو۔ ہم جتنا بھی سوچیں خودکشی کا جرمن موقف کچا، غیر حقیقی اور مضحکہ خیز لگتا ہے۔

دوسری طرف عام پاکستانیوں کا جذباتی رویّہ ہے، جس کی نمائندگی انٹرنیٹ سے لیے جانے والے پاکستان کے فیصل کے اس بیان سے ہوتی ہے:

SALAM__________________________Faisal, Pakistan (2006-05-19 09-20:12)

SIR AMIR CHEEMA. WE ADMIT YOU CANT COMMIT SUICIDE. YOU ARE BRAVE AND REALLY KNOW HOW TO HONOUR OF HAZOOR (PBUH)"SARFAROSHI KI TAMANNA ABB HAMAHARAY DIL ME HE" SALAM TO YOU SIR CHEEMA, OF COURSE YOU CAN HEAR ME, ITS MY BELIEVE, BECAUSE SHAHEED NEVER DIE. NOW ITS OUR TURN, COME ON MY MUSLIM BROTHER AND SISTERS, BE READY. KILL THEM ALL GUSTAAAKH AND PRROVE THAT WE LOVE OUR HOLY PROPHET PBUH. SHOE THEM WE CAN DIE FOR OUR PROPHET (PBUH), TELL THEM WE CAN KILL ALL gustaakh. YA RASOL ALLAH PBUH MUAAF KAR DEEJYE. PLEASE FORGIVE US THESE gustaaakh ARE STILL ALIVE. YA RASOOL ALLAH PBUH MAAF KER DEEJYE.

بات صرف جوانوں کے جذبات تک ہی نہ رہی بلکہ اربابِ علم و بصیرت بھی نکتہ چیں

ہو کر کہنے لگے کہ یہ سراسر زیادتی ہے۔ مثلاً پاکستان میں مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت کے صدر مولانا مسعود احمد سروری نے جرمن حکومت کی طرف سے جاری کردہ بیان پر کڑی نکتہ چینی کی، جس میں اُنھوں نے اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لیے خودکشی کا بیان داغ دیا۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 3 کالم 7، 12 مئی 2006ء)

لاہور کے گرینڈ ہوٹل میں جماعۃ الدعوۃ نے بیس سیاسی و مذہبی جماعتوں کی جو آل پارٹیز کانفرنس بلائی، اس کانفرنس نے بھی متفقہ طور پر جرمن حکومت کے دعویٰ خودکشی کو بے بنیاد اور جھوٹ قرار دیا۔ دنیا بھر کے میڈیا نے آل پارٹیز کانفرنس کے فورم سے عامر چیمہ شہیدؒ کے لیے بلند کی جانے والی آواز کو بھرپور کوریج دی۔

(ماہنامہ مجلّہ الدعوۃ ص 13، جون 2006ء)

حکیم راحت نسیم سوہدروی نے کہا: یہ بات مفروضہ ہے کہ اُس (عامر) نے خودکشی کی ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور ص 9، 13 مئی 2006ء)

حقیقت تک رسائی کے لیے ہمارے پاس غور و فکر کے متعدد پہلو ہیں:

(ا) عامر کے معاملے کے حساس پہلوؤں کے حوالے سے اُس سے کیا خصوصی سلوک کیا گیا؟

(ب) اُس پر کیا مقدمہ چلا اور فاضل جج صاحبان نے کیا حکم لگایا؟

(ج) اُسے جس جیل میں رکھا گیا، اُس کی شہرتِ خاص کیا ہے؟

(د) خودکشی کے حوالے سے اُٹھنے والے سوالات کیا ہیں؟ اور ان کا جواب کون دے گا؟

(ہ) حکومتِ پاکستان کی تحقیقاتی کمیٹی کی حتمی رپورٹ کیا ہے؟

آیئے ایک ایک کر کے ان پر غور کرتے ہیں:

(ا) خصوصی سلوک

جرمنی میں عامر چیمہؒ ایک غیر ملکی طالب علم تھا، لہٰذا سب سے پہلے حکومتِ پاکستان کو اس کے حملے کی خبر دی جانی چاہیے تھی۔ برلن میں مقیم اس کے رشتہ داروں سے اس کی ملاقات کرائی جانی چاہیے تھی، اس کی بات چیت ٹیلی فون کے ذریعہ اس کے والدین سے کرائی جانی چاہیے تھی، لیکن جرمن حکومت یہ اخلاقی تقاضے پورے نہ کر سکی۔ چونکہ عامر چیمہ شہیدؒ نے گستاخ کارٹونوں جیسے حساس معاملے کے مجرم کو سزا دی تھی، لہٰذا عالمِ اسلام کے

جذبات کے پیشِ نظر اُس کے معاملے کی غیر جانبدارانہ تحقیق کرائی جانی چاہیے تھی۔ تمام عالمِ اسلام نے بالعموم اور اہلِ پاکستان نے بالخصوص عامر کے جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سراہا تھا' لہٰذا معاملہ عام سا نہیں رہا تھا۔ اُن دنوں عامر ہی وہ موضوع تھا جو اخبارات' ٹی وی' رسائل اور انٹرنیٹ پر چھایا ہوا تھا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ جرمن حکومت اُسے ڈی پورٹ کر کے حکومتِ پاکستان کے حوالے کر دیتی؟ لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ اُس کی شہادت پر اٹھنے والے بین الاقوامی احتجاج کے پیشِ نظر اُس کا پوسٹ مارٹم کسی غیر جانبدار ملک کے کسی غیر جانبدار ماہر ڈاکٹر سے کرایا جاتا۔ اُس کی لٹکتی لاش اور پہلے کے مراحل کی ویڈیو دُنیا کو دکھائی جاتی' لیکن کچھ بھی نہ ہوا' جرمن پولیس نے اُس کے کسی دہشت گرد تنظیم سے منسلک ہونے کا کھوج لگایا اور ناکامی پر اُسے دماغی خلل کا شکار مریض قرار دیا۔ اگر وہ واقعی سائیکی پرابلم کا مریض تھا' تو اُسے کسی ماہر امراضِ دماغ کو کیوں نہ دکھایا گیا؟ اس کے ذہنی خلفشار کے پیشِ نظر اُسے جیل میں خصوصی تحفظات میں کیوں نہ رکھا گیا۔ پھر جب خود دعوت دے کر پاکستان سے دو رکنی تحقیقاتی ٹیم کو بلوایا گیا تو عین پوسٹ مارٹم کے وقت محض ایک ہی رُکن کو پوسٹ مارٹم پراسیس دیکھنے کی اجازت کیوں دی گئی؟ دوسرے کو کیوں منع کر دیا گیا؟ پھر جب اس ٹیم نے عامر سے تفتیش کرنے والے جرمن پولیس آفیسرز سے ملنے کی خواہش کی' تو اُسے کیوں رد کر دیا گیا۔ حد یہ کہ عامر چیمہ شہیدؒ کے سیل میں اس کے ساتھی دوسرے قیدی سے ملاقات کی اجازت تک کیوں نہ دی گئی؟ ستم یہ کہ اس تحقیقاتی ٹیم کے تیس سوالات کا جواب بھی نہ دیا گیا۔ مناسب ہوگا اگر یہاں پاکستان کی طرف سے بھیجی جانے والی تحقیقاتی کمیٹی کے سربراہ ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل ایف۔ آئی۔ اے طارق کھوسہ صاحب کا وہ بیان بھی دیکھ لیا جائے جو اُنھوں نے پاکستانی سینٹ کی انسانی حقوق کی فنکشنل کمیٹی کے سامنے دیا:

سینٹ کی انسانی حقوق کی فنکشنل کمیٹی میں عامر چیمہ کی ہلاکت کی تحقیقات کے لیے جرمنی جانے والی تحقیقاتی ٹیم کے سربراہ ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل طارق کھوسہ نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ جرمنی کی جیل میں عامر چیمہ کی ہلاکت گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے نہیں بلکہ اس کی شہ رگ کٹنے سے ہوئی ہے۔ گزشتہ روز سینٹ کی فنکشنل کمیٹی کا اجلاس' چیئرمین کمیٹی سینیٹر ایس ایم ظفر کی زیرِ صدارت ہوا۔ کمیٹی کے ارکان نے سیکرٹری خارجہ کی طرف سے

جرمن سفارتخانہ کی طرف سے عامر چیمہؒ کی امداد کے بارے میں کیے گئے سوالات کے جوابات پر عدمِ اطمینان کا اظہار کیا۔ اس موقع پر سیکرٹری داخلہ سید کمال شاہ نے کمیٹی کو بتایا کہ ہمیں سات مئی کو واقعہ کی تحقیقات کی ہدایت کی گئی' جس پر ہم نے دو مختلف تحقیقاتی اداروں کے سینئر افسروں پر مشتمل ٹیم تشکیل دی جسے 9 مئی کو جرمنی روانہ کیا گیا۔ اس موقع پر تحقیقاتی ٹیم کے سربراہ طارق کھوسہ نے بتایا کہ 10 مئی کو عامر چیمہؒ کا پوسٹ مارٹم ان کے سامنے ایک جرمن سرجن نے کیا۔ طارق کھوسہ نے بتایا کہ جرمن حکام نے یہ شرط لگائی کہ عامر چیمہ کے پوسٹ مارٹم کا عمل صرف ایک آدمی دیکھ سکتا ہے۔ اس کے بعد کھوسہ کی موجودگی میں پوسٹ مارٹم کے دوران عامر چیمہؒ کے جسم کے تمام حصوں کی تصاویر لی گئیں۔ عامر چیمہؒ کے جسم پر تشدد کے نشانات نہیں تھے۔ تاہم اس کی شہ رگ کٹی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اس کی گردن کے گرد رسی کے نشانات موجود تھے۔ تاہم اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹی ہوئی نہیں تھی۔ طارق کھوسہ نے کمیٹی کو بتایا کہ ہماری درخواست پر جرمن حکومت نے ہمیں جیل میں عامر کا سیل بھی دکھایا' جس کی چھت پر پنکھا موجود نہیں تھا۔ جرمنوں نے کہا کہ عامر نے دیوار کے اوپر لگی کھڑکی کی سلاخوں سے خود کو پھانسی دی جو کہ کسی صورت ممکن نظر نہیں آتا۔ پاکستانی تحقیقاتی ٹیم نے عامر چیمہ کے سیل میں موجود دوسرے قیدیوں سے ملنے کی اجازت مانگی تو جرمن حکام نے اسے مسترد کر دیا۔ ٹھوس شواہد کی بنیاد پر یہ بات اٹل ہے کہ جرمن حکومت ہی عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ کی قاتل ہے۔

(مجلہ الدعوۃ' لاہور' ص 12' جون 2006ء)

حیرت ہے' یہ اُس عظیم جرمن حکومت کا تعاون ہے' جو یہ خبر شائع کرتی رہی:

Germany offered Pakistan cooperation in the inquiry and delayed the autopsy till the two officers of the Federal Investigations Agency (FIA) from Islamabad could attend it.(www.wxpatica.com 13-05-06)

مندرجہ بالا نکات سے ثابت ہوتا ہے کہ عامر عبدالرحمٰن جانثارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خصوصی سلوک تو کیا وہ عمومی سلوک بھی جرمن جیل میں روا نہ رکھا گیا' جو اُس کا حق بنتا تھا۔ اُس کی وصیت کے دو صفحے کیوں غائب کر دیے گئے؟ اُس کا پوسٹ مارٹم ایک

ہفتہ بعد کیوں کیا گیا؟ غرض جتنا سوچتے جائیں گے، سوائے اس حقیقت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا کہ عامر چیمہ کو انصاف نہ ملا۔ ظلم یہ کہ اس کی شہادت کو خودکشی کے عنوان سے مشتہر کیا گیا۔

(ب) عامر کا مقدمہ

عامر عبدالرحمن 20 مارچ 2006ء کو گرفتار ہوا۔ 22 مارچ کو جرمن پولیس نے اُسے ایک جج کے سامنے پیش کیا، جہاں عامر نے تحریری بیان دیا کہ اُس نے دانستہ گستاخِ رسول ہینرک بروڈر پر حملہ کیا ہے، اور اگر اُسے بعد میں بھی موقع ملا تو وہ ضرور اُسے قتل کر کے چھوڑے گا۔ اس اقبالی بیان کے بعد کون سی تفتیش کی ضرورت باقی رہ گئی تھی کہ جرمن پولیس نے اُسے موآبٹ جیل میں ڈال دیا اور مسلسل چوالیس دن تک تفتیش ہی کرتی رہی۔ یوں اُس کا مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ کوئی جوڈیشنل جج فیصلہ کرنے نہ بیٹھا۔ یوں غنچۂ عدل کھلنے بھی نہ پایا تھا کہ مرجھا گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ معاملے کی اہمیت کے پیشِ نظر بین الاقوامی اہمیت کے حامل غیر جانبدار جج حضرات سے مقدمے کا فیصلہ کرایا جاتا، کارروائی کو ٹی وی پر پیش کیا جاتا اور پھر حق سچ فیصلہ ہوتا لیکن ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

بغیر مقدمہ چلائے زیرِ حراست قیدی کو بیدردی سے ذبح کر دیا گیا اور اس کا نام خودکشی رکھ دیا گیا لیکن فریاد کس سے کریں، کیا اُن سے جو خود اُسے شہید کرنے والے ہیں۔ بقولِ شاعر

وہی قاتل، وہی شاہد، وہی عادل ٹھہرے — اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر؟

(ج) موآبٹ جیل

عامر چیمہ کو برلن کے نزدیکی علاقہ موآبٹ (Moabit) کی جیل میں رکھا گیا۔ یہ جیل جرمن کی سخت ترین جیل سمجھی جاتی ہے، اس لیے موآبٹ کے سارے علاقے کو ہی جیل بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ جیل خودکشی کے واقعات کے لیے بطورِ خاص مشہور ہے۔

"یہ جیل اب سے 130 برس قبل تعمیر کی گئی۔ یہ سخت قواعد و ضوابط، قیدیوں اور حوالاتیوں کی اموات اور خودکشی کی تعداد کے حوالے سے اپنی پہچان رکھتی ہے۔ سیاسی

انقلاب کے دوران مشہور شخصیات بھی یہاں قید رہیں، جن میں مشرقی جرمنی کے آخری حکمران "اریش ہونیکر" مشرقی و مغربی جرمنی کے اتحاد کے بعد یہاں قید رہے۔ برلن کی ریاستی پارلیمنٹ (ایوان نمائندگان) نے موآبٹ سمیت برلن کی 5 جیلوں کے اعداد و شمار اکٹھے کیے تو معلوم ہوا کہ پانچوں جیلوں میں 58 اموات ہوئیں، جن میں سے 29 خودکشیاں تھیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ جیل میں تشدد اور غیر انسانی سلوک روا رکھا جاتا ہو گا۔ گوانتاناموبے اور ابوغریب کی مثالیں دنیا کے سامنے ہیں۔ "موآبٹ" جیل میں 1999ء تا 2000ء 30 خودکشیاں ہوئیں۔ 2001ء سے 2006ء تک جن 20 افراد کی موت واقع ہوئی ان میں سے 12 حوالاتی تھے، جن میں سے 8 نے خودکشی کی۔ عامر پر اس کے دوست سعود قاسم کے بقول، کیمرے نصب تھے، ایسے میں خودکشی کو جرمنوں کا ڈرامہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ (غازی عامر چیمہ شہید ص 71)

مندرجہ بالا سروے عامر چیمہ شہید کی شہادت سے محض تین ہفتے قبل کیا گیا تھا۔

"(جرمنی کے) ایوانِ نمائندگان میں بائیں بازو کی پارٹی کی جانب سے ایک سوال کے جواب میں محکمہ قانون کی سربراہ سینیٹر نے مورخہ 13 اپریل کو بتایا کہ پانچ سال کے عرصہ میں برلن کی پانچوں جیلوں میں 58 اموات ہوئیں، جن میں سے 29 خودکشی کے واقعات تھے۔ پچاس فیصد غیر طبعی اموات اس امر کا اشارہ دیتی ہیں کہ برلن کی جیلوں میں ناقابلِ برداشت حالات پائے جاتے ہیں۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا وہ قید تنہائی میں تھا: اگر اس کی کوٹھڑی میں کوئی دوسرا زیر تفتیش حوالاتی ہوتا تو وہ خودکشی کیسے کر سکتا تھا۔ اگر وہ قید تنہائی میں تھا تو اسے تنہا رکھنے کی کیا وجہ تھی۔ کیونکہ قید تنہائی صرف عدالتی حکم اور خصوصی وجوہات کی بنا پر ہی ممکن ہوتی ہے اور ایسے قیدیوں کی خاص نگرانی کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عامر چیمہ کا جرم اتنا سنگین نہیں تھا اور نہ ہی وہ اپنی شخصیت کے اعتبار سے "خطرناک" لوگوں میں شمار ہو سکتا تھا۔ ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ایک دوسرا حوالاتی بھی موجود تھا مگر عامر نے اپنی جان اس وقت لی، جب وہ حوالاتی دن میں ایک مرتبہ ایک گھنٹے کی ہواخوری کے لیے باہر گیا ہوا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ وقت پھندا تیار کرنے اور خودکشی کا ارتکاب کرنے کے لیے کافی ہے؟"

(روزنامہ نوائے وقت ص 8 کالم نمبر 1، 10 مئی 2006ء)

جرمنی کا شمار ترقی یافتہ امیر ملکوں میں ہوتا ہے' وہاں کی جیلوں میں جگہ جگہ کیمرے نصب ہوتے ہیں۔ بلکہ ہر کمرہ کیمرے کی زد میں ہوتا ہے' قیدیوں کے لمحے لمحے پر آنکھیں نگران ہوتی ہیں۔ اوپر سعود قاسم کا بیان لکھا جا چکا ہے کہ عامر کے سیل میں بھی کیمرا نصب تھا۔ پھر عامر نے خودکشی کیسے کر لی؟ اگر یہ کہا جائے کہ کیمرہ نصب ہی نہیں تھا تو پھر ایسا قیدی جس کو وہ دہشت گرد تنظیموں سے ملانے کی فکر میں تھے اور جس کے نفسیاتی عوارض ان کے زیر مطالعہ تھے' بغیر کیمرے کے سیل میں کیسے رکھا گیا۔ اور اگر عامر نے (خدانخواستہ) واقعی خودکشی کر لی تھی تو جیل کے کن کن متعلقہ افسران کو ذمہ دار ٹھہرا کر کیا کیا سزائیں دی گئیں؟ اگر کسی کو نہ ذمہ دار ٹھہرایا گیا' نہ کسی کو کوئی سزا دی گئی تو پھر جیل کا نظام ہے کیا؟ کیا ان تمام شواہد سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عامر چیمہ کو جرمن پولیس نے قتل کر کے خودکشی کا ڈرامہ رچالیا؟ موآبٹ جیل تو مشہور ہی خودکشیوں کے لیے ہے' پھر وہاں خودکشی کی واردات روکنے کیلئے کیا خاص انتظامات کیے گئے؟ اگر کچھ بھی نہیں تو پھر بے پناہ تشدد' زیرِ حراست قتل اور پھر اُسے خودکشی قرار دے کر سارے معاملے کو سرد خانے میں ڈالنے کا بہانہ کب تک چلتا رہے گا؟ کیا کوئی اس امر کی طرف بھی توجہ دے گا کہ شہید کو جب یہ شُبہ ہوا کہ اس جیل کے افسران اُسے ذبح کر دیں گے اور اُس کی موت کا باعث اس کی اپنی خودکشی قرار دے دیں گے تو اُس نے وصیت (Will) لکھی اور اس میں صاف لکھا کہ اُس کی موت خودکشی ہرگز نہیں ہوگی۔ اس سے وہ اپنے والدین اور اہلِ اسلام کو کیا پیغام دینا چاہتا تھا؟ اُس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ اُسے مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں دفن کیا جائے؟ کیا کسی حکومت نے سعودی عرب سے یہ درخواست کی؟ اجازت نہ ملتی' تو الگ بات تھی' یہاں تو درخواست ہی نہیں کی گئی' کیا موآبٹ جیل کے حاکم وصیت سے ایسا ہی کرتے ہیں؟ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اُس کی وصیت کے دو صفحے کیوں غائب کر دیے گئے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اُن سے جیل کے تشدد کا راز فاش ہوتا ہو؟؟

خودکشی کے مفروضے سے اُٹھنے والے سوالات

پاکستان کے تحقیقاتی ادارے کے ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل طارق کھوسہ صاحب نے جب عامر چیمہ شہید کو پوسٹ مارٹم کے وقت دیکھا' تو عامر کی کلائیوں پر رسی سے باندھے جانے کے نشانات تھے' شہ رگ کٹی ہوئی تھی' مگر گردن کا کوئی مہرہ ٹوٹا ہوا نہ تھا' زبان باہر کو نکلی

ہوئی نہ تھی' گردن لمبی بھی نہیں ہوئی تھی' اس صریح قتل کو خودکشی قرار دینے پر وہ متفق نہ ہوئے چنانچہ اُنھوں نے تیس سوالات جرمن حکومت سے کیے۔ جرمن حکومت نے ان میں سے کسی کا جواب ہی نہ دیا۔ تفتیش کی دستاویزات تک نہ دکھائیں' تفتیشی افسران سے ملاقات کی اجازت تک نہ دی۔ اور تو اور جیل میں عامر کے سیل کے ساتھی قیدی سے بات کرنے کی بھی اجازت نہ دی۔ حیرت ہے اگر جرمن پھر بھی کہیں کہ ہم نے تحقیقات میں پاکستان کی F.I.A. کی ٹیم سے مکمل تعاون کیا ہے۔ اُنھوں نے تو دو معزز اعلیٰ افسر بلوائے لیکن پوسٹ مارٹم دیکھنے کی صرف ایک کو اجازت دی۔ وہ تیس سوالات کیا تھے اور ان کا جواب جرمن کب دیں گے؟ کسی کو خبر نہیں۔ جرمنوں نے زیر حراست عامر سے متعلق دستاویزات و تحقیقات بھی عام نہیں کیں۔ ان حالات میں طبعِ سلیم اور ذہنِ تحقیق عامر کی خودکشی کو محض جابرانہ ڈرامہ ہی مان سکتا ہے۔ اس ضمن میں بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں بہت سے سوالات آتے ہیں۔ ان میں بعض درج ذیل ہیں:

(۱) 2 مئی کو جب جرمن افسران عامر چیمہ سے تفتیش کر رہے تھے' تو دورانِ تفتیش میں ایک جرمن افسر کے منہ سے توہینِ رسالت پر مبنی کچھ کلمات نکلے' جنھیں عامر چیمہ برداشت نہ کر سکا۔ وہ اُس تفتیشی افسر پر چڑھ دوڑنے کے لیے بیتاب ہوا لیکن دونوں ہاتھ بندھے ہونے کے باعث وہ اور تو کچھ نہ کر سکا' بس اُس کے منہ پر غصے سے تھوک دیا۔ (بحوالہ روزنامہ نوائے وقت' لاہور' اداریہ' 15 مئی 2006ء)

یہ دو مئی کا واقعہ ہے اور تین مئی کو اُس کی خودکشی کی خبر دے دی گئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عامر کے اس رویّے سے جرمن پولیس نے مشتعل ہو کر اُسے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا ہو؟

(۲) جرمنی کی عام جیلوں کی طرح موآبٹ جیل میں بھی کیمرے نصب ہیں اور اگر عامر کے دوست سعود قاسم کا یہ بیان درست ہے کہ "عامر پر کیمرے نصب تھے" (بحوالہ عامر چیمہ شہید ص 71) تو پھر کیمروں کے ہوتے ہوئے خودکشی کی کوشش کرتے وقت اُسے پکڑ کیوں نہ لیا گیا۔ اور اگر کیمرہ نصب نہیں تھا تو ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں کو سزا کیوں نہیں دی گئی۔

(۳) جرمنی سے آنے والی بعض خبروں کے مطابق اُس نے اپنے لباس (شلوار کے ازار

بند) سے پھانسی لی اور بعض کے مطابق اپنے بستر کی چادر سے۔ (انٹرویو میاں منیر احمد مشمولہ غازی عامر چیمہ شہید ص 43) عامر کے پوسٹ مارٹم کے وقت موجود پاکستانی تحقیقاتی کمیٹی کے سربراہ طارق کھوسہ صاحب کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہو چکا ہے کہ اُس کی کلائیوں پر رسّی سے باندھے جانے کا گہرا نشان تھا اور اس کی شہ رگ کٹی ہوئی تھی، اس کی گردن کے مہرے ٹوٹے ہوئے نہیں تھے بلکہ مضبوطی سے جُڑے ہوئے تھے، اس کی زبان بھی باہر نہیں نکلی ہوئی تھی اور نہ اُس کی گردن لمبی ہوئی تھی۔ عامر کے سیل میں پنکھا نہیں تھا۔ طارق کھوسہ صاحب کو بتایا گیا کہ اُس نے سیل کی دیوار میں بنی آہنی کھڑکی کی سلاخوں سے پھانسی لی۔ جو طارق کھوسہ صاحب کے بقول بالکل ممکن نہیں لگتی۔ یہ کہانی سُن کر عقل وعدل کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ کیا ازار بند اتنا لمبا ہوتا ہے کہ اُس سے پھندا بھی تیار ہو جائے؟ اور اتنی مزید گنجائش نکل آئے کہ پھانسی لینے والا اپنے ہاتھ بھی مضبوطی سے باندھ سکے؟ یہ ممکن ہی نہیں کہ پھانسی لینے والا اپنے ہاتھ بھی خود ہی باندھ لے۔ پھانسی کے رسّے سے شہ رگ تو نہیں کٹتی، یہ کیسے کٹ گئی؟ اور وہ عمومی علامات ونشانات عامر کے بدن پر کیوں نہ پائے گئے جو خودکشی کرنے والے، پھانسی سے جھولنے والوں کی زبان، گردن، مُہروں پر پائے جاتے ہیں؟ کیا یہ ساری کہانی ہی جھوٹ کا پلندا نہیں لگتی؟ پاکستانی تحقیقی ٹیم کے سربراہ طارق کھوسہ نے جب جیل افسروں سے پوچھا کہ عامر کے پاس رسی کہاں سے آئی تو انھوں نے کوئی جواب کیوں نہ دیا؟

(۴) بی بی سی نے جرمنی میں پاکستانی سفارے خانے کے ایک اہل کار کا اس حوالے سے ایک انٹرویو نشر کیا، جس میں اُس نے بتایا کہ عامر سے اُس کا رابطہ رہا، وہ بہت مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ساتھ گفتگو میں بالکل یہ نظر نہ آیا کہ وہ خودکشی کرسکتا ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور، اقرا ایڈیشن، 19 مئی 2006ء)

- عامر کی شہادت سے ایک دن پہلے کرسٹوفر نامی وکیل اُسے جیل میں کپڑے اور کچھ سامان دے کر آیا۔ جس کا بیان ہے کہ وہ بالکل توانا اور تندرست تھا لیکن اگلے روز اطلاع دی گئی کہ وہ شہید ہو گیا ہے۔ (غازی عامر چیمہ شہید ص 66)

(۵) عبدالمجید ساجد کا سوال ہے: اگر عامر چیمہ نے خودکشی ہی کرنا تھی تو اس کے لیے اس

نے تقریباً ڈیڑھ مہینہ انتظار کس خاطر کیا، عامر کے والد نذیر چیمہ نے کہا ہے کہ میرے بیٹے کو جرمن پولیس نے تشدد کر کے شہید کیا ہے، اس کی ابتدائی سماعت چار دنوں کے بعد ہونے والی تھی، جس میں سب کچھ سامنے آجاتا، اس لیے پولیس نے ٹارچر کر کے پہلے ہی شہید کر دیا، والد نے کہا کہ جرمن پولیس نے کسی کو بھی شہید کی ڈیڈ باڈی دیکھنے کی اجازت نہ دی، مبادا کہ ان کا تشدد واضح ہو جائے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور، اقرا ایڈیشن، 19 مئی 2006ء)

(۶) خودکشی کا فیصلہ ہمیشہ مایوس ذہن کرتا ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوسی بہت بڑا گناہ ہے۔ تحفظِ ناموسِ رسالت کا جذبہ رکھنے والا کوئی جوان اپنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ کوئی خوف یا غم اُسے کسی بزدلی اور قنوطی فیصلے پر مجبور نہیں کرسکتا، پھر یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ عامر شہیدؒ نے خودکشی کی؟

عرفان صدیقی بھی یہی سوال کرتے ہیں: ''عامر عبدالرحمان چیمہ کے بارے میں جرمنی سے خبر آئی ہے کہ اُس نے برلن جیل کی کوٹھڑی میں خودکشی کرلی۔ کوئی جرمن حکام کی یہ بات ماننے پر تیار نہیں، وہ بھی جو اس خوبصورت اور خوب سیرت نوجوان کو جانتے ہیں اور وہ بھی جنھوں نے اُس کی کہانی سن رکھی ہے۔ وہ دینی مزاج کے گھرانے کا فرزند تھا۔ نماز، روزہ، تلاوت، تسبیح، اوراد وظائف، دعاؤں اور مناجات سے معمور ماحول میں پرورش پانے والے اس نوجوان کے رگ وپے میں دینی حمیت بھی تھی، عشق کی آتشِ خاموش بھی، عزم اور پیکار کی چنگاریاں بھی لیکن وہ ہارنے والا نہ تھا۔ خودکشی کا راستہ صرف ہار جانے والوں کا راستہ ہوتا ہے''۔

(www.millat.com: انٹرنیٹ)

(۷) چالیس دن سے زائد عرصے تک جرمن پولیس عامر شہیدؒ کا چالان عدالت میں پیش نہ کرسکی اور نہ اُس کے مقدمے کی کارروائی ہی شروع ہوسکی۔ اس کا سبب کچھ تو ہوگا؟ حد یہ کہ شہادت کے بعد اُس کے پوسٹ مارٹم میں سات دن کی تاخیر کی گئی، اس کی وجہ کیا تھی؟ اگر پاکستانی تحقیقی ٹیم کا انتظار تھا، تو پھر اُس ٹیم کے سوالات کا جواب کیوں نہ دیا گیا اور متعلقہ دستاویزاتِ تفتیش ومقدمہ کیوں نہ پیش کی گئیں؟ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تعاون محض برائے نام تھا۔

(۸) ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ گستاخانہ کارٹون شائع کرنے والے ایڈیٹر پر حملہ کرنے والے کو تو گرفتار بھی کر لیا گیا' جیل بھی پہنچا دیا گیا' شہید بھی کر دیا گیا' لیکن گستاخانہ کارٹون شائع کر کے کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری کرنے والے ایڈیٹر کو کیوں کچھ بھی نہ کہا گیا۔ نسیم انجم لکھتی ہیں:

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ایڈیٹر کو اس کے کیے کی سزا کیوں نہیں دی گئی؟ کیا ایڈیٹر نے کوئی کارنامہ انجام دیا تھا؟ اگر کارنامہ فرض کر لیا جائے' تب وہ عیسائیت' ہندوازم' یہودیت اور دوسرے بے شمار مذاہب کے حوالے سے مزید کارنامے کیوں نہیں دکھا رہا ہے۔ اس مذموم حرکت کے لیے اس نے اور اس جیسے شاطر' کینہ پرور اور تنگ نظر ایڈیٹروں نے مذہب اسلام کو ہی نشانہ بنانے کی کیوں کوشش کی؟ ان کے کیا مقاصد تھے؟ اور ہیں؟

ہمیشہ کی طرح انہوں نے ظالم کو چھوڑ دیا اور مظلوم کو گرفتار کر لیا' اگر اہلِ مغرب ظالم کو سزا خود ہی دے ڈالتے تو یہ واقعہ ہرگز پیش نہ آتا اور ایک گھر کا چراغ بھی گُل نہ ہوتا' اس گھر کی خوشیاں' امیدیں' آرزوئیں کبھی دم نہ توڑتیں' اگر انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جاتا تو آج عامر سرخرو ہو کر اپنے پیروں پر لوٹتے' فتح کے پھولوں کی مالا اپنے گلے میں سجاتے' لیکن کامیابی تو انھیں اب بھی ملی ہے' یہ کامیابی دائمی ہے' جسے کوئی چھین نہیں سکتا' چُرا نہیں سکتا' وہ ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ شہید مرا نہیں کرتے' شہید کا بہت بڑا درجہ ہے' اس لحاظ سے عامر کے والدین خوش قسمت ہیں۔'' (ساختہ بے ساختہ' روزنامہ ایکسپریس' فیصل آباد' ص8' 22-05-2006)

نسیم انجم ایک اور طرح سے بھی سوال کرتی ہیں:

''یہ بات بھی اپنی جگہ بے حد اہم ہے کہ کیا واقعی عامر نے خودکشی کی؟ اس قدر جری اور بہادر انسان جو دیارِ غیر میں اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے اخبار کے دفتر پہنچ گیا' وہ بزدلانہ فعل کیوں کر انجام دیتا۔ اسے کیا ضرورت پیش آ رہی تھی کہ وہ اپنی جان یوں ہی گنوا دیتا' جب کہ اس کی زندگی کا ایک بڑا مقصد تھا۔ اس اعلیٰ کاز کو چھوڑ کر موت کو گلے لگا لینا دانش مندی ہرگز نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ انھیں جس سیل میں قید رکھا گیا تھا تو کیا وہاں سیل میں خودکشی کرنے کا تمام سامان بھی عامر کو

قید کرنے کے بعد رکھ دیا گیا تھا' چونکہ جہاں اس قسم کے مجرموں کو قید کیا جاتا ہے' وہاں سے ایسی تمام چیزوں یا سامان کو ہٹا لیا جاتا ہے' جن کے ذریعے مجرم اپنی جان گنوا سکے۔ آخر اس سیل میں رسّی' اسٹول' کُنڈا کہاں سے آ گئے' کیا عامر نے سخت پہرے کے باوجود اپنے طور پر انتظام کیا تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک قیدی جو پابند سلاسل ہو' جس کے اطراف میں سخت ترین پہرہ ہو' جس کی لمحہ لمحہ کی خبر رکھی جائے' وہ خودکشی کس طرح کر سکتا ہے؟ یہ وہ حقائق ہیں جو عامر کے والدین اور ان سے محبت کرنے والے پاکستانیوں کو پریشان کیے ہوئے ہیں' ان کی موت کو خودکشی کا رنگ دینا محض دُنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے''۔

(۹) مریم شہزادی کا بھی ایک خیال اس ضمن میں اہم ہے:

''اتنے عظیم شخص کی موت کو شہادت یا خودکشی کے انوکھے چکر میں الجھا دیا گیا ہے۔ عامر چیمہ نے شہادت پائی یا خودکشی کی' یہ بات تو وقت ثابت کر ہی دے گا لیکن حکومت کا رویہ علی الاعلان یہ بتا رہا ہے کہ عامر چیمہ کو مارا گیا ہے۔ اگر حکومت کو خود بھی اس بارے میں صحیح علم نہیں ہے تو اسے چاہیے تھا کہ عامر چیمہ کا پوسٹ مارٹم منصفانہ طریقے سے کرایا جاتا کیونکہ اگر یہ خودکشی ہے تو جرمن حکومت کسی ملک کو بھی پوسٹ مارٹم کرنے کی دعوت دے کر یہ ثابت کر سکتی تھی''۔

(روزنامہ ایکسپریس' فیصل آباد' ص15' 12 جولائی 2006ء)

(۱۰) عامر کی زندگی کے شب و روز سے آگاہ ہر فرد جانتا ہے کہ وہ اوّل و آخر ایک سچا عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھا۔ عاشقانِ مصطفیٰؐ ہر شے گوارا کر سکتے ہیں لیکن اپنے پیارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی قبول نہیں کر سکتے۔ اُن کا تو ہر سانس' دل کی ہر دھڑکن اور ہر عمل' ہر سوچ اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ خودکشی کو اللہ' رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے۔ خودکشی کرنے والے سے اللہ اور اس کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب خوش ہوتے ہیں؟ عامر بھی یہ حقیقت جانتا تھا' تبھی اس نے اپنی وصیت میں لکھا تھا کہ اُس کی موت خودکشی نہیں ہوگی۔ بڑا اہم سوال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا عاشق اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خودکشی کر کے کیسے ناراض کر سکتا ہے؟

یقیناً اُس نے خودکشی نہیں کی۔ اُس نے تو جنت البقیع میں دفن ہونے کی خواہش کی۔ ایسا مومن، ایسی عظیم سوچ رکھنے والا مسلمان خودکشی کبھی نہیں کرتا۔ پھر دل میں حُبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھنے والے لوگ کیسے مان لیں کہ اُس نے خودکشی کی ہے؟

(۱۱) عامر چیمہؒ کا کیس چونکہ جرمن پولیس کے لیے انتہائی اہم اور حساس تھا اور بقول اسماعیل قریشی: عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ کسی معمولی جرم میں گرفتار نہیں ہوا تھا، بلکہ یورپ کے ترقی یافتہ ملک جرمنی میں اس ملک کے چوتھے ستون صحافت کے چیف ایڈیٹر پر قاتلانہ حملہ کے سنگین الزام میں گرفتار ہو کر جیل کے اندر بند تھا۔ اس کا پہلا جرم یہ کہ وہ ایک مسلمان ملک کا مسلمان نوجوان طالب علم تھا۔ جس پر یورپ، امریکہ اور دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ جیل سے اغوا کیے جانے کے خدشات بھی موجود تھے، اس لیے در و دیوارِ زنداں کے تمام گوشوں پر کیمرے اور حساس آلات نصب تھے۔ جو اس قیدی کی ہر حرکت کو وہاں کی انٹیلی جنس بیورو کو اطلاع دے رہے تھے۔ سیکیورٹی کے انتظامات بھی انتہائی سخت تھے۔

(اسماعیل قریشی، غازی عامر شہیدؒ کی روداد قتل، روزنامہ نوائے وقت 17 جون 2006ء)

اتنی سختی، اتنی نگرانی اور ایسے ماحول میں کسی کا خودکشی کرنا عملاً ممکن نہیں لگتا۔ یہ ساری صورتِ حال جان کر ہر آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ عامر چیمہ کے قتل کو خودکشی کے پردے میں چھپانے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ کتنی کچی، بودی اور غیر دانشمندانہ ہے! کیا جرمن پولیس کے پاس خودکشی کا کوئی ٹھوس ثبوت ہے؟ صرف چند لوگوں کے بیانات سے تو معاملہ حل نہیں ہوتا۔ پاکستان کے مشہور سماجی کارکن انصار برنی نے بھی عامر چیمہ شہید کی خودکشی کی تصدیق کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب پاکستان سے بلائی جانے والی تحقیقاتی ٹیم (جو محض دو ہی ممبروں پر مشتمل تھی) کے بھی فقط ایک ہی شخص کو پوسٹ مارٹم دیکھنے کی اجازت دی گئی، دوسرے کو نہیں تو انصار برنی صاحب کیسے پوسٹ مارٹم روم میں داخل ہو گئے؟ اگر وہ وہاں موجود تھے ہی نہیں تو اُنھوں نے کس بنیاد پر اتنا بڑا بیان دے دیا۔ معروف کالم نویس ڈاکٹر اجمل نیازی نے اپنے کالم میں لکھا: ''ہمارے ایک سماجی آدمی انصار برنی نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا ہے کہ عامر چیمہ نے خودکشی کی ہے۔ وہ تحقیقات میں شامل نہ تھے تو انھیں کس

نے بتایا۔ ان سے یہ بیان کس نے دلوایا۔ انھیں اس جھوٹ کے کتنے پیسے ملے''۔

(www.millat.com)

راقم الحروف اپنا کام قریباً ختم کر چکا تھا کہ نوائے وقت کی ایک خصوصی رپورٹ سے پتا چلا کہ محترم عابد تہامی صاحب کی کتاب ''ناموسِ رسالت کا نیا پروانہ، شہید عامر چیمہؒ'' لکھی گئی ہے۔ اس میں اُنھوں نے تحقیقی نقطۂ نظر سے عامر چیمہ شہیدؒ سے متعلق دستاویز تیار کی ہے۔ راقم کو اصل کتاب دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ البتہ نوائے وقت کی اس رپورٹ میں انصار برنی کے حوالے سے یوں تحریر ہے:

''انصار برنی نے اخبارات میں اپنے شائع شدہ بیان کے مطابق عامر چیمہ کی شہادت کو خودکشی قرار دیا اور یوں پاکستانی اور جرمن حکومتوں کے ساتھ ساتھ بعض ان دیکھے عناصر کے اُن عزائم کو تقویت پہنچائی، جن کے تحت وہ ناموسِ رسالتؐ کے لیے عامر چیمہ کی شہادت کے حوالے سے عالم اسلام کے ردعمل کو خودکشی جیسے حرام عمل کے ساتھ کنفیوز کر کے ڈی فیوز کرنا چاہتے۔ یاد رہے کہ عامر چیمہ نے نہ صرف اپنی زندگی میں متعدد بار خودکشی کو حرام قرار دیا بلکہ شہادت سے پہلے اپنے پیغامات اور خطوط میں بھی کسی بھی صورت میں خودکشی کا راستہ اختیار نہ کرنے کا عندیہ ظاہر کیا تھا۔ اس حوالے سے شہید کے والد پروفیسر نذیر چیمہ نے عابد تہامی سے اپنے خصوصی انٹرویو میں جرمن سفیر کو سر کٹوانے کا چیلنج کیا کہ وہ شہید کی قبر کشائی کروانے پر تیار ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ شہید عامر چیمہؒ کی میت خراب ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اُس نے خودکشی جیسی حرام موت کا انتخاب ہی نہیں کیا۔

عابد تہامی نے انصار برنی کے نام اپنے خط میں عامر چیمہ کی شہادت کو خودکشی قرار دینے کے حوالے سے اُنھیں ثبوت پیش کرنے کے لیے کہا مگر بدقت تمام، یاددہانی کے دوسرے خط کے جواب میں انصار برنی محض آئیں بائیں شائیں ہی کرتے رہ گئے جبکہ اُنھوں نے اس عمومی تاثر کی بھی کوئی تردید نہیں کی کہ انھیں عامر چیمہ کی شہادت کے مقابلے میں خودکشی کا کنفیوژن پھیلانے کے حوالے سے کسی انٹرنیشنل ڈونر ایجنسی کی طرف سے لاکھوں ڈالر دیے گئے تھے''۔ (روزنامہ نوائے وقت، اداراتی صفحہ، یکم جولائی 2006ء)

عابد تہامی صاحب کی اس تحریر سے ثابت ہو جاتا ہے کہ انصار برنی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں رکھتے، اس لیے اُن کا فرمودہ محض خام خیال ہے۔ اگر انھوں نے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک شہید عاشق پر تہمت لگائی تو اللہ سے معافی مانگیں اور پاکستانیوں سے بھی۔ ورنہ وہ قیامت کو رب کے حضور کیا جواب دیں گے۔ انھیں سوچنا چاہیے اس بہتان سے اُن کی عزت بڑھی ہے یا کم ہوگئی ہے؟؟؟

ایک سوال انصار برنی صاحب سے کیا جاسکتا ہے کہ جرمن جاکر عامر شہید کی خودکشی کی تحقیق کرنے کا انھیں کس حکومت نے کہا؟ اگر وہ بن بلائے ازخود ہی چلے گئے تو پھر وہ پہلے جاتے، پوسٹ مارٹم کے بعد جانا چہ معنی دارد؟ اور اگر وہ کہیں گئے ہی نہیں تو پھر ان کے ذہن میں یہ خیال کس عالمِ غیب سے آیا؟ ان کی تو N.G.O. ہونے کے حوالے سے ذمہ داری تھی کہ عامر کی گرفتاری کے فوراً بعد جرمنی جاکر عامر کا مقدمہ لڑتے۔ شہادت کے بعد متحرک ہونے کا فائدہ کیا ہے؟

عامر کے والد درست کہتے ہیں: عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کو خودکشی قرار دینا صہیونی سازش اور غلامانِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جذبات کو منفی رنگ دینے کی ناکام کوشش ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 5 کالم ii، 10 مئی 2006ء)

مندرجہ بالا گزارشات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ عامر چیمہ کی شہادت کو خودکشی قرار دینے کا کوئی قرینہ، کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اسماعیل قریشی نے لکھا: یہ خودکشی کی کیسی واردات ہے جسے نہ عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی میڈیکل جورس پیروڈنس کو ایسی خودکشی کا کوئی علم ہے۔

(اسماعیل قریشی، غازی عامر شہید کی رودادِ قتل، مشمولہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 17 جون 2006ء)

حکومتِ پاکستان کی تحقیقاتی ٹیم کی حتمی رپورٹ

جب پاکستان میں عامر عبدالرحمٰن چیمہ کی جرمن جیل میں شہادت کی خبر پھیلی (اور ساتھ ہی جرمن حکومت کا یہ اعلان بھی مشتہر ہوا کہ عامر نے خودکشی کی ہے) تو پاکستان بھر میں اس خبر کو بے حد دکھ کے ساتھ سنا گیا۔ چونکہ عامر نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توہین آمیز کارٹون شائع کرنے والے ایک اخبار کے ذمہ دار ایڈیٹر پر قاتلانہ حملہ کر کے اُسے شدید زخمی کیا تھا لہٰذا سب پاکستانیوں نے عامر کے اس جذبے کو غازی علم الدین شہیدؒ کی جانثاری کا مظہر قرار دیا۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وناموس پر فدا ہونے والے کی اہلِ پاکستان کی نظروں میں کیا قدر وقیمت ہے، اس کا اندازہ بے دین عناصر

لگا ہی نہیں سکتے، کیونکہ نیک اور پارسا تو ایک طرف، گنہگار سے گنہگار مسلمان بھی کائنات کی ہر چیز اور ہر رشتے بلکہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ یہ محبت اُس کے ایمان کا خاصہ ہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی ناموس کے تحفظ میں جان قربان کرنا ہر مسلمان کے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غازی علم الدین شہیدؒ ہوں یا غازی عامر شہیدؒ ہر پاکستانی مسلمان نے اُن کی عظمت کو تسلیم کیا اور اُن سے وہ پیار کیا جو یقیناً بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ اللہ!! یہ غلامیِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثمر ہے، آخرت میں ان کے درجے کیا ہوں گے، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ پاکستانی سینٹ میں بھی اس خبر کو دکھ کے ساتھ سنا گیا۔ یہ حقیقت جان کر کہ جرمنی میں 20 مارچ 2006ء کو قید ہونے والا عامر 3 مئی کو شہید کر دیا گیا اور اس کا مقدمہ بھی کبھی عدالت میں پیش ہی نہ کیا جاسکا۔ صوبہ سرحد کی اسمبلی نے باقاعدہ ایک قرارداد منظور کی، جس میں وفاقی حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ عامر چیمہ کی شہادت پر جرمنی سے تعلقات ختم کیے جائیں۔ اخباری رپورٹ کے مطابق:

"سرحد اسمبلی نے جرمنی میں عامر چیمہ کی پولیس حراست میں ہلاکت کی مذمت کرتے ہوئے وفاقی حکومت سے معاملہ کو عالمی عدالتِ انصاف میں لے جانے اور جرمنی سے فوری طور پر سفارتی تعلقات کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا ہے...... وفاق سے اس (واقعہ) کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائیں اور...... معاملہ کو عالمی عدالتِ انصاف میں لے جایا جائے۔ قرارداد میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ شہید عامر چیمہؒ کو سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے۔ عامر چیمہؒ نے غازی علم دین شہیدؒ کی یاد تازہ کر دی ہے۔ ایوان نے اس قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کر لیا"۔ (روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 8، 12 مئی 2006ء)

عوام کے علاوہ صوبائی اسمبلیوں اور وفاقی (قومی) اسمبلی میں عامر چیمہ شہیدؒ سے متعلق خبروں نے عامر سے متعلق تحقیق کی ضرورت کو خوب اجاگر کیا، لیکن اس سلسلے میں سینٹ کی انسانی حقوق کی کمیٹی نے جو کام کیا وہ روشن تر ہے۔ اسی فنکشنل کمیٹی میں جرمن جانے والی دورکنی ٹیم کے سربراہ طارق کھوسہ صاحب نے ممبران کو بریفنگ بھی دی۔

ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے طارق کھوسہ نے اس ٹیم کے سربراہ کے طور پر

شہید کے پوسٹ مارٹم کے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور واپس پاکستان آ کر جو کچھ بتایا اُس سے خودکشی کے نظریے کی بہرحال تصدیق نہیں ہوتی تھی (مثلاً ہاتھوں کا بندھے ہونا' شہ رگ کا کٹی ہوئی ہونا' گردن کے مہروں کا نہ ٹوٹنا' زبان کا باہر نہ نکلنا اور گردن کا لمبا نہ ہونا' جرمن افسروں کا تفتیش میں معاونت نہ کرنا' سوالات کا جواب نہ دینا' متعلقہ افراد سے ملاقات کی اجازت نہ دینا' وغیرہ) تاہم اس ٹیم نے بتایا کہ ابھی جرمن سے پوسٹ مارٹم رپورٹ آئے گی تو کوئی حتمی فیصلہ کیا جا سکے گا۔ تحقیقی ٹیم کے سربراہ نے سینٹ کی انسانی حقوق کی کمیٹی کے سامنے اپنے دیدہ واقعات اور حالات بیان کیے لیکن جب کچھ عرصہ تک کوئی حتمی رپورٹ سامنے نہ آئی' تو سینٹ کی انسانی حقوق کی اسی کمیٹی نے سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے حتمی رپورٹ کے جلد منظرِ عام پر لانے کا مطالبہ کیا۔ سینٹ کی انسانی حقوق کی کمیٹی کے علاوہ یہ ہر پاکستانی کی بھی تمنّا تھی۔ مختلف علاقوں کی بار کونسلوں کی طرف سے بھی یہ مطالبہ زور پکڑتا جا رہا تھا۔ اور تو اور خود جرمن حکومت اس بات پر حیرت کا اظہار کر رہی تھی کہ حتمی تحقیقات سے پہلے پاکستانی بار کے ممبران' میڈیا اور عوام نے کیسے مان لیا کہ عامر چیمہ نے خودکشی نہیں کی۔ مثلاً 9 مئی کی شام کو پاکستان میں جرمن سفارت خانہ کے ڈپٹی ہیڈ آف مشن مسٹر کرسٹون ساانڈر نے کہا:

''پاکستانی پریس نے پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے سے قبل ہی عامر چیمہ کے بارے میں یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ جیل میں اس کی تشدّد سے ہلاکت ہوئی ہے۔ کم سے کم پوسٹ مارٹم رپورٹ کا انتظار کیا جانا چاہیے تھا''۔ (روزنامہ نوائے وقت' لاہور' ص 8 کالم 7' 10 مئی 2006ء)

اس بیان کے اگلے دن عامر چیمہ کا جرمنی میں پوسٹ مارٹم ہو گیا لیکن پوسٹ مارٹم کی حتمی رپورٹ پریس تک نہ پہنچ سکی۔ وقت گزرتا گیا اور عوامی بے چینی بڑھتی گئی۔ وکلا نے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا' علما نے جمعہ کی تقاریر میں' اسمبلیوں کے ممبران نے اسمبلیوں میں حتمی رپورٹ کے منظرِ عام پر لانے کا مطالبہ کیا۔ دراصل حکومت نے اس معاملے میں اس جائز مطالبے کی کبھی مخالفت کی بھی نہیں۔ شروع ہی میں جب متحدہ مجلسِ عمل کے اراکین پارلیمنٹ کی طرف سے عامر چیمہ کی جیل میں موت سے متعلق بحث کی تحریک پیش کی گئی تو حکومت نے اس کی مخالفت نہیں کی اور اسمبلی کے سپیکر نے کسی مناسب وقت پر اس موضوع پر بحث کی اجازت بھی دے دی تھی۔ (انٹرنیٹ' خلیج ٹائمز آن لائن نیوز' 5 مئی 2006ء)

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اور ایف آئی اے کی تحقیقاتی ٹیم کی حتمی رپورٹ سامنے آنے میں تاخیر ہوتی گئی ویسے ویسے خواص و عوام کی بے چینی بھی بڑھتی گئی۔ اسی پس منظر میں پاکستانی سینٹ کی فنکشنل کمیٹی برائے انسانی حقوق نے عامر چیمہ شہیدؒ سے متعلق بروقت عدالتی کارروائی شروع نہ کرنے پر شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم ڈپلومیٹک چینل پر انحصار نہیں کر سکتے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ حقائق سامنے لانے کے لیے فوری طور پر جوڈیشنل انکوائری شروع کی جائے۔ جرمن حکام کو انکوائری کے لیے تیس سوال بھیجے گئے ہیں وہ کمیٹی کے سامنے پیش کیے جائیں۔ لطیف کھوسہ اور خالد رانجھا پر مشتمل دو رکنی کمیٹی بھی تشکیل دی گئی جو دفتر خارجہ اور اٹارنی جنرل سے مل کر عامر چیمہؒ کے کیس میں قانونی طریقہ کار کے بارے میں اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔

کمیٹی نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ جرمنی سے حتمی رپورٹ جلد حاصل کی جائے اور پاکستان اور جرمنی کے درمیان 1982ء کے معاہدہ کی کاپی کمیٹی کے سامنے پیش کی جائے۔ اس بات کی نشاندہی سینٹ فنکشنل کمیٹی برائے انسانی حقوق کے جمعرات کے اجلاس میں کی گئی' جس کی صدارت سینیٹر ایس۔ ایم ظفر نے کی۔ اجلاس میں جرمن حکام کی طرف سے عامر چیمہ کی ہلاکت بارے عبوری رپورٹ بھی پیش کی گئی جس میں فنکشنل کمیٹی نے شدید نوٹس لیا کہ جرمن ڈاکٹر نے رپورٹ میں لکھا ہے کہ عامر چیمہ کی موت گلا دبنے سے ہوئی ہے جبکہ رپورٹ میں حتمی طور پر یہ کہا گیا ہے کہ عامر چیمہ کی ہلاکت لٹکنے سے ہوئی ہے' جسے فنکشنل کمیٹی نے خارج از امکان قرار دیا ہے اور کہا کہ اگر اس کی موت لٹکنے سے ہوئی تو اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ جانی چاہیے تھے اور گردن بڑھ جانی چاہیے تھی مگر ایسا نہیں ہوا اور اس بات کے کوئی شواہد نہیں ہیں اور اس موقع پر سینیٹر پروفیسر خورشید نے کہا کہ میری ملاقات عامر چیمہؒ کے والد سے ہوئی ہے' جنہوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس کی گردن پر کوئی نشان نہیں تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس کے جسد خاکی کو دیکھا جائے تو اس کے جسم پر خودکشی کا کوئی امکان نہیں' اس کے جسد خاکی کو اب بھی نکال کر اس بات کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی بہن نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس کی گردن پر کوئی نشان نہیں تھا۔ فنکشنل کمیٹی نے وزارتِ خارجہ پر شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عامر چیمہؒ کا جسد خاکی ملک میں آنے پر عدالتی کارروائی شروع نہیں کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ

وقت ضائع کیے بغیر فوری طور پر عدالتی کارروائی شروع کی جائے اور مزید کہا کہ عامر چیمہ کی ہلاکت کے مسئلہ پر مزید تفتیش کی جائے۔ اس موقع پر وزیر مملکت برائے خارجہ خسرو بختیار نے کہا کہ ہم نے جرمن حکام کو 30 سوال بھیجے ہوئے ہیں' ہم ڈپلومیٹک چینل کے ذریعے جرمن حکام پر دباؤ بڑھائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ کامیابی ضرور ملے گی۔ اس آپشن پر بھی غور کر رہے ہیں کہ جرمنی میں لیگل کارروائی شروع کی جائے۔

(روزنامہ نوائے وقت' لاہور' ص 10' 16 جون 2006ء)

جرمن حکومت نے دستاویزات چھپالیں شواہد مٹا دیئے سوالات کے جوابات نہ دیے اور پاکستانی ٹیم کو مطمئن نہ کیا۔ بہر حال عوام و خواص کے اس مشترکہ مطالبے پر بالآخر پاکستان کی اُس تحقیقاتی ٹیم نے اپنی حتمی رپورٹ وزیر اعظم پاکستان شوکت عزیز صاحب کو پیش کردی۔ یہ وہ رپورٹ ہے جس کا سب کو شدت سے انتظار تھا' یہ وہ رپورٹ ہے جس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنا تھا' یہ وہ رپورٹ ہے جس نے ہر چیز واضح کردی ہے۔

اخباری بیان ملاحظہ کیجیے:

''اسلام آباد (رپورٹ' افتخار چوہدری) پاکستانی تحقیقاتی ٹیم نے جرمنی کی جیل میں شہید ہونے والے عاشق رسول عامر چیمہؒ کی موت کو ماورائے عدالت قتل قرار دیتے ہوئے اپنی رپورٹ وزیر اعظم شوکت عزیز کو بھجوا دی ہے۔ جرمنی جا کر تفتیش کرنے والی وفاقی تحقیقاتی ادارے کی 2 رکنی ٹیم نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ عامر چیمہ کو جیل میں وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا' اس کی حالت غیر ہوگئی اور وہ تقریباً مرنے والا ہوگا کہ اسے پھندے سے لٹکا کر شہید کر کے خودکشی کا رنگ دے دیا گیا۔ جرمنی کے قوانین کے مطابق وہاں کی جیلوں میں ہر قیدی خواہ وہ ملزم ہو یا مجرم' اس کی کڑی نگرانی کے لیے عملہ تعینات ہوتا ہے' کیمرے بھی نصب ہوتے ہیں تاہم عامر کو جیل کے جس کمرے میں رکھا گیا وہاں کیمرے نہیں تھے اور جرمن پولیس نے تمام تر شواہد بھی ضائع کر دیے۔ دستیاب شواہد کے مطابق عامر چیمہ حوالات میں کوئی رسّی وغیرہ ساتھ نہیں لا سکتا تھا' اور اس کے پاس خودکشی کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ ذرائع کے مطابق برلن کی ٹیکسٹائل انجینئرنگ یونیورسٹی میں زیر تعلیم عامرؒ کے ساتھی طلبا میں سے کسی ایک نے بھی اس کی شکایت نہیں کی' تاہم کہا کہ وہ خاکوں کی اشاعت پر بہت دلبرداشتہ تھا۔ طلباء کا کہنا تھا کہ وہ انتہائی معتدل مزاج' لائق طالب علم تھا اور اس کی تعلیم

مکمل ہونے میں 2 برس باقی تھے۔ ایف آئی اے کی ٹیم نے جرمن پولیس کی مرتب کردہ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی مسترد کردی اور کہا کہ حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے بعد رپورٹ پر یقین نہیں کیا جا سکتا''۔ (روزنامہ ایکسپریس' فیصل آباد ص 1' 27 جون 2006ء)

(واضح رہے کہ پروفیسر نذیر چیمہ صاحب کے بقول آخری سمیسٹر ختم ہونے میں دو برس نہیں بلکہ محض ایک سمیسٹر (چار ماہ) باقی تھے۔ افضال احمد انور)

لیجیے اس رپورٹ نے بھی عامر چیمہ شہیدؒ کی خودکشی کی نفی کرتے ہوئے اُس کی شہادت پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے' سبحان اللہ! فرمانِ خداوندی ہے:

''جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا''

گویا ہم کسی پہلو سے جائزہ لیں' قطعاً ثابت نہیں ہو سکتا کہ عامر چیمہؒ نے خودکشی کی۔ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ اُسے زیرِ حراست تفتیش کے دوران ہی میں قتل کردیا گیا اور اُس کی شہ رگ کاٹ کر جرمن پولیس نے اس کے قتل کو خودکشی کا نام دے دیا۔ جو کذبِ محض' لغو اور ایک نام نہاد ڈرامہ ہے۔

زندہ باد عامر شہیدؒ! تیری شہادت ثابت ہوگئی' جرمن پولیس کا خودکشی کا باطل دعویٰ جھوٹ بلکہ صرف اور صرف مکروہ ترین ڈرامہ ثابت ہوا۔ جرمن پولیس نے اُس سے ایک زندگی چھیننے کی کوشش کی لیکن اللہ نے اُسے ہر لمحہ نئی زندگی سے سرفراز کر کے امر کردیا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

میت کی پاکستان آمد' نمازِ جنازہ اور تدفین

شہزادۂ عشق و وفا' مخدوم اربابِ وِلا حضرت عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ کا بابرکت جسدِ خاکی پی۔ آئی۔ اے کی فلائیٹ نمبر PK-764 کے ذریعے فرینکفرٹ سے لاہور صبح ساڑھے نو بجے پہنچا۔ میت کو خاموشی اور وقار کے ساتھ جہاز سے اتارا گیا۔ (بعض خبروں کے مطابق اس جہاز کے مسافروں کو بھی خبر نہیں تھی کہ غازی عامر شہیدؒ کی میت اسی جہاز میں پاکستان لائی جارہی ہے) لاہور ائیر پورٹ پر صوبائی وزیر شجاع خانزادہ نے میت وصول کی اور اُس پر پھولوں کی چادر چڑھائی۔ عامر شہیدؒ کے عزیزوں میں سے اُس کے ماموں محمد اسلم اور چچا عصمت اللہ لاہور ائیر پورٹ پر آئے۔ پھر یہ میت کے ساتھ ہی ساروکی چیمہ تک پہنچے۔

لاہور ائیر پورٹ کے باہر سینکڑوں لوگ جمع تھے' عینی شاہدوں کے مطابق پولیس نے

اُنھیں ائیر پورٹ میں داخلے سے منع کر دیا۔ (www.randburg.com) انٹرنیٹ کی
اس خبر میں ایک پولیس افسر احمد دین کا یہ بیان بھی موجود ہے:

We adopted strict security measures and no inccident took place.

صوبائی حکومتِ پنجاب کی طرف سے ایک ہیلی کاپٹر میت کو گوجرانوالا پہنچانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ میت کو بصد احترام اس ہیلی کاپٹر کے ذریعے گوجرانوالا چھاؤنی راہوالی ایریا بیس پہنچا دیا گیا۔ یہ ہیلی کاپٹر چیف منسٹر پنجاب چودھری پرویز الٰہی کا تھا۔ گوجرانوالا چھاؤنی میں فوج کے سٹیشن کمانڈر بریگیڈیر اظہار الحسن کے علاوہ ضلعی ناظم فیاض چٹھہ اور ڈی پی او عارف مشتاق نے میت کا استقبال کیا۔ پھر وہاں سے غازی عامر شہیدؒ کی میت کو ایمبولینس کے ذریعے شہید کے آبائی گاؤں ساروکی چیمہ (نزد وزیر آباد) پہنچا دیا گیا۔ جب یہ ایمبولینس وزیر آباد پہنچی تو جماعۃ الدعوہ اور پولیس کی گاڑیاں بھی ساتھ تھیں۔ یوں گاڑیوں کے جلوس کی شکل میں عامر چیمہ شہید کا تابوت ساروکی چیمہ پہنچا' جہاں لاکھوں لوگ شہید کے استقبال کے لیے بے چینی سے منتظر تھے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ حکومت نے شہید کے جسدِ خاکی کو بصد احترام لاہور سے ساروکی پہنچایا' لیکن عامر شہید کے خاندان والے پریشان تھے کیونکہ وہ عامر کی تدفین ساروکی چیمہ کے بجائے راولپنڈی میں چاہتے تھے۔ پریس نے شہید کے اس آخری سفر کو ایک دوسری نظر سے دیکھا: روزنامہ پاکستان نے اپنے اداریے میں لکھا:

''جرمن پولیس کی حراست میں شہید ہونے والے عامر چیمہؒ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ ان کی تدفین کے بعد جاری کرنے کا اعلان کیا گیا تھا' رپورٹ کو فوری طور پر جاری نہ کرنے میں کیا مصلحت تھی؟ اس پر غور کیا جائے تو طرح طرح کے وسوسے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ شہید کے جسد خاکی کی جس عجلت سے بذریعہ ہیلی کاپٹر لاہور سے گوجرانوالا اور پھر ایک ایمبولینس کے ذریعے ان کے آبائی گاؤں ساروکی پہنچایا گیا' اس پر بھی طرح طرح کے شکوک وشبہات کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔ بات صرف یہ نہیں ہے کہ حکومت کو لا اینڈ آرڈر کے بگاڑ کا خدشہ تھا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق راولپنڈی پولیس کے اعلیٰ افسران نے دو گھنٹے تک شہید کے ورثا پر دباؤ ڈالا کہ اُس کی تدفین راولپنڈی میں نہ کی جائے۔ شہید

کی بہنوں نے الزام لگایا ہے کہ ساروکی میں تدفین کے لیے ان پر سخت دباؤ ڈالا گیا۔ خود شہید کے والد نے گزشتہ روز اخبار نویسوں کے سامنے کہا کہ انھیں سخت اور ناقابل بیان دباؤ کا سامنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہی پولیس صدر سے لے کر وزیر اعظم تک اور گورنروں سے لے کر وزرائے اعلیٰ تک کے جلسے جلوسوں میں امن وامان کو یقینی نہیں بناتی۔ شہید کا جنازہ راولپنڈی میں ہوتا تو لازمی طور پر لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں شرکت کرنا تھا لیکن کیا بڑے جنازے صرف اس لیے نہ کیے جائیں کہ پولیس کو امن وامان کی ڈیوٹی نہ دینا پڑے۔ پولیس کا فرض صرف حکومتی زعماء کو سلامتی فراہم کرنا نہیں بلکہ عام شہری کی حفاظت کے اقدامات کرنا بھی اس کی آئینی اور بنیادی ذمہ داری ہے''۔

(روزنامہ پاکستان 15 مئی 2006ء نیز غازی عامر چیمہ شہید مرتبہ زبیر اسلم ص 132)

ابھی عامر کا جسدِ خاکی پاکستان نہیں پہنچا تھا کہ پاکستان کی متعدد حکومتی' سیاسی اور مذہبی شخصیات نے عامر چیمہؒ کے والد پروفیسر نذیر چیمہ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا یا گھر آ کر ملے۔ وزیر اعظم شوکت عزیز نے بھی فون پر تعزیت کی۔ وزیر مملکت طارق عظیم نے عامر چیمہ شہیدؒ کے والد کو یقین دلایا کہ ان کے فرزند کی تدفین وہیں ہوگی جہاں عامر کے والدین چاہیں گے۔ لیکن اچانک سب کچھ بدل گیا۔ نہ میت اسلام آباد پہنچی اور نہ راولپنڈی میں تدفین ہو سکی۔

''......جو کچھ ہوا' وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہید کے والدین اور اس کی بہنوں کو اتنا حق ضرور ملنا چاہیے تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی میت اپنی مرضی کے شہر میں وصول کر سکیں' اپنی خواہش کے مطابق اُس کی نمازِ جنازہ ادا کر سکیں' اپنی آرزو کے مطابق اس کی تدفین کر سکیں۔ انھیں پکڑ جکڑ کر مجبور نہیں کر دینا چاہیے تھا کہ وہ حکومتی مصلحتوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ دو دن قبل اطلاعات ونشریات کے وزیر مملکت جناب طارق عظیم عامر شہیدؒ کے گھر تشریف لے گئے۔ انھوں نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے دوٹوک اعلان کیا کہ عامر کی تجہیز وتکفین اس کے والدین کی مرضی ومنشا کے مطابق ہوگی۔ ان کا یہ اعلان جلی سرخیوں کے ساتھ پاکستان بھر کے اخبارات کی زینت بنا لیکن جمعہ کی شام مقامی انتظامیہ اور پولیس نے پروفیسر نذیر چیمہ کے گھر کے آس پاس ڈیرے ڈال دیئے۔ دل گرفتہ اور نڈھال باپ کے اعصاب پر ضربیں لگائی جانے لگیں۔ خوفناک مناظر کی تصویر کشی ہونے لگی۔ یہاں توڑ پھوڑ

ہو گیا تو کون ذمہ دار ہوگا؟ بم دھماکہ ہو گیا تو بے گناہوں کا لہو کس کی گردن پر ہوگا۔ پروفیسر چیمہ کے پاس کسی سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ ان میں کسی سے جرح کرنے' بحث میں الجھنے کا یارا نہ تھا۔ گھر کی خواتین کو خبر ہوئی تو ایک کہرام مچ گیا۔ عامر کی زندگی کے کتنے ہی شب وروز راولپنڈی میں گزرے۔ وہ یہیں پلا بڑھا' یہیں جوان ہوا' یہیں تعلیم حاصل کی' یہاں کی ہواؤں میں سانس لیتا' یہاں کی گلیوں میں چلتا اور یہاں کی محفلوں میں لو دیتا رہا۔ وہ آخری بار اس بستی سے زندگی کے آخری سفر کو نکلا اور امر ہو گیا۔ اس حرماں نصیب بستی کی گلیوں' گھروں' دیواروں اور چھتوں کو عامر کے تابوت کے آخری دیدار سے محروم کر دینا دل چھلنی کر دینے والی حرکت تھی۔ اس حرکت کا کوئی جواز نہ تھا۔ گزشتہ ایک ہفتے سے عامر کا گھر اور گردو پیش کی گلیاں دور ونزدیک سے آئے لوگوں سے بھری رہتی تھیں۔ امن وامان کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا۔ حکومت کے خلاف کوئی نعرہ نہ لگا۔ شیخ رشید احمد' طارق عظیم' مولانا فضل الرحمان اور قاضی حسین احمد کو یکساں فراخ قلبی سے خوش آمدید کہا گیا۔ گہرے اضطراب اور شدید غم کے باوجود عامر کے اہل خانہ نے حکومت کی کوتاہیوں کو ہدف تنقید نہ بنایا۔ میت راولپنڈی آجاتی اور لاکھوں لوگ اس کی نمازِ جنازہ میں شریک ہو جاتے تو بھی کوئی افتاد نہ ٹوٹتی۔ راولپنڈی کے درودیوار' یہاں کی خاک اور یہاں کے لوگوں سے اُن کا حق چھین لیا گیا۔ یہ ہر اعتبار سے ایک ناروا' ایک دل آزار' ایک ناپسندیدہ اقدام تھا''۔

(روزنامہ نوائے وقت' عرفان صدیقی' نقشِ خیال' 14 مئی 2006ء)

عامر چیمہ کی وصیت اور والدین کے منشا کے خلاف عامر چیمہ کی نمازِ جنازہ اور تدفین کا عمل ساروکی میں ہوا۔ یہ صدمہ تو اُس کے والد ہی سے پوچھا جا سکتا ہے جس کے اکلوتے لختِ جگر کو حسبِ منشا گھر کے قریب دفن کرنے کی بھی اجازت نہ ملے۔

معروف کالم نگار عرفان صدیقی 12 مئی 2006ء کا اپنا ذاتی واقعہ لکھتے ہیں' جس سے عامر کے گھر والوں کے اس کرب کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''جمعہ کی صبح میں لاہور جانے کیلئے اسلام آباد ائیر پورٹ کے لاؤنج میں بیٹھا تھا کہ میرا فون بجا۔ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی اور اس کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ بولی: میں عامر چیمہ کی بہن بول رہی ہوں' دیکھئے ہمارے گھر پولیس آ بیٹھی ہے۔ ہمارے والد صاحب کو پریشان کیا جا رہا ہے۔ ہمیں ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے۔ یہ لوگ چاہتے

ہیں کہ ہمارے بھائی کی میت یہاں نہ آنے پائے۔ دیکھیں ہم پچھلے دس دنوں سے اس کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم اسے پنڈی کے قبرستان میں دفنانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کو خدا کا ڈر نہیں...... میں جو کچھ کر سکتا تھا' کیا۔ لاہور پہنچ کر بھی رابطے میں رہا لیکن کوئی بڑا لیڈر عامر کے والدین کی مدد کو نہ پہنچا۔ نہ کوئی رکن اسمبلی' نہ وارثانِ منبر ومحراب' نہ صاحبان جُبّہ ودستار۔ اور پھر شام گہری ہوتے ہی حرماں نصیب خاندان نے ریاستی رعونت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ماں چیختی رہ گئی' بہنیں بلکتی رہ گئیں' باپ منت سماجت کرتا رہ گیا لیکن ریاست کو خطرہ تھا۔ سو اس کی میت لاہور پہنچا دی گئی۔ ائیر پورٹ جانے والے راستوں کی کڑی نگرانی کی گئی۔ میت کو ہیلی کاپٹر میں ڈال کے شہید کے آبائی گاؤں ساروکی پہنچا دیا گیا''۔

(روزنامہ نوائے وقت' نقشِ خیال از عرفان صدیقی' 14 مئی 2006ء)

اربابِ اختیار کے اس رویے اور شہید کے والدِ گرامی کی بے بسی کی ایک تصویر اُس انٹرویو سے بھی نمایاں ہے' جس میں پروفیسر نذیر نے بتایا تھا:

''حکومتِ پاکستان کا رویہ ہمارے ساتھ نہایت ہی معاندانہ اور مخاصمانہ رہا ہے۔ اُنہوں نے تعاون کی بجائے معاملے کو بگاڑنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے' میں اپنے بیٹے کے نام پر سیاست نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اُن کی ہر زیادتی پر خاموش رہا۔ حکومتی کارندوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً مجھے جو خاموش پیغام ملا' اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر ہماری بات تسلیم نہیں کرو گے' ہماری مرضی کے برعکس بیٹے کا جنازہ کسی دوسری جگہ کرو گے تو پھر بیٹے کے جسدِ خاکی سے بھی محروم رہ جاؤ گے۔ یہ چاہتے تھے کہ عامر کو جرمنی میں دفن کر دیا جائے' میں ہر صورت میں بیٹے کے جسدِ خاکی کو پاکستان لانا چاہتا تھا۔ اس لیے مجھے بہت سے معاملات میں نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی اختیار کرنی پڑی...... اس وقت حالت یہ ہے کہ اگر کسی گورے کے کتّے کو کوئی مارے تو حکومت کی ساری مشینری فی الفور حرکت میں آ جائے گی' مگر میرا بیٹا' جس نے ناموسِ رسالت پر جان قربان کر کے اُمت مسلمہ کی لاج رکھی ہے' اُس کے قاتلوں کو سزا دلانے کے لیے حکومت نے کچھ بھی نہیں کیا''۔

(مجلہ الدعوۃ ص 12' کالم 1' جون 2006ء)

ادھر راولپنڈی میں مجبور و بے بس باپ اپنے اکلوتے بیٹے کے بعد اپنی آرزوؤں کو بھی شہید ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا' اُدھر ساروکی چیمہ میں سارا گاؤں اپنے بیٹے' اپنے ہیرو عامر

چیمہ کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ساروکی چیمہ کے باسیوں پر ایک عجیب ہی کیف وسُرور طاری تھا۔ انھیں یہ خوشی تھی کہ اُن کا ایک جوان سپوت محبوبِ خدا' سیّدُالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وناموس کی حفاظت کرتے ہوئے شہادتِ عظمیٰ کی سعادت پاکر' سرخرو ہوکر اُن کے گاؤں پہنچا ہے چونکہ شہید زندہ ہوتا ہے لہٰذا ساروکی چیمہ کے لوگ عامر کی نئی زندگی کی خوشیاں منارہے تھے۔ سارے گاؤں کو بطور خاص جھنڈیوں' جھالروں' آرائشی پٹیوں اور بڑے بڑے بینروں سے سجایا گیا تھا۔ جگہ جگہ پانی کی سبیلیں لگی ہوئی تھیں۔ جنازہ پہنچنے سے بہت پہلے لوگ' وہ بھی بہت ہی بڑی تعداد میں' ساروکی پہنچے ہوئے تھے۔ تاحدِّ نظر لوگ ہی لوگ تھے۔ اور لوگ بھی مسلسل آرہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ساروکی چیمہ ایک سمندر ہو جس میں لوگ دریا در دریا کشاں کشاں شامل ہوتے چلے جارہے ہیں۔

عامر چیمہ شہیدؒ کے والد محترم اپنے لختِ جگر کی آخری رسومات ادا کرنے کے لیے علی الصبح قریباً ساڑھے چار بجے اپنے آبائی گاؤں ساروکی چیمہ پہنچے اور قریباً چھ بجے صبح گاؤں کے قبرستان میں شہید کی تدفین کے انتظامات کے لیے آگئے۔ امیر حمزہ کا بیان ہے:

''ساروکی کے قبرستان سے بالکل الگ تھلگ ایک شخص نے ایک کنال قطعۂ اراضی وقف کیا کہ یہاں شہید کو دفن کیا جائے' وہاں قبر کھدوادی گئی۔ لیکن جب شہید کی وصیت کو دیکھا گیا تو پتہ چلا کہ عامر نے قبرستان سے الگ ہونا پسند نہیں کیا۔ ماں نے عامر نام رکھا تھا' عامر نے قبرستان کے اصولِ عمرانیات کو کیا خوب سامنے رکھا۔ چنانچہ قبرستان سے الگ جو قبر بنائی گئی تھی' اُسے بند کیا گیا اور عام قبرستان کے اُس حصے میں قبر بنائی گئی جہاں عامر عبدالرحمٰن چیمہ کے دیگر رشتہ داروں کی قبریں موجود ہیں۔

(ہفت روزہ غزوہ ص 3' 19 تا 25 مئی 2006ء)

عامر شہید کی والدہ ماجدہ اور بہنیں تین فلائنگ کوچوں میں سوار اپنے قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ پولیس کے سخت حفاظتی کانوائے میں صبح قریباً 9 بجے ساروکی چیمہ میں پہنچے۔ عامر چیمہ کے گاؤں میں رہنے والے عزیزوں نے بعض جگہ کھلے شامیانے لگائے ہوئے تھے۔ سینکڑوں کرسیاں بچھی تھیں' جن پر مہمانوں کے علاوہ پولیس والے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ گاؤں کی شمالی نکر پر سکول کی عمارت سے ذرا پہلے سڑک کے بالکل

کنارے پر ایک شامیانہ لگا ہوا تھا' اس کے نیچے عامر شہید کی آرام گاہ تیار کی جارہی تھی۔ مستطیل قبر کی اندرونی دیواروں کے ساتھ پختہ اینٹوں کو مٹی کی چنائی سے جوڑا جارہا تھا۔ لوگ اُس قبر' اُس جگہ کی زیارت کررہے تھے' جہاں اس دَور کے عظیم عاشقِ رسولؐ کے جسدِ خاکی کو دفن کیا جانا تھا۔ اُدھر چاروں طرف سے لوگ مسلسل ساروکی چیمہ میں آتے چلے جا رہے تھے۔

غازی عامر عبدالرحمٰن کے عزیزوں سمیت لاکھوں غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' شہید کے جسدِ خاکی کے انتظار میں دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے تھے۔ بالآخر ایک ایمبولینس میں شہید کی میّت ساروکی چیمہ کی حدود میں داخل ہوئی' لیکن کس شان سے' گاڑیوں کی جلو میں۔ یہ گاڑیاں عامر کے عزیزوں کی بھی ہیں' مذہبی اور سیاسی عمائدین کی بھی' پولیس کی بھی۔ لوگ منوں کے حساب سے پھولوں کی پتیاں شہید کی ایمبولینس پر نچھاور کر رہے تھے۔ ہر شخص ایمبولینس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کیا یہ کسی دولہا کی بارات تھی؟ لیکن نہیں' دولھے کی بارات میں پانچ' پانچ لاکھ باراتی تو نہیں آتے' دولھے کی کار کو ہاتھ لگا کر ہاتھ تو کوئی نہیں چومتا' دولھے پر اس وارفتگی اور عقیدت سے تو کوئی دیدہ و دل فدا نہیں کرتا۔ دولھے کی پالکی کو ایک نظر دیکھ لینے کو اپنی نجات کا باعث تو نہیں گردانتا' دولھے کی بارات میں بن بلائے تو کوئی نہیں آتا۔ پھر انسانوں کا یہ عظیم سمندر کیوں جمع ہوگیا ہے' ان کا عامر سے کیا رشتہ ہے' کس نسبت نے انھیں عامر کا عقیدت مند بنادیا ہے' چلچلاتی قیامت کی دھوپ میں بھی ایمبولینس کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ یہ تعلق' یہ نسبت' یہ رشتہ نہ نسلی ہے نہ لسانی' نہ سیاسی ہے نہ عمرانی بلکہ صرف اور صرف روحانی ہے۔ چونکہ عامر عبدالرحمٰن نے اپنی عارضی زندگی مسلمانوں کے آقا و مولا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کردی ہے' لہٰذا وہ سب مسلمانوں کا ہیرو' سب غلامانِ رسول کا پیارا اور سب عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کا تارا بن گیا ہے۔ آج لوگوں کی ساری محبتیں' ساری عقیدتیں' سارے احترام عامر چیمہؒ کے لیے ہیں' اللہ اللہ!!

یہ شان ہے اُن کے خادم کی سرکارؐ کا عالم کیا ہوگا

کیا دنیا کی کسی برادری' کسی مذہب' کسی نسل' کسی گروہ' کسی جماعت' کسی جمعیت کے پاس ایسا شانوں والا رہبر ہے کہ جس کے غلاموں کی بھی ایسی شانیں ہوں؟ اگر نہیں اور یقیناً

نہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ نسبتِ رسول ہی وہ رشتہ ہے جو بے لوث ہے، حقیقی ہے، سچّا ہے اور سُچّا ہے۔ قیامت کے دن محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس رشتے کے علاوہ کسی سے کسی کا کوئی رشتہ نہ ہوگا۔ لیکن وہ تو قیامت ہے، آج سارو کی چیمہ میں بھی یہی رشتہ اپنی ضیاباریاں دکھا رہا ہے۔

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لکَ ذِکرک دیکھے

عامر شہیدؒ سے اس بے پایاں اور بے لوث محبت اور عقیدت کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے ع

جو غلام، رسول اللہ دے، اسیں غلام اُنھاں دے

جماعۃ الدعوہ اور عالمی تنظیم اہل سنت کے پیر افضل قادری کے کارکن بے پناہ ہجوم کو کنٹرول کرنے کی کوشش میں ہیں، مگر سمندروں کے آگے بند باندھنے والی بات ہے، سب خدائی نظام ہے، جیسے اللہ کو منظور ہے ویسے ہوتا جا رہا ہے۔

''عامر چیمہ کی نماز جنازہ کے موقع پر عوام کا جوش و خروش بے مثال تھا، ایک دنیا امڈی چلی آ رہی تھی۔ عامر چیمہ کے والد محترم پروفیسر نذیر چیمہ کو لوگ مبارکباد دے رہے تھے اور ان کے ہاتھ اور ماتھا چوم رہے تھے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس نئی صدی میں یہ پاکستان کا سب سے بڑا جنازہ تھا''۔ (ہفت روزہ غزوہ، اداریہ، 19 تا 25 جولائی 2006ء)

عامر کے ساتھ لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ارشاد احمد راشد کے بقول:

''ہر شخص چاہتا تھا کہ جنازے کو کندھا دے۔ اگر کندھا نہیں دے سکتا تو کم از کم چھو ہی لے۔ جب چھونا بھی ممکن نہ رہا تو کچھ لوگ اس کوشش میں لگ گئے کہ اپنی چادر یا کپڑا تابوت کے ساتھ مَس کر کے اسے ہی چوم لیا جائے۔ ایک طرف وارفتگی کی یہ کیفیت تھی تو دوسری طرف عقیدت کے یہ مناظر بھی تھے کہ ہر شخص شہید کے والد سے بغل گیر ہونے اور ان کے ہاتھوں یا کپڑوں کو بوسہ دینے کی جستجو میں تھا مگر ہوا یہ کہ محبت اور عقیدت کے ان جذبات نے پروفیسر نذیر کو نڈھال کر دیا۔ بڑی مشکل سے انھیں لوگوں کے ہجوم سے نکال کر ایمبولینس میں سوار کرایا گیا۔ اب ہر شخص پوچھ رہا تھا کہ شہید کے والد کہاں ہیں۔ جب لوگوں کو شہید کے والد نظر نہ آئے تو پھر وہ شہید کے کسی دوسرے قریبی یا دور کے رشتے دار کو گھیر لیتے اور پھر معانقوں اور بوسوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا''۔

(ماہنامہ مجلہ الدعوۃ، ص 13، جون 2006ء)

اس بے پناہ رش اور قیامت خیز گرمی کے باعث ڈیلی ٹائمز کی اطلاع کے مطابق سینکڑوں لوگ بے ہوش اور بتیس زخمی ہو گئے۔ (www.daily times.com.pk 15.05.2006) بے ہوش ہونے والوں کو ایمبولینسوں کے ذریعے ہسپتال پہنچانے کا کام بھی جاری رہا۔ جنازے والی ایمبولینس کو سب سے پہلے عامر چیمہ شہیدؒ کے آبائی گھر لے جایا گیا جہاں شہید کی والدہ اور رشتہ دار خواتین کے علاوہ بھی بہت سی مستورات نے شہید کا آخری دیدار کیا۔ اس موقع پر بڑے جذباتی مناظر دیکھنے میں آئے۔ پھر یہاں سے شہید کے تابوت کو ایمبولینس ہی میں جنازہ والی جگہ پر لایا گیا۔ جنازہ گاہ کے طور پر قریباً 10 ایکٹر جگہ بطور خاص تیار کی گئی تھی۔ لکڑی کے مضبوط تختوں اور رسّوں کی مدد سے ایک اسٹیج بھی تیار کی گئی تھی۔ اس اسٹیج سے مختلف علمائے کرام نے تقاریر بھی کیں، تقاریر کے دوران میں رقّت آمیز مناظر بھی دیکھنے میں آئے۔ جونہی شہید کے تابوت والی ایمبولینس اس اسٹیج تک آنے لگی، سب نظام درہم برہم ہو گیا۔ اسٹیج کے تختے ٹوٹ گئے، لوہے کے گارڈر مڑ گئے، لاؤڈ سپیکر کیا کام کرتے۔ کہاں کی تقریر، کہاں کا نظم و نسق، یہ عاشقِ رسولِ مقبول کا جنازہ ہے، اس کی دھوم دھام، اس کی شان و شوکت اپنی ہے، اس کے سامنے باقی پروٹوکول دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں۔

ارشاد احمد راشد کے لفظوں میں:

''......کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ ان کا جنازہ اس شان سے اٹھتا ہے کہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ مخلوقِ خدا ورطۂ حیرت میں پڑ جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جنازہ نہیں بلکہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز کوئی فاتح عالم ہے یا کوئی فرماں روائے وقت ہے کہ دنیا اس کے استقبال کے لیے دیوانہ وار امڈ پڑی ہے۔

عامر چیمہ شہید کا جنازہ بھی ایک ایسا ہی جنازہ تھا کہ جس نے حکمرانوں، بادشاہوں، تجوریوں، جاگیروں کے مالکوں اور سینے پر درجنوں تمغے سجانے والے سپہ سالاروں کے جنازوں کو مات کر دیا۔ عامر شہید کا جنازہ ایک تاجدارِ بے تاج اور کج کلاہِ بے کلاہ کا جنازہ تھا''۔ (ماہنامہ مجلہ الدعوۃ، ص 8، جون 2006ء)

جب ایمبولینس وہاں پہنچی جہاں تابوت رکھا جانا مقصود تھا، وہاں بھی لوگ ہی لوگ

تھے۔ اگرچہ اس جگہ کو مضبوط رسّیوں کے ذریعے احاطہ بنا کر محفوظ رکھا گیا تھا' لیکن رسیاں رَسّے یہاں کیا کرتے' سب کچھ ہٹ چکا تھا اور لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا' اور

''جب تابوت کو ایمبولینس سے نکالا گیا تو تابوت کو زمین پر رکھنے کی جگہ نہ تھی چنانچہ پون گھنٹہ تک تابوت لوگوں کے ہاتھوں فضا میں معلق رہا۔ بڑی مشکل سے تابوت کے لیے جگہ بنائی گئی''۔ (ماہنامہ مجلّہ الدعوہ ص 13' جون 2006ء)

یہ دن کے ایک اور ڈیڑھ بجے کے درمیان کا وقت تھا۔ جنازے کا اعلان چار بجے بعد دوپہر کا تھا' لیکن حکام نے حکم دیا کہ جنازہ جلدی پڑھا دیا جائے۔ روزنامہ پاکستان نے اپنے اداریے میں لکھا: ''ساروکی میں تدفین کے لیے بھی پولیس نے دباؤ ڈالا کہ فوری طور پر جنازہ پڑھایا جائے' آخر کڑی دھوپ میں جنازہ پڑھنے پر اصرار کیوں کیا گیا''۔

(پاکستان 15 مئی 2006ء)

بقول عرفان صدیقی:

''نمازِ جنازہ کے وقت کے بارے میں زبردست کنفیوژن پھیلا دیا گیا۔ اخبارات' ٹی وی چینلز' اشتہارات' ذاتی رابطے سب الگ الگ کہانی سنا رہے تھے۔ والدین نے آخری خواہش کے طور پر چاہا کہ نمازِ جنازہ چار بجے شام ادا کی جائے لیکن اہلِ سرکار کو یہ بھی قبول نہ تھا''۔ (روزنامہ نوائے وقت' نقشِ خیال' 14 مئی 2006ء)

نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت ایک اور دقّت سامنے آئی کہ جنازہ کون پڑھائے؟ بقول حبیب اللہ چشتی:

''ایک اور بڑی دردناک بات سامنے آئی کہ مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے لوگ شہید کو اپنا ہم مسلک ثابت کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ نمازِ جنازہ پڑھانے میں بھی تکرار تک نوبت پہنچی لیکن جب شہید کے والد نے محسوس کیا کہ نمازِ جنازہ پڑھانے کے مسئلہ پر علماء میں تلخی بڑھ رہی ہے تو شہید کے والد پروفیسر نذیر احمد چیمہ نے اعلان کیا کہ میرا بیٹا اور ہمارا پورا خاندان ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کا نعرہ لگانے والے اہل سنت و جماعت ہیں۔ اس لیے جنازہ بھی ''یارسول اللہؐ'' کا نعرہ لگانے والے اہل سنت و جماعت ہی پڑھائیں گے''۔ (ماہنامہ ضیائے حرم' ص 85' جون 2006ء' نیز روزنامہ انصاف 14 مئی 2006ء نیز www.paktribune.com)

واہ رے فرقہ بندی!! تو نے شہید کی جائے جنازہ کو بھی نہ بخشا۔ حالانکہ عشقِ مصطفیٰؐ ایمان کا بنیادی وکلیدی خاصہ ہے' یہاں تو علما کو جھگڑنا چاہیے ہی نہیں تھا۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ پروفیسر نذیر احمد چیمہ صاحب کی وضاحت کے بعد یہ جھگڑا ختم ہوا اور پروفیسر نذیر چیمہ کی درخواست پر ہی اُن کے عزیزوں کے پیرومرشد حضرت سرفراز احمد محمدی سیفی (ریٹائرڈ کرنل آرمی میڈیکل کور) نے نمازِ ظہر سے قبل قریباً 1:45 پونے دو بجے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد ہر شخص کی خواہش تھی کہ اُسے شہید کے چہرے کی زیارت کا شرف ملے لیکن لاکھوں کے مجمع میں ایسا آسان نہ تھا' لہٰذا تابوت کو پھر ایک بار اُٹھایا گیا۔ اب تابوت ایمبولینس میں نہیں بلکہ لوگوں کے ہاتھوں پر تھا۔ کندھا دینا تو بڑی بات ہے جس کا ذرا سا ہاتھ بھی لگ جاتا تھا وہ بھی خود کو خوش قسمت سمجھتا تھا۔ بقول ارشاد احمد راشد:

''ہر شخص چاہتا تھا کہ جنازے کو کندھا دے۔ اگر کندھا نہیں دے سکتا تو کم از کم چھو ہی لے۔ جب چھونا بھی ممکن نہ رہا تو کچھ لوگ اس کوشش میں لگ گئے کہ اپنی چادر یا کپڑا تابوت کے ساتھ مس کر کے اسے ہی چوم لیا جائے۔ ایک طرف وارفتگی کی یہ کیفیت تھی تو دوسری طرف عقیدت کے یہ مناظر بھی تھے کہ ہر شخص شہید کے والد سے بغل گیر ہونے اور ان کے ہاتھوں یا کپڑوں کو بوسہ دینے کی جستجو میں تھا مگر ہوا یہ کہ محبت اور عقیدت کے ان جذبات نے پروفیسر نذیر کو نڈھال کر دیا۔ بڑی مشکل سے انھیں لوگوں کے ہجوم سے نکال کر ایمبولینس میں سوار کرایا گیا۔ اب ہر شخص پوچھ رہا تھا کہ شہید کے والد کہاں ہیں۔ جب لوگوں کو شہید کے والد نظر نہ آئے تو پھر وہ شہید کے کسی دوسرے قریبی یا دور کے رشتے دار کو گھیر لیتے اور پھر معانقوں اور بوسوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا۔ (پروفیسر نذیر چیمہ جس ایمبولینس میں سوار تھے اُس کے لیے) ہوٹر چلا چلا کر راستہ بنایا گیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہوٹر کی آواز بے اثر اور ایمبولینس بے بس ہو گئی۔ وہاں جماعۃ الدعوۃ کے ساتھیوں نے کمانڈو ایکشن کر کے ایمبولینس سے لے کر قبر تک انسانی جسموں کی ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی۔ یوں باپ کے لیے بیٹے کے چہرے کی آخری زیارت ممکن ہو سکی''۔

(ماہنامہ مجلّہ الدعوۃ' ص 14' جون 2006ء)

مندرجہ بالا اقتباس سے جنازے کے شرکا کی تعداد، رش، جوش اور جذبے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تدفین کے وقت بھی لوگوں کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ قبر کی سلیں پکڑاتے ہوئے کچھ سلیں ٹوٹ گئیں چنانچہ وزیر آباد سے نئی سلیں منگوانی پڑیں، جس کے باعث تدفین کم از کم پون گھنٹہ کی تاخیر کا شکار ہوئی۔ مٹی دیتے وقت بھی ہر شخص کی خواہش تھی کہ اُسے ایک دو اوک ڈالنے کی سعادت حاصل ہو جائے۔ قبر کی تیاری کے بعد گل پاشی کی گئی اور حضرت پیر افضل قادری نے پرسوز دعا کرائی۔ دعا کے بعد دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔ اگر دو آدمی جارہے تھے تو چار آ بھی رہے تھے۔ جنازے کے وقت کی تبدیلی کے باعث بہت سے لوگ جنازے میں شرکت سے رہ گئے، کچھ کو تو تدفین میں شرکت کا موقع بھی نہ مل سکا لیکن عامر چیمہ کے محبت رات گئے تک مزار پر آتے رہے۔

یہی جنازہ اگر والدین کی خواہش کے مطابق راولپنڈی میں ہوتا تو لوگ یقیناً اور بھی زیادہ ہوتے، پھر بھی اخباری اطلاعات کے مطابق دو لاکھ سے پانچ لاکھ تک مسلمانوں نے جنازے میں شرکت کی۔ ساروکی چیمہ کی تاریخ میں اس سے بڑا جنازہ کبھی نہیں ہوا، لیکن حیرت ہے کہ ایک صوبائی ترجمان نے شرکائے جنازہ کی تعداد محض بیس ہزار بتائی، جو کسی طرح درست نہیں۔ دراصل عامر شہیدؒ کا جنازہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا بلکہ حکومت کے علاوہ بھی عالمی نظروں کا مرکز بنا ہوا تھا، مولانا امیر حمزہ کا بیان ہے:

''دنیا بھر کے حکمرانوں نے اسلام آباد میں اپنے اپنے سفیروں کو احکامات جاری کر رکھے تھے کہ جنازے کی تفصیلات کو لمحہ بہ لمحہ مرتب کر کے ان کے ملکوں میں بھیجا جائے۔ سب سے زیادہ سرگرم جرمنی کا سفارت خانہ تھا۔ اس کے بعد امریکہ، برطانیہ اور پھر یورپ و آسٹریلیا وغیرہ''۔ (www.millat.com)

چونکہ عامر چیمہ کے والدین اُسے راولپنڈی میں دفن کرنا چاہتے تھے، جس کی اجازت نہ مل سکی لہٰذا اُنھوں نے اُسے امانتاً دفن کر دیا۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو غازی عامر شہیدؒ کا مقدس جسم کبھی راولپنڈی میں بھی آسودۂ خاک ہوگا، لیکن کب؟ یہ مسبب الاسباب جل شانہٗ ہی جانتا ہے۔

عامر چیمہ شہیدؒ کی نمازِ جنازہ اور تدفین کے حوالے سے روزنامہ نوائے وقت کا اداریہ معلومات کی فراہمی، جامعیت اور حق گوئی و بیباکی کے باعث قابلِ مطالعہ ہی نہیں لائقِ غور بھی ہے:

''عامر شہید کی نمازِ جنازہ اور تدفین میں حکومتی رکاوٹیں

جرمنی میں پولیس کی حراست میں شہید ہونے والے عاشقِ رسول پاکستانی نوجوان عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کو گزشتہ روز وزیر آباد کے قریب آبائی گاؤں ساروکی میں سپردِ خاک کر دیا گیا، ان کی نمازِ جنازہ میں محتاط اندازے کے مطابق دو لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی جبکہ نمازِ جنازہ کے بعد بھی ہزاروں لوگ پہنچے اور انہوں نے شہید کی تربت پر فاتحہ خوانی کی۔ شہید کا جسد خاکی لحد میں اُترا تو فضا نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت سے گونج اُٹھی، لوگ فرط عقیدت سے شہید کے والد کو چومتے رہے۔

جرمنی میں عامر عبدالرحمٰن چیمہ کی پولیس کی زیرِ حراست، شہادت اس امر کا ثبوت ہے کہ انسانی حقوق کے علمبردار یورپ میں بھی پولیس کا اندازِ تفتیش سراسر غیر انسانی اور ظالمانہ ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق عامر چیمہ پر دباؤ ڈالا جاتا رہا کہ وہ اپنے آپ کو ذہنی مریض تسلیم کر لے تاکہ دنیا کو یہ تاثر دیا جاسکے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک ذہنی مریض کا نجی فعل ہے لیکن عامر چیمہ نے پولیس کا دباؤ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ اطلاعات بھی منظر عام پر آچکی ہیں کہ عامر چیمہ چاقو لے کر جرمن اخبار ایکسل سپر نگر کے ایڈیٹر پر حملہ کرنے نہیں گیا بلکہ اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ آئندہ ایسے توہین آمیز خاکے شائع کرنے سے باز رہے مگر اس کے احتجاج کو قاتلانہ حملے کا رنگ دے کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

دورانِ تفتیش جب ایک جرمن پولیس اہلکار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرامؑ کے بارے میں گستاخانہ اندازِ گفتگو اختیار کیا تو اخباری رپورٹوں کے مطابق عامر چیمہ شہید نے اُس کے منہ پر تھوک دیا، جس سے مشتعل ہو کر جرمن اہلکاروں نے شہید کو حیوانی انداز میں تشدد کا نشانہ بنا کر بے ہوش کر دیا اور جسم کے کسی نازک حصے پر چوٹ لگنے سے ان کی سانسیں اکھڑ گئیں۔ توقع ہے کہ ان سطور کی اشاعت تک تحقیقاتی رپورٹ منظر عام پر آچکی ہوگی اور اگر یہ رپورٹ دیانتداری سے مرتب کی گئی ہے تو عامۃ الناس کو صحیح صورتحال کا علم ہو جائے گا۔

عامر چیمہ شہید نے اپنی جان دے کر دنیا کو یہ باور تو کرا دیا ہے کہ ہر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کے حوالے سے انتہائی حساس ہے اور مولانا ظفر علی خانؒ

کے بقول یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ "طیبہ" کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان، مال، اولاد اور ماں باپ سے زیادہ عزیز جان کر ہی اپنے ایمان کا تحفظ کر سکتا ہے اور ان میں سے کسی ایک یا سب کی قربانی دے کر خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو ہونے کی آرزو رکھتا ہے۔ شہید کے والدین اور بہنوں کی طرح اہل پاکستان بھی اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ ماضی کی طرح اب بھی حرمت رسولؐ پر کٹ مرنے والے شخص کا تعلق ان کی دھرتی سے ہے اور یہ ثابت ہوگیا ہے کہ پاکستان کا قیام جس نعرے پر عمل میں آیا تھا، اُسے عملی شکل دینے کی خواہش آج بھی ہر پاکستانی مسلمان کے رگ و ریشہ میں مچل رہی ہے۔

عامر چیمہ شہیدؒ کے ساتھ ہٹلر کی اولاد نے تو جو سلوک کیا سو کیا، وہ اپنی جگہ افسوسناک اور صرف جرمنی ہی نہیں پورے یورپ کے منہ پر کلنک کا ٹیکہ ہے مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ حکومتِ پاکستان نے بھی اس ضمن میں اپنی آئینی، قانونی، مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ادا کرنے سے گریز کیا ہے۔ عامر شہید کی گرفتاری کے بعد حکومت پاکستان اور جرمنی میں پاکستانی سفارتخانے نے یہ زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ وہ اپنے ایک شہری کی گرفتاری کی وجوہات معلوم کرنے کے علاوہ ایک قیدی کے طور پر اس کے حقوق کے تحفظ کا اہتمام کرتی۔ اصولاً حکومت اسے اپنی تحویل میں لے کر تفتیش کر سکتی تھی، شہادت کے بعد بھی حکومت نے جرمن سفیر کو دفتر خارجہ میں اس وقت طلب کیا جب پورے ملک کو احتجاج کی لہر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جب جرمن حکومت نے اسے خودکشی کا رنگ دینے کی کوشش کی تو حکومت پاکستان نے بھی لواحقین کو یہی اطلاع دے کر ان کے زخموں پر نمک پاشی کی۔ میت کی آمد پر والدین اور دیگر لواحقین کا یہ قانونی اور شرعی حق تھا کہ وہ اپنی مرضی سے تدفین کرتے مگر حکومت پاکستان نے معلوم نہیں کسے خوش کرنے کے لیے میت کو اپنی تحویل میں لے کر ساروکی میں تدفین کا فیصلہ کیا حالانکہ جب شہید کے ورثا راولپنڈی میں نماز جنازہ اور تدفین کا فیصلہ کر چکے تھے تو انھیں روکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اگر ناموسِ رسالتؐ پر اپنی جان قربان کرنے والے ایک نوجوان کا راولپنڈی یا لاہور

میں جنازہ ہوتا اور لاکھوں مسلمان اس میں شریک ہو کر خراجِ عقیدت پیش کرتے تو اس سے حکومت کو کوئی خطرہ نہیں تھا، اس سے پوری دنیا کو پاکستانی قوم کے ناموسِ رسالتؐ کے حوالے سے جذبات کا پتہ چلتا اور او آئی سی جنرل اسمبلی کے ذریعے مقدس شخصیات کی حرمت و ناموس کے حوالے سے جو قرارداد منظور کرانے کی کوشش کر رہی ہے انھیں تقویت ملتی، مگر حکومت نے نہ صرف زبردستی ساروکی میں نماز جنازہ اور تدفین کی کوشش کی بلکہ نمازِ جنازہ کا وقت تبدیل کر کے لاکھوں عاشقانِ رسولؐ کو نمازِ جنازہ میں شرکت کے ثواب سے محروم کر دیا، جس کا گناہ اس کی گردن پر ہے۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ حکومت نے شہید کے تابوت، نماز جنازہ اور تدفین کو ہائی جیک کیوں کیا جبکہ ایک طرف حکومتی عہدیداروں نے شہید کے والد کے پاس جا کر تعزیت بھی کی اور جرمن سفیر کو دفتر خارجہ طلب کر کے معلومات بھی حاصل کیں۔

عامر چیمہ تو غازی علم الدین شہیدؒ اور غازی عبدالقیوم شہیدؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے خدا کے حضور پیش ہوگیا ہے لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت نے اس موقع پر ناقابل فہم انداز کار سے عوام کے دل چھلنی کر دیئے ہیں۔ ایک طرف میت کی وزیر اعلیٰ کے ہیلی کاپٹر میں روانگی اور کور کمانڈر گوجرانوالہ سمیت اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کی طرف سے وصولی اور دوسری طرف لاہور ائرپورٹ پر میت سے عوام کو دور رکھنے، پنڈی میں نمازِ جنازہ سے انکار اور ساروکی میں قبل از وقت نمازِ جنازہ اور نماز جنازہ میں کسی بڑی سرکاری شخصیت کی عدم شرکت؟ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے!

یہی وجہ ہے کہ عوام کے ساتھ مرحوم کی بہنوں اور دیگر لواحقین کی طرف سے زبردست احتجاج جاری ہے۔ شہید کے جنازے اور میت کے اِستقبال سے عوام کی ایک بڑی تعداد کو روکنے کی حکمت عملی سے حکومت کو کیا حاصل ہوا، اس کے بارے میں اربابِ اقتدار ہی بہتر جانتے ہیں۔ شاید لاکھوں افراد کے اجتماع سے ''روشن خیالی'' کے پروپیگنڈے کو ضعف پہنچتا اور مسلمانوں کے دل و دماغ سے دین و ایمان کے علاوہ عشق مصطفیٰ ﷺ کی آخری رمق ختم کرنے کے کروسیڈی ایجنڈے میں رکاوٹ پڑنے کا اندیشہ تھا۔

عامر شہید کے جنازے میں دو لاکھ سے زائد افراد نے شریک ہو کر پوری پاکستانی قوم اور اُمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا لیکن صرف پاکستان ہی نہیں دیگر مسلم ممالک کے مقتدر

طبقے نے پُر زور احتجاج نہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ امریکہ اور یورپ کے دست نگر ہیں اور انھیں اپنے ملک کے عوام کے جذبات واحساسات اور عقائد ونظریات سے کوئی سروکار نہیں لیکن اس طرح نہ تو عامر چیمہؒ اور اس کے جرأت مندانہ کردار کو اُمّہ کے ذہنوں سے محو کیا جا سکتا ہے اور نہ عوام کے جذبات واحساسات کو سرد کرنے میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ گزشتہ روز چودھری شجاعت حسین نے دعویٰ کیا کہ ان کی مسلم لیگ سرکاری جماعت نہیں بلکہ انہوں نے حکومت کے کئی فیصلے تبدیل کرائے۔ کاش وہ وفاقی اور صوبائی حکومت کا یہ فیصلہ بھی تبدیل کراتے اور اپنے پڑوسی شہید کے لواحقین کے علاوہ پندرہ کروڑ پاکستانی عوام کی خواہشات کا احترام کرنے پر مجبور کرتے' اس طرح حکومت اور وہ خود اپنے خدا اور رسولؐ کے سامنے روزِ قیامت اور عوام کے سامنے آج اِس وقت سرخرو ہوتے مگر موجودہ روشن خیال حکومت کو شاید اس کی ضرورت نہیں۔ وہ شاید نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے' اندھیر نہیں اور جزا کے ساتھ سزا بھی ہے''۔ (اداریہ روزنامہ نوائے وقت' لاہور' 15 مئی 2006ء)

(نمازِ جنازہ کے سلسلے میں واضح رہے کہ بعض رسائل وجرائد نے یہ رپورٹ لکھی ہے کہ مختلف علما کی طرف سے نمازِ جنازہ پڑھانے کی کوشش کے پیشِ نظر پروفیسر نذیر چیمہ صاحب نے ہر قسم کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے پہلے نمازِ جنازہ خود پڑھائی' پھر کرنل صاحب نے' حالانکہ یہ درست نہیں۔ عامر چیمہ شہید کی نمازِ جنازہ ایک ہی ہوئی جو کرنل سرفراز صاحب نے پڑھائی۔ تدفین کے بعد دوسری نمازِ جنازہ (غائبانہ) مولانا امیر حمزہ نے پڑھائی۔ یہ بات خصوصی طور پر پروفیسر نذیر چیمہ صاحب نے راقم کو بتائی۔)

سفرِ عشق

12 مئی کی شب راقم الحروف نے شاہد حسن صاحب (پروپرائیٹر: اے ایم ہیئر کٹنگ' علی ہاؤسنگ کالونی' فیصل آباد) کے ہاں ایک ٹی وی چینل پر یہ خبر سنی کہ کل چار بجے ساروکی میں عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ خبر سنتے ہی راقم نے شاہد حسن صاحب کے ساتھ طے کر لیا کہ ان شاء اللہ صبح ساروکی جانا ہے اور جنازے میں شرکت کرنا ہے۔

گھر آ کر بتایا تو بڑا بیٹا محمد اجمل اِفضال بھی تیار ہو گیا۔ مجھے 9 مئی کی وہ رات بھی یاد آئی جب اسی دکان پر ٹی وی نے یہ خبر دی تھی کہ صبح 10 مئی کو عامر شہید کی نمازِ جنازہ ساروکی میں ہو گی۔ تب صبح 10 بجے راقم اپنے دوستوں رانا کاشف شکیل اور شیخ آصف جاوید کے

ساتھ بذریعہ ٹرین وزیر آباد پہنچا۔ راستے میں مَیں نے غازی علم الدین شہیدؒ کا ذکر شروع کر دیا۔ میں نے بتایا کہ شہادت کی رات غازی علم الدینؒ اپنی کال کوٹھڑی میں تلاوت کر رہے تھے۔ وارڈن دروازے کے باہر پہرہ دے رہا تھا۔ اتنے میں تلوار کی شکل کی ایک تیز روشنی غازی علم الدینؒ کے سیل میں داخل ہوئی اور اندھیرا چھا گیا' کچھ دیر بعد روشنی ہوئی تو سیل میں غازی علم الدینؒ موجود نہیں تھے۔ وارڈن بہت پریشان ہوا کہ میں حکومت کو کیا جواب دوں گا کہ غازیؒ کہاں ہے' حالانکہ باہر تالا لگا ہوا ہے' تھوڑی دیر بعد وہی تلواری روشنی پھر سیل میں داخل ہوئی۔ اندھیرا ہوا اور کچھ لمحے بعد پھر روشنی ہو گئی تو وارڈن نے دیکھا کہ غازی علم الدینؒ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ اب اُس نے غازی علم الدینؒ سے بہت منت سماجت کے بعد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا واسطہ دے کر پوچھا کہ غازی صاحب آپ کیسے اور کہاں غائب ہو گئے تھے۔ غازی علم الدینؒ نے وارڈن کو بتایا کہ دراصل حضرت مولائے کائنات شیرِ خدا علی المرتضےٰ علیہ السلام تشریف لائے تھے' وہ مجھے پکڑ کر ایک بہت بڑی محفل میں لے گئے۔ تمام صحابہ اور بڑے بڑے بزرگ حاضر تھے' حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک بڑے سے منبر پر جلوہ افروز تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ علم الدین ہمیں تیری قربانی اچھی لگی۔ تیری محبت تیرا جذبہ قبول ہوا۔ اب تجھے اس لیے بلایا ہے کہ اگر تو چاہے تو صبح تیری پھانسی کی سزا ختم ہو جائے اور جتنے سال تو کہے' اتنی تیری عمر بڑھا دی جائے یا اگر تو چاہے تو شہادت کا جام پی کر میری اس مجلس میں چلا آ۔ اس پر غازی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے جو کچھ کیا' وہ صرف آپ کی مَحبّت میں کیا۔ میں نے تو صرف آپ کا نام مبارک ہی سن رکھا تھا' آپ کی زیارت کا شرف تو نہ ملا تھا۔ اب جب کہ آپ کی زیارت سے نواز ا گیا ہوں تو اتنے پیارے چہرے' اتنے عظیم آقا ﷺ سے جدائی میں کیسے زندہ رہ سکوں گا۔ حضور! میں آپ کے پاس اس محفل میں ہی رہنا چاہتا ہوں' اس پر سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اچھا' جاؤ اور صبح شہادت کے مرتبے پر فائز ہو کر میری اسی محفل میں آ جاؤ۔ اس واقعے نے دوستوں پر بہت اثر کیا' ہماری آنکھیں بھیگ گئیں۔ میں نے بتایا کہ جب مولانا سید دیدار علیؒ نے غازی علم الدین شہیدؒ کا جنازہ پڑھایا تو اس کے بعد شہید کی زیارت کی اجازت ہوئی۔ لوگ غازی کے چہرے کی زیارت کر رہے تھے لیکن ایک شخص اپنے اوپر ایک چادر

لیے شہید کے پاؤں کی طرف بیٹھا تھا اور شہید کے پاؤں کو اپنے لبوں سے چوم رہا تھا۔ لوگ حیران ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ غازی علم الدین شہیدؒ کے بابرکت پاؤں چومنے والی برصغیر کی عظیم روحانی شخصیت حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوریؒ کی تھی۔ اس واقعے سے بھی ہماری محبت بڑھی اور ہم سب دوستوں نے دعا کی: اللہ کرے ہمیں غازی عامر شہیدؒ کے پاؤں مبارک کے بوسے کا شرف مل جائے۔ انھی خیالوں میں غلطاں وزیر آباد پہنچے۔ سٹیشن سے باہر آ کر ویگنوں کے اڈے تک بذریعہ چنگ چی رکشہ گئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ عامر شہیدؒ کی لاش ابھی پاکستان ہی نہیں آئی چہ جائیکہ وزیر آباد۔ سخت پریشانی ہوئی لیکن ہم نے فوراً کہا: واپسی سے بہتر ہے کہ اُس عظیم ہستی کے مزار کی پائنتی کا بوسہ لیا جائے، جس نے غازی علم الدینؒ کے پاؤں کا بوسہ لیا تھا۔ چنانچہ ہم براستہ سیالکوٹ علی پور سیداں پہنچے۔ آج پیر جماعت علی شاہؒ کا عرس مبارک بھی تھا۔ ان کے مزار کے پاؤں کا بوسہ لیا اور بہت فرحت وطمانیت پائی۔

13 کی رات یہی واقعات یاد آتے رہے، صبح اُٹھ کر نماز پڑھی تو ایکسپریس اخبار آ گیا، یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جنازے کا وقت ساڑھے گیارہ لکھا ہے۔ شاہد حسن کا پیغام بھی آ گیا کہ جلد آئیں۔ جب ہم اکٹھے ہوئے تو قریباً 9 بجے کا وقت ہو رہا تھا۔ ہمارے پاس وقت بہت کم تھا۔ شاہد حسن صاحب نے اپنے ذرائع سے ایک کار والے سے بات کی۔ اُس نے ذمہ لیا کہ وہ ہمیں 11:30 سے پہلے وہاں پہنچا دے گا۔ لیکن موٹروے کے ذریعے شیخوپورہ آنے کے باوجود ہم بروقت نہ پہنچ سکے۔ وزیر آباد آئے تو قریباً دن کے ایک بجے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ سوچا جنازہ تو ہو گیا ہو گا۔ کار سے باہر نکل کر دیکھا، ہر طرف عامر شہیدؒ کی عظمت کے بینر لگے تھے۔ عامر ہم تیری عظمت کو سلام کہتے ہیں، عامر تو اسلام کا مان ہے، اللہ اکبر، عامر چیمہ زندہ باد۔ عامر، ساروکی بستی تیرے استقبال کے لیے بے تاب ہے، شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے، عامر تو نے غازی علم دین کی یاد تازہ کر دی وغیرہ وغیرہ۔ ایک دو آدمیوں سے جنازے کا پوچھا کسی کو کچھ پتا نہ تھا، کسی نے کہا: جنازہ تو ہو گیا ہے، کسی نے کہا: ابھی نہیں۔ یاس وبیم میں ڈرائیور سے درخواست کی کہ گاڑی ذرا تیز چلائے، لیکن ایسا ممکن نہ تھا کیونکہ عاشقانِ مصطفےٰ ٹرالیوں، کاروں، رکشاؤں، موٹر سائیکلوں وغیرہ پر اُدھر ہی جا رہے تھے۔ سڑک پر بہت رش تھا۔ ابھی ہم ساروکی سے دُور تھے کہ کاریں

پارک کی ہوئی نظر آئیں۔ ہمارا ایک مسئلہ وضو کرنا بھی تھا۔ گاؤں سے پہلے ایک نلکا نظر آیا۔ جس کے قریب کار کھڑی کر کے ہم وضو کرنے لگے۔ چونکہ جنازے میں شرکت کی جلدی تھی، اس لیے ہم نے کار کو وہیں چھوڑا اور تیز چلنے لگے۔ کوئی فرلانگ بھر آگے گئے تو کسی نے بتایا کہ یہاں سے تو جائے جنازہ بہت دور ہے۔ فیصلہ ہوا کہ شاہد حسن صاحب واپس جا کر کار لے آئیں اور ہم پیدل جنازہ گاہ کی طرف دوڑیں۔ ہم کوئی 10 منٹ تک تیز تیز چلتے رہے کہ وہ جگہ آ گئی جہاں ایک ٹینٹ کی چھاؤں میں شہیدؒ کی قبر تیار کی جا رہی تھی۔ یہاں کسی نے بتایا کہ وہ سامنے دور جو ہجوم نظر آ رہا ہے، وہاں چلے جاؤ۔ کھیتوں میں گندم کی کٹائی ہو چکی تھی، لہٰذا زمین سخت ناہموار تھی۔ ہم کھالے، گڑھے پھلانگتے بھاگ رہے تھے کہ ایک ذرا اونچی جگہ نظر آئی۔ یہاں سے ہم نے دیکھا کہ انسانوں کا ایک سمندر ہے۔ تاحدِ نگاہ آدمی ہی آدمی ہیں۔ عُشّاقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گروہ در گروہ چلے آ رہے ہیں۔ ہر طرف سر ہی سر دکھائی دے رہے ہیں۔ کسی نے کہا: ابھی دُور ہے، بھاگو، ہم اور تیز ہوئے لیکن ابھی جنازے کی آخری صفیں ہم سے کوئی پانچ منٹ کے فاصلے پر ہوں گی کہ نمازِ جنازہ ختم بھی ہو گئی۔ لوگ واپس آنے لگے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی بڑی حسرت سے لوگوں سے پوچھتے کہ کیا جنازہ پڑھا گیا، جواب ملتا: ہاں۔ ہم اپنی دانست میں جنازے کی طرف بڑھتے رہے کہ چلو شہید کا آخری دیدار ہی ہو جائے۔ لیکن جب ہم قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک نیم سیاہ رنگ کا تابوت لوگوں نے اُٹھایا ہوا ہے۔ لاکھوں کا مجمع ہے، کندھے دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تابوت گویا انگلیوں پر اُٹھا ہوا ہے۔ ہر آدمی تابوت کو چھو لینے کے لیے بے تاب ہے، دیوانہ وار تابوت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جنازہ کسی ترتیب کے بغیر گویا ہوا میں اِدھر اُدھر لہراتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ کبھی دائیں، کبھی بائیں، کبھی سیدھے۔ رفتار تیز ہے۔ کسی کو کسی شے کا ہوش نہیں۔ گھڑیاں، جوتیاں، ٹوپیاں، صافے نیچے گر رہے ہیں۔ کسی کو اُٹھانے کی ہوش ہے نہ اتنے رش میں جھک کر اُٹھایا جا سکتا ہے۔ میں نے یوں محسوس کیا کہ تابوت کے گرد آدمیوں کا اتنا بڑا ہجوم ہے گویا شہد کی بے شمار دُرود پڑھتی مکھیوں نے چھتے کو اُٹھا رکھا ہو۔ تابوت کی چوڑائی کم تھی۔ تابوت نیچے سے اوپر کی طرف سیدھا نہیں بنا تھا بلکہ درمیان سے باہر کو نکلا ہوا تھا۔ کسی کا ایک ہاتھ لگا ہے، کسی کے دو، کسی کا سر تابوت کے نیچے ہے، کوئی جنازے کی طرف بڑھ رہا ہے، کوئی تابوت کو ہاتھ لگا کر باہر نکل رہا ہے۔ کسی پر کسی

کا کچھ زور نہیں، کسی کی کمانڈ نہیں۔ بس خدائی انتظام ہے۔ شہید کا جنازہ اس شان سے جھومتا، لہراتا، خوشبوئیں بکھیرتا قبر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کہ راقم الحروف کو حجرِ اسود کے گرد بوسہ لینے والوں کا ہجوم یاد آ گیا۔ سبحان اللہ! میں نے سوچا یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک جانثار کی شان ہے کہ ہر آدمی اُس کے تابوت کو ہاتھ لگانا، چومنا چاہتا ہے۔ تابوت تو لکڑی کا ہے، میں نے سوچا عامر شہید کی نسبت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی سے ہوئی تو یہ لکڑی عامر شہید کے جسمِ اطہر کے ساتھ مس ہونے کی وجہ سے اتنی قدر والی ہوگئی ہے۔ اتنے میں جنازہ میرے بائیں طرف کوئی تیس فُٹ کے فاصلے پر آ پہنچا۔ رش کے باعث وہاں کھڑا رہنا یا لوگوں کے ساتھ چلنا مشکل نظر آنے لگا۔ اس بدقسمتی پر میرے آنسو نکل آئے کہ نہ جنازہ نصیب ہوا، نہ تابوت مبارک کو چھو سکا۔ پھر یکا یک میں نے دل ہی دل میں کہا:

”اے عامر عبدالرحمٰن! اے اس دَور کے سب سے متبرک جسم! اے شہیدِ ناموسِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اے جانثارِ محبوبِ خدا! میں دل کا مریض ہوں، مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں آپ کے مقدس تابوت کو چھو سکوں لیکن یقیناً آپ کو اتنا اختیار ہے کہ آپ میرے پاس تشریف لا سکتے ہیں کیونکہ میرا ایمان ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہو جاتے ہیں، اللہ انھیں بے پناہ اختیار دے دیتا ہے۔“

بے اختیار میرے لبوں پر علامہ اقبال کا شعر بھی مچل گیا ؎

ہر کہ عشقِ مصطفٰے سامانِ اوست　　　بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

جناب! اب پڑھیے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور یقین کیجیے ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ عامر شہید کا تابوت بجائے سیدھا آگے جانے کے میری طرف بڑھا۔ رش میں دھکے لگتے رہے لیکن میں اپنے بیٹے اجمل کے ساتھ کھڑا رہا۔ آناً فاناً نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور عامر شہید کا تابوت میرے بالکل قریب پہنچ گیا۔ میں نے کہا: شکریہ، عامر صاحب شکریہ اور دایاں ہاتھ آگے بڑھا کے تابوت کو چھوا۔ پھر ایک بار نہیں، پتا نہیں کتنی بار۔ تابوت کو بایاں ہاتھ لگاتے شرم آئی کہ یہ طہارت کے کام بھی آتا ہے۔ میں اِسی کشمکش میں تھا کہ مجھے یوں لگا جیسے میرے مرشدِ گرامی حضرت میاں عبدالرشیدؒ قلندر شہید (پانی پتی) سرگودھا والی سرکار میرے کانوں میں فرما رہے ہوں ”اُبے لگا لے،

لگا لے، ان شاء اللہ ساری ناپاکی دور ہو جائے گی۔“ میں نے بسم اللہ پڑھ کر دونوں ہاتھ لگائے۔ اللہ کا اتنا کرم ہوا، شہید کے دائیں پاؤں کے نیچے ذرا سی جگہ تابوت کی مل گئی۔ میں نے دونوں ہاتھ ٹکا دیے اور کچھ دور تک ایسی ہی حالت میں ساتھ چلتا رہا۔ میں نے کئی مرتبہ تابوت تک منہ لا کر اُسے چومنے کی کوشش کی مگر تابوت قدِ انسانی سے بلند تھا۔ میں نے تابوت کے پاؤں کی طرف ہاتھ لگا کر عرض کیا: عامر صاحب! شکریہ، میں اس قابل تو نہ تھا، جتنا آپ نے نواز دیا ہے ایک کرم اور کر دینا، قبر میں جب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہو تو خدا کے لیے مجھ گنہگار کا عاجزانہ غلامانہ صلوٰۃ و سلام بھی عرض کر دینا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ زندہ ہیں اور ہم زندوں سے زیادہ زندہ تر ہیں۔ اسی کیفیت میں مجھے یہ شعر یاد آیا:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

پھر جنازہ چوڑی پٹی پر آ گیا، اس کے دونوں جانب گہرائی تھی۔ اب میرے لیے ساتھ چلنا مشکل ہو گیا۔ ایک ریلا آیا اور میں بائیں طرف کی ڈھلوان اتر کر دوسرے لوگوں کے ساتھ چلنے لگا۔ رش مجھے کھینچتے کھینچتے کہاں سے کہاں لے گیا۔ یہاں رش کم تھا، میں جنازے سے کافی پیچھے چلنے لگا، اتنے میں مجھے ایک باریش بزرگ نظر آیا۔ سادہ کپڑوں سے وہ کوئی دیہاتی لگتا تھا، لیکن چہرے کی نورانیت کچھ اور ہی بتا رہی تھی۔ وہ ایک طرف کھڑا تھا اور لوگ اُس کے پاس سے آگے چلے جا رہے تھے، شاید وہ سانس لینے کے لیے کچھ دیر کو رُک گیا تھا۔ جب میں اُس کے پاس سے گزرنے لگا تو اُس نے ٹھیٹھ پنجابی میں مجھے کہا:

اوئے، اَیدھر آ (ارے! ادھر آؤ)

میں قریب گیا، سلام کیا اور اُس کا نورانی چہرہ دیکھنے لگا، اُس نے کہا:

اوئے، اَج میں پُگ گیا ای (ارے، آج میں کامیاب ہو گیا ہوں)

میں نے کہا: میاں جی اوہ کیویں؟ (وہ کس طرح؟)

اُس نے کہا: میں صندوق نوں ہتھ لا لیا اے (میں نے تابوت کو ہاتھ سے چھو لیا ہے)

میں یہ سن کر آگے کو چلا، چند قدموں کے بعد مجھے یاد آیا کہ لاکھوں کے مجمع میں آخر اُس نے مجھے ہی مخاطب کیوں کیا؟ کوئی سوچ بے چین کیے دے رہی تھی، میں نے اجمل بیٹے کا ہاتھ کھینچا اور دوبارہ اُس بزرگ کی طرف چلنے لگا۔ اب چونکہ لوگ آگے جا رہے تھے اور میں ان کی مخالف سمت میں، لہٰذا کچھ دشواری ہوئی لیکن بہرحال بفضلہ تعالیٰ میں دوبارہ اُس بزرگ

کے پاس پہنچا اور عرض کیا:

میاں جی، تساں شہید دے صندوق نوں کیہڑا ہتھ لایا؟ (آپ نے شہید کے تابوت کو کونسا ہاتھ لگایا ہے) اس پر اُس نے دایاں ہاتھ میری طرف بڑھا دیا، جسے فرطِ عقیدت سے میں نے چوم لیا۔ وہ دست بوسی کا میرا انداز دیکھتا رہا، مسکراتا رہا، پھر کچھ دیر بعد کہنے لگا:

لے فیر سُن لے ہُن توں وی پگ گیا ایں (لو اب سن لو تم بھی کامیاب ہو گئے ہو)۔

میں نے سلام کیا اور آگے بڑھ گیا۔ کچھ دُور جا کر میں نے پھر پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا لیکن وہ نجانے کہاں چلا گیا تھا۔ وہ کون تھا؟ اُس نے مجھے ہی ایسا کیوں کہا؟ جب میں اُس کا ہاتھ چوم کر آنکھوں پر مَل رہا تھا تو اُس نے ہاتھ نہ کھینچا، نہ چھڑایا۔ اُس نے مجھے کیا پیام دیا ہے، میری سمجھ میں کچھ نہ آیا، اللہ کی باتیں اللہ ہی جانے۔ وہی علیم الغیب ہے، میں سوچتا رہا اور اسی تانے بانے میں جنازہ قبر کے نزدیک جا پہنچا۔

قبر کے ٹینٹ سے ذرا اِدھر ایک دوہرا ٹینٹ لگا ہوا تھا، جس کی چھاؤں میں عامر شہید کے مہمانوں کی ٹھنڈے پانی سے تواضع کی جا رہی تھی۔ آج گرمی بھی تو بے تحاشا تھی، سورج آگ برسا رہا تھا۔ گرمی کی اس شدت میں کچھ لوگ بے ہوش بھی ہوئے، کچھ مرجھا بھی گئے، کچھ گھبرائے بھی لیکن کسی کے ولولے، عشق اور جوش میں فرق نہ آیا۔ شہید کے تابوت پر گلاب کی پتیاں نچھاور کرنے والے سارو کی سکول کی چھت پر چڑھے تھے، زمین پر پتیاں ہی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ رنگ، نور اور خوشبو کی اس رم جھم میں شہید کا تابوت لبِ قبر پہنچا تو میں پانی والے ٹینٹ کے پاس ہی رُک گیا۔ خیال آیا ذرا رش کم ہو لے تو آگے بڑھوں گا کیونکہ اب بہت سے لوگ پیدل اور اپنی سواریوں پر واپس جانا شروع ہو گئے تھے۔ میں نے سبیل سے پانی پیا تو شاہد حسن صاحب بھی نظر آئے اور میرے پاس ہی آ کر کھڑے ہو گئے، کہنے لگے: سامنے عامر شہیدؒ کے ماموں جان ہیں۔ آؤ اُن سے ملتے ہیں۔ اسی اثنا میں ہمارے چوتھے ساتھی قاری ارشد صاحب بھی آ گئے۔ ہم بڑی عقیدت سے عامر شہید کے ماموں جان سے ملے۔ لوگ ان سے گلے مل مل کر شہید کے ماموں جان ہونے کی مبارک دے رہے تھے۔ وہ شہید کی عظمتوں پر تو خوش تھے لیکن غمزدہ بھی بے پناہ تھے۔ اتنے میں پتا چلا کہ عامر چیمہؒ کے تایا بشیر احمد چیمہ صاحب وہاں کھڑے ہیں۔ ہم ان سے بھی محبت سے ملے، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ وہ شہید کے متعلق بہت مفید معلومات دے رہے تھے۔ عامر شہیدؒ

کے چچا عصمت اللہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، انھوں نے بھی عامر کے حوالے سے بہت سی مفید باتیں بتائیں۔ ہمیں عامر شہیدؒ کے والدِ ماجد پروفیسر نذیر چیمہ صاحب کو دیکھنے اور ملنے کا بہت اشتیاق تھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئے۔ پتا چلا وہ جنازے کے بعد گاؤں میں اپنے عزیزوں کے ہاں چلے گئے ہیں۔ ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ گاؤں کی جنوبی سمت میں کچھ شامیانے لگے تھے، ہم چاروں دوست اس طرف چل پڑے کہ شاید نذیر چیمہ صاحب یہاں ہوں۔ راہ میں ٹماٹروں کا کھیت تھا، ٹماٹر بُری طرح کچلے ہوئے تھے لیکن یہ زمین یقیناً خوش ہوگی کہ اس دھرتی کا ایک باسی ناموسِ رسالتؐ کے تحفظ میں کام آیا تھا۔ مجھے لگا، جیسے زمین نے اپنے خزانے نکال کر عامر شہیدؒ کے مہمانوں کے پیروں میں ڈھیر کر دیے ہوں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو شامیانوں کے نیچے کرسیاں بچھی تھیں۔ کچھ مہمان اور کچھ پولیس والے موجود تھے۔ یہاں بھی نذیر چیمہ صاحب نہ ملے۔ سامنے کے دو گھروں میں رش تھا، وہاں بھی ملاقات نہ ہو سکی، مجبوراً واپس ہوئے۔ سبیل سے پانی پی کر عامر شہیدؒ کی قبر کی طرف بڑھے۔ اگرچہ بہت سے لوگ جا چکے تھے لیکن قبر پر تو رش ویسا ہی تھا۔ بہرحال اللہ کا نام لے کر مجمع میں جا گھسے۔ دھکے، کہنیاں کھاتے اور فقرے سہتے بالآخر عامر صاحب کی قبر مبارک تک، جا ہی پہنچے۔ جن لوگوں نے قبر کے گرد پہلا دائرہ بنایا ہوا تھا، قبر کے سرہانے کی طرف اس دائرے کے ایک آدمی کے پیچھے جگہ مل گئی۔ میں نے دیکھا قبر بہت نفاست سے کھودی گئی تھی۔ قبر کی اندرونی دیواروں کے ساتھ پختہ اینٹوں کی دیواریں کھینچ دی گئی تھیں۔ عظیم عاشقِ رسول حضرت عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کی میت مبارک مع تابوت قبر میں اتاری جا چکی تھی۔ قبر کے اوپر چند کوہانی شکل کی بجری سیمنٹ کی سلیں (ڈاٹیں) بھی رکھ دی گئی تھیں لیکن سینہ سے پاؤں تک قبر کھلی تھی۔ پتا چلا کہ تدفین کے وقت ہر آدمی چاہتا تھا کہ اُس کا ہاتھ ان سلوں کو لگ جائے۔ یہ عقیدت کا وہ معاملہ ہے جسے دانشِ مغرب سمجھ ہی نہیں سکتی۔ نسبتوں کا جو احترام مسلمانوں کے ہاں ہے، وہ کہیں اور نظر نہیں آئے گا۔ حضرت عثمانِ غنیؓ نے جب اپنا دایاں ہاتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملایا تو پھر کبھی اُسے نجاست والی جگہ پر نہ لگنے دیا، حضرت سلمٰی بن احمدؓ کے پاس رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک کمان مبارک تھی، وہ اُسے بے وضو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند بال مبارک اپنی ٹوپی میں سی رکھے تھے، وہ جنگوں

میں یہی ٹوپی سر پر اوڑھے رکھتے۔ محمود غزنوی کے غلام ایاز کے ایک بیٹے کا نام محمدؐ تھا، محمود غزنوی نے اس غلام زادے کا نام بھی کبھی بے وضو نہ لیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اصلاً تو یہ نام جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے۔ امام مالکؒ نے کبھی مدینہ منورہ میں سواری نہ کی کہ کہیں بے ادبی نہ ہو جائے۔ وہ دیواروں کے ساتھ ساتھ چلتے کہ شاید درمیانی رستے میں کہیں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پاؤں مبارک لگا ہو اور نادانستہ اس پر پاؤں آ جائے۔ اللہ اللہ، جو چیز حضور پرنور ﷺ سے منسوب ہوئی، محبوب ہوئی اور خوب ہوئی۔ اللہ نے حضور ﷺ کے غلاموں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس تعظیم سے حصہ عطا کیا۔ حضور ﷺ کے غلاموں سے منسوب چیزیں بھی محترم ٹھہریں۔ احترام نسبت کی اسی عقیدت کا وفور تھا کہ قبر کی سلیں دو بار ٹوٹیں۔ اب وزیر آباد سے نئی سلیں آئیں گی تو تدفین مکمل ہو گی۔ وزیر آباد تک کار کا قریباً پندرہ منٹ کا سفر ہے۔ لوگ جا رہے ہیں اور اسی کثرت سے آ رہے ہیں۔ لوگوں نے چار بجے جنازے کا اعلان سن رکھا ہے، وہ جوق در جوق اور شوق در شوق آتے چلے جا رہے ہیں، خدا ہی جانے اس رش میں قبر کی نئی سلیں وزیر آباد سے کیسے پہنچیں گی۔

یہ انتظار کا دورانیہ ہے، خدا کا شکر کہ اس دورانیے میں غازی عامر شہیدؒ کے قریب حاضری کی سعادت ملی۔ قبر میں تابوت پر ہلکے نسواری رنگ کی چادر ڈالی ہوئی ہے۔ صوفیہ اسے صابری رنگ کہتے ہیں۔ آج سارے رنگ غازی عامر شہیدؒ پر نثار ہو رہے ہیں۔ اتنے میں قبر کی ایک جانب سے عامر کے عزیزوں میں سے ایک آدمی مائیک کے بغیر زبانی اعلان کرتا ہے کہ ہم شہید کو امانۃً دفن کر رہے ہیں۔ قبر کے کنارے ہی عامر کے کچھ سابق کلاس فیلوز ملے، جن کے پاس بقول اُن کے جیل سے لکھے گئے عامر کے خط کی عکسی کاپی تھی۔ میں نے ایک لے کر پڑھی، اُس میں صاف لکھا تھا کہ میں خودکشی کبھی نہیں کروں گا۔ اُس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ اسے مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں دفن کیا جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کسی ولی اللہ کے مزار کے پاس دفن کیا جائے، جہاں بہت سے لوگ وہاں آ کر فاتحہ پڑھیں تا کہ اس کے لیے آگے کے سفر میں آسانی ہو۔ جو لوگ شہیدؒ کی قبر پر شروع سے آخر تک کھڑے رہے، ان میں ایک بہت ہی متین شخصیت پیر محمد افضل قادری صاحب کی بھی تھی، آپ ایک بہت بڑی درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ دونوں ہاتھ پیٹ پر باندھ کر کمال عجز و

ادب سے قبر کے قریب کھڑے ہیں۔ کوئی اونچی بولتا ہے تو صرف ہونٹوں پر انگلی رکھ کر تلقینِ ادب کرتے ہیں۔ کافی دیر کے بعد جب نئی سلیں آتی ہیں تو قبر پر ایک بار پھر ہجوم ہو جاتا ہے۔ سلیں مکمل ہونے کے بعد مٹی دینے کا موقع آتا ہے۔ کسی چلانے میں شہری، دیہاتی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ نوجوان تیزی سے مٹی ڈال رہے ہیں۔ میں چند منٹ دیکھتا رہا کہ کسی طرح ایک کسّی میرے ہاتھ لگ جائے لیکن ہجومِ عاشقانِ جواں میں مجھ جیسے ڈھلتی عمر والے کو کیسے موقع ملتا۔ میرے سامنے ایک جوان نے کسّی پکڑی تو میں اُس کی طرف لپکا۔ اس سے درخواست کی کہ صرف ایک ٹپ کی اجازت دے دے، اللہ اُس کا بھلا کرے، اُس نے کسّی مجھے پکڑا دی۔ میں نے بھی وعدے کے مطابق صرف ایک ٹکڑا ٹپ مٹی ڈالنے کی سعادت حاصل کی اور شکریے کے ساتھ کسّی واپس کر دی۔

پھر لوگ "بکّو بک" (دونوں ہاتھ بھر بھر کر مٹی ڈالنے لگے) میں نے سب سے پہلے اپنے مرشد گرامی حضرت میاں عبدالرشید قلندر شہیدؒ اور ان کے جملہ عقیدت مندوں کی طرف سے پھر اپنے مخدوم و مربی استاذِ محترم قبلۂ عالم حضرت غلام رسول علوی صاحب مدظلہ کی طرف سے بطور نمائندہ مٹی ڈالی، پھر حاجی میاں رفیق صاحب جالندھری کی طرف سے، پھر شیر افگن خاں، تنویر شاہ، ڈاکٹر اکرم، عاف شبلی، ڈاکٹر صابر اس طرح فیصل آباد کے اصغر نظامی صاحب، آصف جاوید شیخ دیگر حافظ غلام مصطفےٰ صاحب، کاشف شکیل، پروفیسر عصمت اللہ خان صاحب، لندن میں مقیم منصور ریاض صدیقی اور دیگر عزیزوں دوستوں کی طرف سے جن کے نام اُس وقت یاد آئے، مٹی ڈالی۔ قبر تیار ہو گئی تو حضرت پیر افضل قادری صاحب مدظلہ نے بڑے پرسوز انداز میں دعا کرائی۔ آپ نے شہید کی عظیم قربانی کی قبولیت، بلندی درجات اور ان کے صدقے ہم سب کی بخشش کی دعا کی۔ دُعا کے آخر میں آپ نے وضاحت کے ساتھ بتایا کہ بعض تنظیمیں اور فرقے شہید کو اپنے کھاتے میں ڈال رہے ہیں۔ حالانکہ شہید اور اس کے والدین اہلِ سنت و جماعت ہیں۔ اسی لیے شہید کا جنازہ بریلوی مسلک کے عالم نے پڑھایا۔ اُنھوں نے کھل کر اعلان کیا کہ شہید کے قُل شریف کا ختم دلایا جائے گا، ساتویں، دسویں اور چالیسویں کے ختم بھی دلائے جائیں گے۔ ہر برس شہید کا سالانہ عرس بڑی دھوم دھام سے ان شاء اللہ منایا جائے گا۔ اُنھوں نے بتایا کہ عامر چیمہ شہید بہت بڑی ہستی بن گئے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اپنی جان قربان کر کے انھوں نے یہ عظیم مقام حاصل کیا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اُنھوں نے اُن علما اور پیرانِ عظام کی غیر حاضری کو بھی نوٹ کیا جنھیں بر بنائے عشق اس وقت سارو کی میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ آج شہید کی بارگاہ میں حاضری کا دن تھا۔ اُنھوں نے بطورِ خاص جرمنی اور پاکستانی حکومت کے بعض ظالمانہ اقدامات کا بہت دُکھ سے ذکر کیا۔ شہید کی نمازِ جنازہ کے وقت کی تبدیلی، غلط اطلاعات، والدین کی مرضی کے خلاف سارو کی میں تدفین اور چیمہ شہیدؒ کے مقدمے میں عدم پیروی پر دلی کرب اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اصلاحِ احوال کی دُعا کی۔ دعا ختم ہوئی تو ایک آدمی نے اعلان کیا کہ جو لوگ نمازِ جنازہ نہیں پڑھ سکے، وہ سارو کی سکول کے قریب پہنچ جائیں، شہید کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ دُعا کے بعد عامر شہیدؒ کے پاؤں کا بوسہ لینے کی شدید خواہش پھر سے جاگ اُٹھی۔ میں عامر شہید کی قبر مبارک کے پاؤں کی جانب آیا اور دیوانہ وار قبر کا بوسہ لیا۔ تازہ، نرم، بھر بھری مٹی میں میرا منہ خاصا دھنس گیا، آنکھوں، ناک اور ہونٹوں کو بھی مٹی لگی، ذرا سی مٹی میرے منہ میں بھی گئی، جسے میں ازراہِ عقیدت چوس کر نگل گیا۔ خدا کی شان ہے، ابھی لوگ اس مٹی پر کھڑے تھے، شہید کی قبر کے کام آئی تو مزار (جائے زیارت) بن گئی۔ سعدی کا یہ شعر آج کسی اور ہی رنگ میں سمجھ آیا

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

میں پیچھے ہٹا تو دیکھا کہ میرا بیٹا اجمل افضال اور دوست شاہد حسن بھی قبر کا بوسہ لے رہے ہیں۔ اس وقت شہیدؒ کی عظمت اور واضح ہوئی۔ یک لخت میں نے سوچا کہ اگر میں بھی سارو کی میں رہ رہا ہوتا تو ضرور دیگ پکوا کر لاتا اور شہید کے مہمانوں کو پیش کرتا، پھر سوچا تیری ایک دیگ ہوتی بھی تو لاکھوں آدمیوں کی کیا خدمت کرتی۔ اسی تانے بانے میں منہ شہید کی قبر کی طرف کیے پرنم آنکھوں سے پیچھے کی طرف جا رہا تھا کہ ہم سفر دوست قاری ارشد نے کہا: یہ میں غازی عامر صاحب کا لنگر لایا ہوں، بیٹھ کر کھا لو۔ میں نے دیکھا کہ سبیل والے ٹینٹ کے نیچے ایک ٹریکٹر پر پلاؤ کی دیگیں رکھی ہیں اور وہ لوگ بڑی محبت، عزت اور تنظیم سے شاپر بیگوں میں پلاؤ ڈال ڈال کر دے رہے ہیں۔ ہزاروں لوگوں نے یہ لنگر کھایا۔ واہ سائیں! تیری شانیں!! تو اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کو کیسی رفعتوں، عظمتوں اور شانوں سے سرفراز کرتا ہے۔ ہم نے چاولوں کا لنگر لیا اور سارو کی

سکول کے دفتر کے سامنے کے پلاٹ میں بیٹھ کر کھایا۔ بہت سے لوگ تھوڑا تھوڑا تبرک ساتھ بھی لے جا رہے تھے۔ عامر شہید کا تبرک جہاں جہاں جائے گا، عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو بکھیرتا جائے گا۔ لنگر کا یہ عظیم و منظم خدائی نظام قابلِ دید تھا۔

اب سب ساتھیوں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ کار ڈرائیور رانا صاحب بہت زندہ دل ہیں۔ گاڑی چلی تو سارو کی قصبے کی وہ باتیں بھی نگاہ میں آئیں جو آتے ہوئے جلدی کے باعث نگاہ کا مرکز نہ بن سکی تھیں، کیونکہ تب بھاگم بھاگ ساری کوشش جنازے میں شرکت کی تھی۔ اب گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ رش کی وجہ سے تیز چلنا ممکن بھی نہ تھا۔ سب دوستوں نے دیکھا کہ اہل سارو کی چیمہ نے گاؤں کو دلھن کی طرح سجایا ہوا ہے۔ ہر گھر پر جھنڈیاں، درختوں پر بڑے بڑے بینر، آرائشی جھالریں، کاغذی پھولوں کے ہار۔ سڑک کی دونوں جانب کے گھر بطورِ خاص سجائے گئے تھے۔ کسی بہت بڑے عرس، کسی بہت بڑے میلے کا سماں تھا۔ اہلِ سارو کی نے اپنے پُتر، اپنے بیٹے اور اپنی شان عامر چیمہ شہیدؒ کے استقبال کے لیے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ عامر چیمہ پہلے بھی بہت دفعہ اس آبائی گاؤں میں آیا ہوگا لیکن اتنا استقبال، اتنی خوشی، اتنی سجاوٹ کبھی دیکھنے میں نہیں آئی ہوگی۔ آج ایسا کیوں ہے؟ وجہ صاف ظاہر ہے کہ آج عامر چیمہ نہیں بلکہ غازی عامر چیمہ شہید اپنے اور ہم سب کے پیارے آقا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان فدا کر کے آیا تھا۔ اُس کے صدقے اب سارو کی کا قصبہ سارو کی شریف بن گیا ہے۔ شہید کی زندگی کیسی زندگی ہے کہ جس کے بدن کو مَس کرنے سے یہاں کی مٹی زندہ ہوگئی ہے۔ یہاں کی زمین پر آسمان فخر کر رہا ہے۔ یہاں کے لوگ اتنی بڑی سعادت پر خوشیاں منا رہے ہیں، شہید کی زندگی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے۔ ہم نے واپسی میں دیکھا کہ پولیس اور مختلف ایجنسیوں کے کارکن جگہ جگہ مستعد کھڑے ہیں۔ الحمدللہ کہ صبح سے اب تک کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا، ایسے مواقع پر دہشت گردوں کو کھل کھیلنے کا وقت مل سکتا ہے لیکن الحمدللہ کوئی بدمزگی نہ ہوئی۔ گاؤں کا ہر شخص مہمان نواز، خندہ جبیں اور خدمت گزار بنا ہوا تھا۔ جگہ جگہ پانی کی سبیلیں لگی تھیں۔ لوگ ابھی تک ٹرکوں، ٹریکٹروں اور بسوں، کاروں میں آ رہے تھے۔ بے شک لوگ جا بھی رہے تھے لیکن آنے والے بھی کم نہ تھے۔ سڑک پر رش تا حال موجود تھا۔ گاؤں سے نکلتے ہوئے گاؤں پر ایک نگاہِ واپسیں ڈالی، یوں لگا جیسے سارو کی چیمہ موسمِ بہار

میں مہکتا ہوا باغ ہو، جس کا ہر پھول کِھلا ہوا، ہر کلی مسکراتی ہوئی اور ہر شاخ جھومتی ہو، جس پر
خوشبوؤں، رنگوں اور نوری شعاعوں کی بارش ہو رہی ہو۔ اچانک میرے منہ سے نکلا، یقیناً
آج اللہ کے فرشتے بھی عامر صاحب کے لیے اللہ کی جنت کو سجا رہے ہوں گے۔ پورے
گاؤں بلکہ مضافات میں بھی میّت کی تدفین کے وقت کی اداسی، غم اور بے رونقی کا نام و نشان
نہ تھا بلکہ پُرجوش میٹھی عید کا سماں تھا۔ عام مُردے کی تدفین اور شہید کی تدفین میں یہی فرق
ہوتا ہے۔ ساری دنیا کے عارفوں کے سلطانؒ نے ایسے ہی نہیں کہہ دیا تھا ع

لکھ سلام تنہاں تے باہو، قبر جنہاں دی جیوندی ہو

عامر چیمہ شہیدؒ کا ختمِ قل

عامر چیمہ شہید 13 مئی 2006ء بروز ہفتہ موضع ساروکی میں دفن ہوئے۔ اگلے دن
14 مئی 2006ء بروز اتوار ان کے ختمِ قل شریف کی محفل منعقد ہوئی۔ تدفین سے لے کر
شام تک پھر ساری رات لوگ جوق در جوق شہید کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے آتے رہے۔
رات بھر کا کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں تھا، جب شہید کی قبر پر فاتحہ خوانی نہ ہو رہی ہو۔ نوائے
وقت کے نامہ نگار کی رپورٹ کے مطابق:

''جرمن پولیس کی حراست میں شہید ہونے والے پاکستانی طالب علم عامر عبدالرحمٰن
چیمہؒ کے ختمِ قل، اتوار کو گورنمنٹ بوائز ہائی سکول ساروکی چیمہ ضلع گوجرانوالہ میں ادا کیے
گئے۔ ختمِ قل کی تقریب میں سابق صدرِ مملکت محمد رفیق تارڑ، رکن قومی اسمبلی و صدر جمعیت
علمائے پاکستان صاحبزادہ فضلِ کریم سمیت ارکانِ اسمبلی، مختلف مذہبی، سیاسی جماعتوں کی
سرکردہ شخصیات، کارکنوں، مرکزی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے ارکان اور سرکاری افسران نے
شرکت کی، قرآن خوانی کی گئی۔ اس موقع پر ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ ضلعی انتظامیہ کی
طرف سے اس موقع پر سیکیورٹی کے سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ پولیس اور ایلیٹ فورس
کے دستوں نے گراؤنڈ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے رکھا تھا اور کسی ناخوشگوار واقعہ
سے نپٹنے کیلئے سپیشل برانچ کے اہلکار بھی موجود تھے۔ لوگ اس موقع پر شہید عامرؒ کے والد
پروفیسر نذیر چیمہ کو گلے ملتے اور انھیں دلاسہ دیتے رہے۔ جبکہ پروفیسر نذیر چیمہ مسلسل درود
شریف کا ورد کرتے رہے اور لوگوں کو صبر و استقامت سے کام لینے کو کہتے رہے۔
ختمِ قل شریف کی تقریب میں دعا کے وقت رقّت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ علماء

نے اپنی تقاریر میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ جرمنی سے ہر قسم کے تعلقات ختم کیے جائیں۔
اپنے سفیر کو جرمنی سے بلایا جائے اور عامر چیمہ کی شہادت کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی
جائیں۔ شہید کے رشتہ داروں نے بتایا کہ نمازِ جنازہ کے بعد رات گئے تک لوگ اُن سے
تعزیت کرنے ملک کے مختلف حصوں سے آتے رہے جبکہ ختمِ قل کے بعد بھی آج سارا دن
وہاں آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ دُور دُور سے آنے والے شہید کی قبر پر پھولوں کی
چادریں چڑھاتے رہے اور دعائے مغفرت کا سلسلہ جاری ہے۔ شہید عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ
کی قبر پر ساری رات فاتحہ خوانی ہوتی رہی۔ لوگوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی قبر کو خالی نہیں
چھوڑا۔ جبکہ نمازِ فجر کے بعد شہید کی والدہ ثریا بیگم، بہنوں صائمہ، کشور اور سائرہ سمیت ان
کے شوہروں اور عزیز رشتہ داروں نے فاتحہ خوانی کی اور پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔ بہنوں
نے اس موقع پر قرآن خوانی کے علاوہ گڑگڑا کر اپنے بھائی کی مغفرت کی دعا کی۔ شہید کی قبر
پر عورتوں کا جمِ غفیر دیکھا گیا، جنھوں نے ہاتھوں میں قرآنِ پاک اٹھائے ہوئے تھے۔
گاؤں کے ہر فرد کا رُخ علی الصبح قبرستان کی طرف تھا''۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور ص 8 بقیہ نمبر 13، 15 مئی 2006ء)

شہید کے ختمِ قل کے بعد والدین کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ چونکہ وہ آج کل
راولپنڈی میں مستقل رہائش پذیر ہیں اور وہاں بھی شہید کی فاتحہ کیلئے بے شمار لوگ آئیں
گے لہٰذا ختم دسواں ساروکی چیمہ کے بجائے راولپنڈی والے گھر (ڈھوک کشمیریاں) میں دلایا
جائے گا۔

عامر شہیدؒ کے قل شریف میں شرکت کرنے والوں کے احساسات و جذبات کو
معروف کالم نگار، عرفان صدیقی صاحب نے یوں زبان دی ہے:

''امانت بُلا رہی ہے!''

''عامر شہید کی دعائے قل میں شرکت کے لیے ساروکی جاتے ہوئے میں عجیب و غریب
سی سوچوں میں کھویا رہا۔ زندگی کتنی کشش رکھتی ہے۔ انسان اس کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلتا، کیسے
کیسے جتن کرتا، کن کن امتحانوں سے دوچار ہوتا، کیسی کیسی فصیلوں پر کمندیں ڈالنے کی کوشش
کرتا اور کن کن سنگلاخ چٹانوں سے جُوئے شیر بہا لانے کی سبیلیں تراشتا ہے۔ ہر آن اس
کے سر پر ایک دُھن سی سوار رہتی ہے۔ کوئی مجھ سے آگے نہ نکل جائے، کوئی مجھ سے بازی نہ

لے جائے، کسی کا قد مجھ سے بالا نہ ہو جائے، کوئی مجھ سے زیادہ نامور نہ ہونے پائے۔ اونچی مسند اور بلند منصب پانے کے لیے ہم کیسی کیسی معرکہ آرائیاں کرتے، کیسے کیسے ارفع نظریات کی بولی لگاتے، کیسے کیسے اصولوں کو منڈی کا مال بناتے، کیسی کیسی اخلاقی اقدار کو کوڑیوں کے مول لٹاتے اور کیسے کیسے سنگِ آستاں کو اپنی سجدہ گاہ بناتے ہیں۔ اختیار اور اقتدار پر قابض رہنے کے لئے ذہن وفکر کی کیسی کیسی توانائیوں کو مہمیز کرتے، کیسے کیسے جادوگروں کو جاگیریں عطا کرتے اور کیسے کیسے بازیگروں کے کرتبوں کا سہارا لیتے ہیں۔ کوئی اچھی سی نوکری، کوئی بڑا سا گھر، ایک نئی نویلی گاڑی، آسائشیں، آرائشیں، اسباب، اثاثے، جائیدادیں، پلاٹ، پلازے، کارخانے، فیکٹریاں، کاروبار، نگر نگر کے تفریحی دورے، دولت، شہرت، نام، مقام، کیسے کیسے سراب ہیں کہ ہم مسلسل ان کے تعاقب میں رہتے ہیں۔ نیلے آسمانوں کے اوپر عرش معلیٰ پہ بیٹھی ہستی ہماری اس سیماب پائی اور اضطراب پر مسکراتی رہتی ہے۔ پھر اچانک ایک نامطلوب گھڑی سر پر آ کھڑی ہوتی ہے۔ کہیں دور رخصتی کا ناقوس بجتا ہے۔ جاہ وجلال، کروفر، تخت وتاج، خدام ادب، نیزہ بردار، چوبدار، شاہی طبیب سب ہار جاتے ہیں۔ رگوں میں رواں لہو سرد پڑنے لگتا ہے، زمانے بھر کو اپنی مٹھی میں لینے والی انگلیاں بے جان سی ہونے لگتی ہیں، نبضیں ڈوبنے لگتی ہیں اور پھر سارا تماشا ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی تاجدار زمانہ ہو، شہنشاہ عالم ہو، فاتح جہاں ہو، فقیر راہ نشیں ہو، مفسر ہو، فقیہ، محدث اور قطب زماں ہو، سب کو ایک نہ ایک دن رختِ سفر باندھنا پڑتا ہے اور جب بنجارہ لاد چلتا ہے تو سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاتا ہے۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے لیکن عامر شہید چیمہؒ جیسی موت کتنوں کو نصیب ہوتی ہے؟ ساروکی سے ذرا پہلے میں جسٹس (ر) افتخار چیمہ کے گھر رکا، جہاں سابق صدر رفیق تارڑ بھی تشریف فرما تھے۔ شہید کے جنازے کا منظر موضوع گفتگو تھا۔ اتنا بڑا اجتماع ساروکی کی فضاؤں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لوگ ننگے پاؤں دہکتی زمین پر دوڑے چلے آ رہے تھے۔ آسمان سے آگ برس رہی تھی لیکن عشق کی سرمستیوں نے انھیں اپنے آپ سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ گر رہے تھے، بے ہوش ہو رہے تھے، پسینے میں شرابور تھے، پیاس سے ان کے ہونٹ چٹخنے لگے تھے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کے نمائندے جنوں کی کرشمہ سامانیاں دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ یہ لوگ کس سیارے کی مخلوق ہیں۔ بی بی سی کا نمائندہ بار بار منرل واٹر

کی بوتل سے منہ لگا رہا تھا۔ بار بار پسینے سے تر چہرہ پونچھ رہا تھا۔ اُس نے مائیک جسٹس (ر) افتخار چیمہ کے سامنے کیا تو وہ بولے: تم لوگ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تمہارے پاس یہ تصور ہی نہیں کہ مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت کرتے ہیں۔ ہمارے لیے اپنی جانیں، اپنے مال، اپنی اولادیں ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیچ ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ عامر چیمہ سے لوگوں کی اس بے پایاں محبت کی وجہ کیا ہے۔ بے شک انھیں اندازہ نہیں لیکن کیا انھیں اندازہ ہے جنھوں نے شہید کی میت کی بے حرمتی کی، اُس کے والدین کی خواہشات کی نفی کی اور اُس کی بہنوں کی آرزوؤں کا خون کیا؟ پورے خاندان کو یرغمالیوں کے سے انداز میں ساروکی پہنچایا گیا اور جبراً نماز جنازہ پڑھانے پر مجبور کر دیا گیا؟

دعائے قل سے فراغت اور پروفیسر نذیر چیمہ سے مل کر میں نے رخصت چاہی لیکن شہید کے قریبی اعزہ مجھے گھر لے گئے۔ شہید کی ماں، شہید کی بہنیں، برلن میں شہید کی میزبان ماموں زاد بہنیں، گھر کی دوسری خواتین اور قریبی اعزہ میرے پاس آ بیٹھے۔ عامر کی مشکبو باتیں ہونے لگیں۔ ماں نے کہا: وہ بہت ہی نیک بچہ تھا۔ جب کبھی توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی خبر چھپتی، وہ بہت بے کل ہو جایا کرتا تھا۔ اب میں سوچتی ہوں کہ وہ اکثر غازی علم دین شہید کا ذکر کیا کرتا تھا جیسے وہ اس کی پسندیدہ شخصیت ہو۔ پچھلے رمضان میں وہ آیا تو سترھویں اٹھارھویں روزے والے دن ہی واپس جرمنی جانے کا پروگرام بنایا۔ میں نے کہا: بیٹا! عید تو کر کے جاؤ۔ وہ کہنے لگا کہ میری حاضریاں کم ہو جائیں گی اور امی آپ کی اصل عید تو اس دن ہو گی جس دن میں اپنی تعلیم مکمل کر کے اور ڈگری لے کے واپس آؤں گا، مجھے کیا خبر تھی کہ وہ اتنی بڑی عید بن کر آئے گا۔

برلن میں اس کی میزبان ماموں زاد نے بتایا: ہمیں بالکل بھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ اس طرح کا کوئی پروگرام بنا رہا ہے۔ ہاں اُس میں ہم نے بعض تبدیلیاں نوٹ کی تھیں۔ نماز وہ پہلے بھی پڑھتا تھا لیکن اتنے اہتمام سے نہیں۔ بعض اوقات چھوٹ بھی جاتی تھی لیکن اس مرتبہ وہ نماز کی سخت پابندی کر رہا تھا۔ اتنی کہ کھانا لگا ہوتا تو وہ کہتا: باجی نماز کا وقت ہو گیا ہے پہلے نماز پڑھ لوں۔ جمعہ کے روز علاقے کے مسلمانوں نے گستاخی کرنے والے اخبار کے دفتر کے سامنے مظاہرہ کیا لیکن عامر اس میں شریک نہیں ہوا۔ وہ مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے چلا

گیا اور کافی وقت لائبریری میں گزارا۔ شام کو وہ میرے شوہر سے بڑے تجسس کے ساتھ پوچھتا رہا: مظاہرہ کیسا تھا، کتنے لوگ تھے؟ اس کا کوئی اثر ہوگا۔ میں میاں سے کہتی تھی کہ عامر کچھ بدلا بدلا سا لگتا ہے لیکن ہمیں کوئی وہم وگمان تک نہ تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ عامر کی بہنیں شدید اضطراب اور غصے میں تھیں، انھیں حکومت سے اس رویے کی توقع نہ تھی، ہمیں قیدیوں کی طرح یہاں لا پھینکا گیا۔ کچھ بھی ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہونے دیا گیا۔ ہم سے بھی اور پورے پاکستان کے لوگوں سے بھی دھوکہ کیا گیا۔

والدہ نے بتایا: عامر کا خط ملنے کے بعد ہم نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس کی وصیت کے مطابق ہم اسے راولپنڈی کے بڑے قبرستان میں دفنائیں گے لیکن حکومت نے ایسا نہ ہونے دیا۔ ہم نے عامر کو امانتاً یہاں دفن کیا ہے۔ قوم کو چاہیے کہ وہ میت کو راولپنڈی لے جانے میں ہماری مدد کرے۔

مرد شریف پروفیسر نذیر چیمہ نے بھی کہا کہ میت کو امانتاً یہاں دفن کیا گیا ہے۔ غازی علم الدین شہید کی کہانی اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے۔ تب علامہ اقبالؒ نے قومی عمائدین کے ساتھ مل کر ایک کردار ادا کیا تھا۔ آج سیاست کی دکان چمکانے اور قبر کی مجاوری کرنے والے بڑھ چڑھ کر کرتب دکھا رہے ہیں لیکن شہید کی وصیت اور اس کے والدین کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی ٹھوس اور سنجیدہ کوشش نہیں ہو رہی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ شہید کے والدین سے مشاورت کے ساتھ بلا تاخیر ایک قومی کمیٹی تشکیل دی جائے جو حکومت پنجاب کے عمائدین اور ضروری ہو تو صدر مشرف سے مل کر میت کو راولپنڈی لانے کی کوشش کرے۔ اگر ایسی کمیٹی دس دن پہلے بن جاتی تو عامر کے لواحقین یکہ تنہا نہ ہوتے اور نہ حکومت من مانی کرسکتی۔

میں نے پروفیسر نذیر، عامر کی والدہ، عامر کی بہنوں اور عامر کے قریبی عزیزوں کو دل گرفتہ پایا کہ بعض مذہبی گروہ عامر کی میّت کو یرغمال بنانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لے رہے ہیں۔ انھیں دکھ تھا کہ سوا ارب مسلمانوں کے ہیرو اور پوری پاکستانی قوم کے دلوں میں دھڑکنے والے شہید کو گروہی اور مسلکی رنگ میں رنگ کر محدود اور متنازع بنایا جا رہا ہے۔ مجوزہ کمیٹی اس معاملے کو بھی اپنی تحویل میں لے کر غمزدہ خاندان کو گھیراؤ کی کیفیت سے نکال سکتی ہے۔

سارو کی سے واپس آتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ کیسے کیسے نام آور دنیا سے جاتے ہیں تو ایک آنکھ بھی نم نہیں ہوتی اور کیسے کیسے گم نام اپنی آخری ہچکی کے ساتھ ہی کبھی نہ غروب ہونے والا آفتاب جہاں تاب بن جاتے اور کروڑوں انسانوں کے دلوں میں خوشبو کی طرح رچ بس جاتے ہیں۔ کیا یہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے؟''

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 3 کالم نقشِ خیال از عرفان صدیقی، 16 مئی 2006ء)

عامر چیمہ شہید کا چہلم

عامر چیمہ شہیدؒ کا چہلم کا ختم شریف بروز اتوار 18 جون 2006ء کو اُن کے مزار کی مناسبت سے ساروکی میں دلایا گیا۔ ختم شریف کی محفل میں مشائخ عظام اور علمائے کرام کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ حضرت پیر محمد افضل قادری، مولانا ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی، ڈاکٹر اشرف جلالی، مولانا حمید الدین المشرقی (سربراہ خاکسار تحریک) اور بہت سے دیگر علماء نے اپنی تقریروں میں عامر چیمہ شہیدؒ کی بلندی درجات کی دعا کی اور اُسے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس موقع پر قرارداد بھی پیش کی گئی کہ:

''توہینِ رسالت کے سدِ باب کے لیے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے قانون سازی کی جائے''۔ (روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد ص 8 کالم 1، 19 جون 2006ء)

روزنامہ نوائے وقت نے ختمِ چہلم کی کچھ اور تفصیل بھی اپنے نامہ نگار کے حوالے سے دی ہے:

''شہید کے جنازے کی طرح ختمِ چہلم میں بھی عوام کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ حاضرین کے لیے وسیع وعریض پنڈال کو شامیانوں سے مزین کیا گیا تھا مگر (کثرتِ تعداد کے باعث) ہزاروں عقیدت مند چلچلاتی دھوپ میں کھڑے تھے۔ علماء، مشائخ، معزز خواتین اور صحافیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ انکلوژر بنائے گئے تھے۔ جمِ غفیر کو کنٹرول کرنے کے لیے رضا کاروں کا خصوصی دستہ تعینات کیا گیا۔ (اس دن) پورے گاؤں کی گلیوں اور بازاروں کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا اور جگہ جگہ عامر چیمہ شہید کی زندگی کے بارے میں تیار کردہ سی ڈیز اور میگزین کے سٹالوں پر عوام کا رش دیدنی تھا۔ حاضرین کے لیے لنگر کا وسیع انتظام کیا گیا تھا خاکسار تحریک کے دستے نے شہید کے مزار پر 101 ضرب گولوں کی سلامی دی اور مارچ پاسٹ کیا۔ سُنی تحریک، انجمن طلبائے اسلام، دعوتِ اسلامی، منہاج القرآن اور

دیگر تنظیموں کے رضا کاروں نے انتظامات کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیا''۔

(روزنامہ نوائے وقت' لاہور' ص 1' 19 جون 2006ء)

روزنامہ نوائے وقت کے مطابق ہی علماء و مقررین نے پُر جوش تقاریر کیں لیکن تنگی وقت کی بنا پر اکثر علماء خطاب نہ کر سکے۔ نوائے وقت کی رپورٹ کے مطابق:

''اسلام کی قوت حُبِ رسول ﷺ میں مضمر ہے' عامر چیمہ کی شہادت نے احیائے اسلام کی تحریک کو حیاتِ نو بخش دی ہے۔ غیرتِ اسلامی غلامانِ مصطفےٰؐ کا خلاصہ ہے' عشقِ رسول ﷺ میں آنے والی موت انسان کو امر بنا دیتی ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناموس پر سمجھوتہ ناممکن ہے۔ عامر چیمہ شہیدؒ کے جرأت مندانہ اقدام نے کفر کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا ہے۔ اُنہوں نے اس پُرفتن دَور میں کفر کے ایوانوں میں اُسوۂ شبیریؓ کی یاد تازہ کر کے ملتِ اسلامیہ کو نئی حیات بخش دی ہے۔ عامر چیمہ شہیدؒ اسلامی تاریخ کا بے مثال ہیرو ہے۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی' پیر افضل قادری' مولانا محمد اشرف آصف جلالی' محمد عارف اعوان' سید فدا حسین شاہ' مفتی عنصر القادری' پروفیسر محفوظ احمد خاں' پروفیسر ارشاد احمد چٹھہ' پروفیسر اکرم رضا' مولانا ضیاء اللہ رضوی' حمید الدین احمد المشرقی' انجینئر سلیم اللہ' علامہ راشد تنویر' پیر غلام رسول اویسی' علامہ نصیر احمد اویسی' مفتی نور حسین چشتی' کرنل غلام سرور چیمہ' امیر صابر حسین بٹ' وسیم شاہد اولکھ' چودھری اعجاز احمد چیمہ' مستنصر علی گوندل' مرزا تقی علی اور دیگر معززینِ علاقہ نے بھی شرکت کی۔ اس موقع پر 30 جون کو ملک بھر میں یوم عامر شہیدؒ منانے کا اعلان کیا گیا۔ اس تقریب میں شہید کے والد پروفیسر نذیر احمد چیمہ نے کہا کہ عامر چیمہ کا اقدام مکتب کی کرامت کی بجائے فیضانِ نظر کا نتیجہ ہے اور شہادت کی فضیلت عطا کر کے خدائے ذوالجلال نے ہمیں خصوصی اعزاز سے نوازا ہے''۔

(روزنامہ نوائے وقت' لاہور' ص 1' 19 جون 2006ء)

مندرجہ بالا رپورٹ سے بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستانی مشائخ عظام' پیرانِ کرام' علمائے حق اور عامۃ المسلمین نے عامر چیمہ شہیدؒ کو عظیم عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تسلیم کر کے' اس کی جانثاری کو پیشانیِ دین کا جھومر قرار دیتے ہوئے اُسے اپنا محسن اور عظیم ہیرو تسلیم کیا ہے۔ عالمِ برزخ میں غازی عامر شہیدؒ رب کی جن نعمتوں اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جن نوازشوں سے فیض یاب ہو رہے ہیں' وہ تو خدا ہی بہتر جانتا

ہے بہرحال پاکستان کے مسلمانوں نے اپنی بے پایاں عقیدت کا اظہار کر کے اپنے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ثبوت دیا ہے۔ اللہ کریم غازی عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ کے درجات اور بھی بلند فرمائے اور ناموسِ مصطفےٰ پر کوئی گستاخ کبھی میلی نگاہ نہ ڈال سکے' آمین!۔

علم الدین ثانیؒ

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کی جانثاری کا واقعہ حضرت غازی علم الدین شہیدؒ سے اتنی مماثلت رکھتا ہے کہ اہلِ پاکستان نے بجا طور پر عامر شہید کو غازی علم الدین ثانی شہید کا خطاب دیا ہے۔ یہ امر حیرت افزا ہے کہ دونوں کی ظاہری شکلیں بھی ایک دوسرے سے بہت ملتی ہیں اور دلی کیفیات بھی۔ دونوں کے واقعے میں بہت سے اُمور مشترک ہیں' مثلاً:

(i) غازی علم الدین شہید اور غازی عامر عبدالرحمٰن شہید' دونوں کا تعلق اُس علاقے سے ہے جسے پاکستانی پنجاب کہا جاتا ہے۔ غازی علم الدینؒ لاہور کے محلہ چابک سواراں (رنگ محل) میں رہتے تھے اور غازی عبدالرحمٰنؒ راولپنڈی (محلہ ڈھوک کشمیریاں) میں رہتے تھے۔ یہ دونوں شہر پاکستانی پنجاب میں ہیں۔

(ii) دونوں کی تاریخ پیدائش 4 دسمبر ہے۔ دونوں کی عمریں بیس سے تیس سال کے درمیان ہیں (غازی علم الدین شہیدؒ: پیدائش 4 دسمبر 1908ء' شہادت 31 اکتوبر 1929ء' بعمر بیس برس دس ماہ ستائیس دن۔ غازی عامر چیمہ شہیدؒ: پیدائش 4 دسمبر 1977ء' شہادت 3 مئی 2006ء' بعمر اٹھائیس برس چار ماہ انتیس دن)

(iii) دونوں کی منگنی ہو چکی تھی اور جلد ہی تاہل اختیار کرنے والے تھے لیکن دونوں نے ماتھے پر شادی کے سہرے سجانے کے بجائے شہادت کا تاج پہننے کو ترجیح دی۔

(iv) دونوں نے حضور نبی اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناموسِ پاک کی حفاظت کی خاطر جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

(غازی علم الدین شہیدؒ نے گستاخِ رسول راج پال کو اور غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ نے ہنرک بروڈر کو قتل کر کے جہنم واصل کیا۔)

(v) دونوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے گستاخوں کا تعلق توہینِ رسالت پر مشتمل مواد شائع کرنے سے تھا۔

(vi) دونوں نے اپنے شکار پر حملہ کرنے سے پہلے خوب غور وخوض کیا' باقاعدہ منصوبہ بنایا اور تیز دھار آلہ (چھری' شکاری چاقو) خریدا۔

(vii) گستاخِ رسول کو جہنم واصل کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد دونوں پر کوئی گھبراہٹ' پریشانی یا وحشت طاری نہ ہوئی۔

(viii) حملہ کرنے کے بعد دونوں نے بڑی بہادری سے پولیس کے سامنے اقراری بیان دیا اور تسلیم کیا کہ انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر اپنے پیارے نبی ﷺ کی توہین کے مرتکب کو سزا دی ہے' جو اُن کے دین کے مطابق ضروری ہے۔

(ix) شہادت سے پہلے دونوں نے کسی مقام پر کسی حالت میں بھی نہ معافی مانگی نہ کسی ایسی رائے یا جبر کو تسلیم کیا جو اُن کے عمل کی روح کے منافی ہو۔ (نہ علم الدین شہیدؒ نے تسلیم کیا کہ اُس نے راج پال کو کسی اشتعال انگیزی کے باعث قتل کیا ہے اور نہ عامر عبد الرحمٰن سے جرمن پولیس اُس کا طالبان سے کوئی تعلق ثابت کر سکی)۔

(x) دونوں کے جسموں کو پھانسی سے نسبت ملی' غازی علم الدینؒ کو میانوالی جیل میں باقاعدہ پھانسی دی گئی اور عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ کی شہ رگ تیز دھار آلے سے کاٹ کر (گردن کی ہڈی کے کسی مُہرے کے ٹوٹے بغیر) گردن کو رسی سے لٹکا کر غازی علم الدین شہید کا ہم منظر کیا گیا۔

(xi) دونوں کی شہادت ذاتی گھروں سے دُور ہوئی (غازی علم الدینؒ کو میانوالی میں اور غازی عبدالرحمٰن چیمہؒ کو برلن (جرمنی) کی موآبٹ جیل میں)۔

(xii) دونوں نے ظاہری زندگی کی آخری سانسیں جیل میں لیں۔

(xiii) دونوں کو عوامی ردِ عمل سے بچنے کے لیے ابتدائی طور پر وہاں دفن کیا گیا جہاں اُن کے لواحقین نہ چاہتے تھے (غازی علم الدین کو میانوالی جیل کے احاطے میں اور غازی عبد الرحمٰن کو ساروکی چیمہ دفن کر دیا گیا) غازی علم الدین شہید کی میت کو علامہ اقبالؒ اور اُن کے رفقا کی کاوشوں سے میانوالی سے لاہور لا کر سید دیدار علی شاہؒ سمیت متعدد علما سے نماز جنازہ پڑھوا کر قبرستان میانی شریف میں دفن کر دیا گیا' غازی عامر چیمہ شہید کے والدین' بہنیں اور سب رشتہ دار منتیں کرتے اور چیختے رہے کہ ہمارے شہید بیٹے کی راولپنڈی میں تدفین کی اجازت دی جائے لیکن ان کی نہ سُنی گئی۔ چنانچہ اہل خانہ

نے اُسے امانۃً ساروکی میں دفن کر دیا۔ جانے عامر چیمہؒ کی خواہش اور والدین کی حسرت کے مطابق عامر چیمہ کا جسمِ اطہر کب راولپنڈی میں لا کر دفنایا جائے گا۔

(xiv) غازی علم الدین شہیدؒ کی قبر کشائی ہوئی (13 نومبر 1929ء) تیرہ دن بعد بھی شہید کا جسم تروتازہ' نرم ونازک اور معطر تھا۔ مسحور کن خوشبو نے میانوالی جیل کو بھر دیا تھا۔ قبر کشائی کے وقت غازی علم دین شہید کے جسم کی تازگی' خوشبو اور لطافت سے متاثر ہو کر میانوالی ہسپتال کا ایک سِکھ سول سرجن مسلمان ہو گیا۔ یہی معاملہ عامر چیمہ شہیدؒ کے جسمِ پاک کا تھا۔ تازہ' نرم' معطر اور زندوں سے زندہ تر۔ جب تدفین سے پہلے تابوت کا ڈھکن والا شیشہ اُٹھا کر شہید کے والد نے اپنے شہید لختِ جگر کا آخری دیدار کیا تو عامر شہید کے جسم سے مسحور کن خوشبوئیں مشامِ جاں کو معطر کر رہی تھیں۔ گویا دونوں شہیدوں کے جسموں کو تازگی' نظافت' لطافت اور نزہت سے خاص تعلق تھا۔

(xv) شہادت کے وقت دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے۔ چنانچہ ہاتھوں پر رسی سے باندھے جانے کے نشانات متعلقہ لوگوں نے صاف دیکھے۔

(xvi) دونوں کے جنازوں پر بے پناہ رش تھا۔ لاکھوں لوگوں نے شرکت کی' ہزاروں من پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ دونوں کے جنازوں میں لوگوں نے دُور دُور سے آ کر شرکت کی اور دونوں کے ساتھ بر بنائے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں نے کمال عقیدت کا مظاہرہ کیا۔

(xvii) دونوں کی شہادت کے بعد ناموسِ رسالت پر سر کٹانے کا جذبہ دبنے کے بجائے اور بھی جوش سے ظاہر ہوا۔

(xviii) دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دونوں کی قربانی کی پسندیدگی اور خصوصی اکرام وانعام سے نوازے جانے سے متعلق نیکوکارانِ امت نے بہت سے سچے خواب دیکھے۔

(xix) دونوں کی شہادت کی خبر اپنے اپنے وقت کے میڈیا کا سب سے اہم موضوع رہی (غازی علم الدین شہیدؒ سے متعلق خبریں' مضامین' اداریے اور فیچر اُس وقت کے ہندوستانی اخبارات میں چھپے اور رسائل وجراید نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا۔

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید کے وقت دنیا کا گلوبل ویلیج بن جانے کے باعث دنیا بھر کے اخبارات نے اس خبر کو شائع کیا' اخبارات کے علاوہ' رسائل وجراید' ٹی وی' انٹرنیٹ تک نے اس موضوع کو بھرپور کوریج دی)۔

(xx) دونوں کی شہادت سے عالمِ کفر کو یہ پیغام ملا کہ مسلمان سب کچھ کرسکتا ہے لیکن کبھی اپنے پیارے رسول اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین برداشت نہیں کر سکتا اور اس سلسلے میں کسی مسلمان کو جان کی ذرا پروا نہیں۔

(xxi) غازی علم الدین شہید اور غازی عامر شہید دونوں ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اکثر درود پڑھنے والے تھے۔

(xxii) یہ حسنِ اتفاق بھی عجیب ہے کہ دونوں کا نام حرف ''ع'' سے شروع ہوتا ہے اور نام کا آخری حرف ''ن'' ہے (علم الدین' عامر عبدالرحمٰن)۔

(xxiii) دونوں کی مادری زبان پنجابی تھی۔

(xviv) دونوں کے احوال وآثار پر مستقل کتابیں منصہ شہود پر آئیں۔

(xxv) دونوں پاک سیرت' کم گو' بے حد غیور اپنے والدین کے لاڈلے بیٹے تھے۔

(xxvi) دونوں نے جس علاقے میں گستاخِ رسول کو سزا دی' وہاں غیر مسلم حکومت تھی (غازی علم دین کے وقت انگریزوں کا راج تھا اور جرمن میں بھی یورپی راج)۔

مندرجہ بالا مشترکات کے علاوہ بھی مماثلت کے متعدد پہلو ہو سکتے ہیں' تاہم ان چند مماثلات سے بھی یہ تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں کو خدا نے اپنے پیارے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت وناموس کے تحفظ کے لیے پیدا کیا تھا۔ دونوں نے اپنے مقصدِ تخلیق کو احسن طریقے سے پورا کیا۔ لگتا ہے دونوں میں عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک ہی روح کارفرما تھی۔ غازی علم الدین شہیدؒ چونکہ غازی عامر چیمہ شہیدؒ کے پیشرو تھے' اسی لیے غازی عامر چیمہؒ ہمیشہ خود کو غازی علم الدین شہیدؒ کا مرید سمجھتے تھے۔ بڑی محبت سے غازی علم الدین شہیدؒ کے مزار پر حاضری دیتے اور غازی علم الدینؒ سے متعلق تحریروں کو بڑے شوق سے پڑھتے۔ یقیناً عامر چیمہ شہیدؒ علم الدین شہیدؒ کو اپنا رہبر مانتے تھے' اسی لیے انھوں نے بھی گستاخِ رسول کو سزا دینے کے لیے وہی طریقہ اپنایا جو غازی علم الدین نے اپنایا تھا۔

غازی علم دین شہیدؒ جب گرفتار ہوئے تو قائداعظمؒ سمیت متعدد رہنماؤں نے اُن سے ملاقات کی' گھر والے بھی جا کر ملے' جبکہ عامر عبدالرحمٰنؒ دیارِ غیر (جرمنی) میں قید ہوئے۔ والدین' عزیزوں سمیت کسی متعلقہ فرد سے ملاقات تو دور کی بات ہے' فون پر بھی بات نہ کرائی گئی اور انھوں نے چوالیس دن تک نازی پولیس کی تفتیش اور تشدد کو برداشت کیا۔ اسی لیے ان کو اس صدی کا شہیدِ اعظم قرار دیا گیا۔

مولانا پیر محمد افضل قادری نے عامر چیمہ شہید کے لیے پندرھویں صدی کا ''شہیدِ اعظم ایوارڈ'' جاری کیا اور اُمتِ مسلمہ سے دعائیں لیں۔

مندرجہ بالا شواہد سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کی زندگی کا مقصد بھی ایک تھا' دونوں کا عشق اور جذبہ بھی ایک تھا' دونوں کا طریقِ کار بھی ایک تھا اور دونوں کا انجام بھی ایک۔ چنانچہ غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ کو اس دَور کا غازی علم الدین شہید کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

ایک عجیب سوال

اسلم زبیر صاحب نے تنویر قیصر شاہد صاحب کا ایک کالم اپنی کتاب ''غازی عامر چیمہ شہیدؒ'' میں نقل کیا ہے۔ اگرچہ اس کا عنوان ''عامر عبدالرحمٰن چیمہ: ایک سچا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' درج ہے لیکن کالم میں ایک عجیب سا سوال بھی ملتا ہے۔ ان کے بقول:

''عامر چیمہ کی موت پر میں بھی دلگیر ہوں' میں عامر کی گرفتاری اور گرفتاری کی وجوہ پر غور کر رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ کیا اسے گستاخ جرمن چیف ایڈیٹر پر قاتلانہ حملہ کرنا چاہیے تھا؟ اگرچہ ایڈیٹر نہایت غلیظ اور دل آزار حرکت کا مرتکب ہوا تھا' لیکن کیا ایک پاکستانی کو اس پر حملہ کرنا چاہیے تھا؟ میں خود جرمنی میں رہ چکا ہوں۔ وہاں کی صحافت نہایت آزاد ہے' جرمنی میں بے شمار عرب' لاتعداد ترک اور بے انتہا افریقی مسلمان رہتے ہیں۔ ان کی تعداد پاکستانی کمیونٹی سے کہیں زیادہ ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی توفیق نہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر چیف ایڈیٹر کو ہلاک کرنے کی کوشش کر کے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے کا ثبوت فراہم کرتا۔ مجھے یہاں ایک اور واقعہ یاد آرہا ہے۔ 1996ء میں نیویارک میں اقوامِ متحدہ کی سلور جوبلی منائی جارہی تھی۔ ساری دنیا کے حکمران اس میں مدعو تھے' تقریب میں شرکت کے لیے فلسطین کے مجاہد لیڈر یاسر عرفات بھی نیویارک آچکے تھے' لیکن نیویارک کے میئر (اڈولف جولیانی) نے امریکی یہودیوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر

یاسر عرفات کو تقریب میں آنے سے روک دیا۔ یہ خبر نیویارک کے سارے اخبارات میں شائع ہوئی۔ خبر پڑھ کر لاہور کے ایک جیالے مسلمان محمد ارشد نے اڈولف جولیانی پر قاتلانہ حملہ کر دیا' جس وقت یہ حملہ ہوا' اس وقت نیویارک میں 55 ہزار کی تعداد میں (مہاجر) فلسطینی موجود تھے لیکن یہ حرکت کسی نے نہ کی۔ تو کیا پاکستانی مسلمان عالمِ اسلام کے بقیہ مسلمانوں سے زیادہ امت کا درد رکھتے ہیں؟ کیا پاکستانی ہی صرف عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا عملی ثبوت فراہم کر سکتے ہیں؟"

(غازی عامر چیمہؒ شہید ص75-74' مرتبہ اسلم زبیر)

تنویر قیصر شاہد صاحب کا سوال اس قدر واضح ہے کہ مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ کھلے کھلے الفاظ میں اس کالم میں جو سوال کیا گیا ہے' وہ سادہ ترین لفظوں میں یوں بنتا ہے کہ 56 سے زیادہ اسلامی ملکوں میں آباد ڈیڑھ ارب (1,500,000,000) سے زیادہ مسلمانوں میں بھی کیا ایک پاکستان ہی کو اور پھر پاکستان میں سے بھی ایک عامر چیمہؒ ہی کو گستاخ ایڈیٹر پر حملہ کر کے خود کو عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا ثبوت دینا چاہیے تھا؟ کیوں؟ باقی دنیا کے مسلمانوں کو کیوں نہیں؟

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے۔۔۔۔ اسلامی تاریخ اور ملی روایات پر نظر رکھنے والا ایک عام سا طالب علم بھی جانتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ جس سے چاہتا ہے' اپنے دین کی خدمت اور اپنے پیاروں کی ناموس کی حفاظت کا کام لے لیتا ہے۔ دینی غیرت' روحانی حمیت اور جذبہ جانثاری کا تعلق کسی خاص ملک' خطے' زبان یا تعلیمی اہلیت سے قطعاً نہیں ہے۔ یوں بھی اسلام علاقائی' نسلی' لسانی والوانی گروہ بندیوں میں گھرا ہوا نہیں ہے۔ یہاں تو شعوب وقبائل محض تعارف کیلئے ہیں ورنہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر (محض عربی و عجمی ہونے کی بنا پر) کوئی فضیلت نہیں۔ تقویٰ کے علاوہ کوئی معیارِ فضیلت نہیں۔ عرب' ترک' افغان' پاک وہند اور دنیا کے ہر خطے میں بسنے والے مسلمان ایک خدا' ایک رسول ﷺ' ایک قرآن پر ایمان رکھنے کے سبب ایک ہیں۔ دینی عقیدہ انھیں ایک رکھتا ہے۔ عالمِ اسلام کے کسی بھی بہادر کا کوئی سا بھی کارنامہ پوری اُمّہ کا کارنامہ ہوتا ہے۔ محمد علی کلے رِنگ میں باکسنگ کے لیے اُترتا تو وہ نہ تو پاکستان کا شہری ہوتا' نہ اُس کا ہم سے کوئی خونی رشتہ ہوتا اور نہ وہ ہماری زبان بولتا لیکن اس کے لیے سارے پاکستانی مسلمان جذباتی

ہو کر دعا مانگتے۔ اُس کا تعلق دراصل اسلام کا تعلق ہوتا کہ یہی تعلق باقی ہر تعلق سے مضبوط ہے۔ اسی تعلق کی بناء پر تاریخِ اسلام کے سب کارنامے ہمارے بھی ہیں۔ اور ہمارے سب کارنامے دراصل پوری ملتِ بیضا کے ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنے متعلق فرمایا تھا:

میں اصل کا خاص سومناتی — آبا مرے لاتی ومناتی

علامہ اقبالؒ یہاں اعتراف کرتے ہیں کہ نسلی اعتبار سے ان کے آباؤ اجداد ہندو تھے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے — شہر قیصر کا جو تھا' اس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے — کاٹ کے رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے
کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو

ان اشعار میں فرماتے ہیں کہ وہ معناً درِ خیبر اکھاڑنے والی ہستیؓ کی اولاد ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہاں نسلی وعلاقی یا زمانی ومکانی رشتہ مراد ہی نہیں۔ جب ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ والے ایمان کو اپنالیا تو فاتحِ خیبر بھی ہمارا ٹھہرا' یوں ہم ہی نے درِ خیبر بھی اکھاڑا۔

جوابِ شکوہ میں بھی اسی اصول کے تحت خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا گیا ہے کہ:

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟ — نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟ — میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟
تھے تو آبا وہ تمھارے ہی مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

اسی جذبے کی حدت تھی کہ محمد بن قاسم ایک ہندی مسلم عورت کی دُہائی پر دیبل پہنچ گیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ سے یہی رشتہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی رشتے کے تحت عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید کی قربانی صرف پاکستان یا پاکستانیوں کے لیے ہی باعثِ فخر نہیں' بلکہ تمام عالمِ اسلام کے لیے باعثِ فخر ہے۔ عامر چیمہ کی عظیم شہادت کو کسی ایک خطے سے منسوب کرنا اسلامی اخوت کی عظیم روایت کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن مجید میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے:

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَن يَّشَاءُ. (پ ا' رکوع ۱۳' البقرہ آیت ۱۰۵)

اور اللہ اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر دیتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ اللہ کریم کا پنجاب کی سرزمین پر خصوصی کرم ہے کہ اُس نے گستاخ راج پال کو سزا دینے کے لیے بھی پنجاب کے علم دینؒ کو چنا اور ہینرک بروڈر کو بھی سزا دینے کے لیے پنجاب کے سپوتِ عظیم عامرؒ کو چنا۔ یہ اُس کا خاص فضل و کرم ہے عامر پر بھی' اس کے والدین پر بھی' سب پاکستان پر بھی اور کل عالمِ اسلام پر بھی۔ اصولی بات ہے کہ کسی بھی کام کے لیے درکار لگن' جذبہ اور مہارت کے علاوہ متعلقات تک دستیابی بھی اہم مسئلہ ہوتی ہے۔ نہ جانے کتنے لوگ' کس کس ملک کے' کس کس نسل کے گستاخانِ رسول کو ٹھکانے لگانے کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں لیکن وہ توہین آمیز کارٹون شائع کرنے والوں سے دور ہیں۔ کاش! یہ لوگ ان کی دسترس میں ہوتے تو نجانے کیا کیا ہو چکا ہوتا۔ عامرؒ نے یقیناً سوچا ہوگا کہ میں جرمنی میں ہوں اور یہاں بھی میرے پیارے آقا میرے پیارے نبی ﷺ کی توہین پر مبنی کارٹون چھپے ہیں' اگر میں ڈنمارک اور ناروے نہیں جا سکتا تو برلن تک تو جا سکتا ہوں' چنانچہ وہ گیا اور اُس نے وہ کیا جسے دنیا جان چکی ہے۔ یہ سب کچھ ایک اندرونی جذبے سے ہوتا ہے' کسی تمغے' کسی سرٹیفکیٹ یا کسی خطاب و اعزازِ دنیا کے لیے نہیں ہوتا۔ جو شخص اس دنیا ہی میں نہیں رہا' بھلے سے اُسے کوئی خطاب' انعام' تمغہ دے بھی دیا جائے تو اس نے کیا کرنا ہے؟ وہ تو اپنے رب کے ہاں دائمی نعمتوں' بے پایاں اعزازات اور ناقابلِ تصور اکرام سے بہرہ ور ہو رہا ہوتا ہے۔ وہ یہ سب کچھ دلی اخلاص سے کرتا ہے' اس کا معاملہ اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا ہے' وہ یہ سب کچھ دنیا کے سامنے اپنے آپ کو "عاشقِ رسولؐ ہونے کا ثبوت فراہم کرنے" کیلئے نہیں کرتا۔ اُس کی سب سے بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہٗ اُس کی قربانی کو قبول فرمالے نہ کہ وہ دنیا والوں سے کوئی اعزاز پانے کے لیے یہ کرتا ہے۔ وہ اصل اعزاز اپنے رب سے پاتا ہے اور جسے رب چاہتا ہے اُسے ہی نوازتا ہے۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ:

گستاخانِ رسول حویرث بن نقید اور حارج بن طلاطل حضرت علیؓ ہی کے ہاتھوں سے کیوں فی النار ہوئے؟ مسیلمہ کذاب' وحشی ہی کے ہاتھوں کیوں قتل ہوا' ابوجہل معاذ و معوذ

بچوں ہی کے ہاتھ سے کیوں مارا گیا؟ گستاخ رسول عصما بنت مروان اک صحابی عمیر بن عدیؓ ہی کے ہاتھوں کیوں قتل ہوئی؟ جواب یہی ہے کہ ان گستاخوں کو سزا دینے کیلئے اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے انہی لوگوں کو پسند کیا۔ جب کچھ یہودی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اقدس کو روضۂ پاک سے نکال کر لے جانے کیلئے سرنگ کھود رہے تھے تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف نورالدین زنگیؒ ہی کو خواب میں ان کو سزا دینے کا حکم کیوں دیا؟ یہ مقام' یہ سعادت' یہ شرف ذاتی کاوش پر نہیں بلکہ تائیدِ ربانی سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ رُتبۂ بلند ملا' جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

باقی اگر اللہ تعالیٰ یہ شرف پاکستانیوں کو دیتا ہے تو اس پر تلملانے کی نہیں' سجدۂ شکر بجا لانے کی ضرورت ہے' حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی خطے کی طرف منہ مبارک کر کے فرمایا تھا کہ مجھے وہاں سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے' بقول اقبال ؏

میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

دعا ہے کہ خالقِ کائنات پاکستان کے عامر شہیدؒ کا جذبۂ تحفظِ ناموسِ رسالت تمام مسلمانوں میں اسی آن بان شان سے بیدار فرما دے' آمین۔ بہر حال عامر چیمہؒ کی اس جانثاری سے کسی کے ذہن میں یہ سوال' یہ مخمصہ' یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ خود کو عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت کرنے کا ٹھیکا صرف پاکستانیوں نے ہی کیوں لیا ہوا ہے۔

پاکستانیوں کی طرح دوسرے ملکوں کے بہت سے مسلمان بھی مغربی ممالک میں تلاشِ روزگار میں گئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر آدمی سے اُس جرأت' اُس عشق کی توقع کرنا جس کا بھرپور اظہار امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں کیا تھا' کیا مناسب ہوگا؟ سچی بات تو یہ ہے کہ خدا نے اس عظیم قربانی کے لیے اُس دور میں صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کو چنا تھا اور آج انہی کے صدقے' انہی کے غلاموں میں سے ایک سچے غلام عامر عبدالرحمن شہیدؒ کو چنا گیا ہے۔ اس خیال کی تائید ہمارے ملک کے عظیم کالم نگار جناب عرفان صدیقی کی یہ تحریر بھی کرتی ہے:

"عامر شہید کے نیک دل اور پاکباز اُستاد کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور وہ تھم تھم کر رُک رُک کر پروفیسر نذیر چیمہ کو اپنا خواب سنا رہے تھے۔ میں نے خواب میں ایک بڑا ہی مقدس

اور پاکیزہ اجتماع دیکھا۔ ہر سو نور کے فوارے پھوٹ رہے تھے' پتہ چلا کہ صحابہؓ کرام تشریف فرما ہیں۔ کسی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قریب ہی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رُخِ انور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشکبو آواز آئی: ''عامر آ رہا ہے''۔ صحابہ کھڑے ہو گئے اور ایک خاص سمت دیکھنے لگے۔ پھر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز میں پکارا: ''حسنؓ' حسینؓ!! دیکھو کون آیا ہے' میں اسے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں' اس کا خیال رکھنا''۔ (انٹرنیٹ www.millat.com نیز روزنامہ نوائے وقت لاہور نیز غازی عامر چیمہ شہید مرتبہ اسلم زبیر ص 20)

صرف نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے بطور عاجزانہ مثال محترم تنویر قیصر شاہد صاحب سے عرض ہے کہ ساٹھ کے قریب اسلامی ملکوں میں سے پاکستان اور پاکستان کے کروڑوں لوگوں میں سے بھی محض آپ (تنویر قیصر شاہد صاحب) ہی کو یہ سوال کرنے کی کیوں سُوجھی؟؟ کسی اور کو کیوں نہیں؟ بقول آپ کے ''بے شمار عرب' لاتعداد ترک اور بے انتہا افریقی مسلمان جو جرمنی میں رہتے ہیں' ان میں سے صرف اور صرف ایک پاکستانی عامر عبد الرحمٰن شہیدؒ کو قدرتِ کاملہ نے چنا کہ وہ اپنے عشق کو عشق کے عملی تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے شہادتِ عظیمہ کا درجہ پا سکے' یہ انتخابِ خداوندی ہے' ع

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

اگر اُس نے اپنے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا سچا ثبوت دیا ہے تو یہ عظیم شرف ہے جس پر عامر شہید کے ماں باپ' بہنوں' رشتہ داروں' سب پاکستانیوں بلکہ تمام مسلمانوں کو فخر ہے۔ بقول شاعر ع

فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

کیا اس ''ایک ہی شخص'' پر ہمیں فخر کرنا چاہیے' یا یہ گلہ کرنا کہ باقی ترک و عرب ایسا کیوں نہیں کر سکے؟ اگر کوئی مجھ گنہگار سے پوچھے تو میرے نزدیک گستاخِ رسول کو سزا دینا عالمِ اسلام کا اجتماعی فریضہ ہے۔ عامر چیمہؒ نے اپنی قربانی دے کر سب اُمت کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کر دیا ہے۔ کیا اس لحاظ سے عامر عبد الرحمٰن چیمہ شہیدؒ ہمارے شکریے کا خصوصی مستحق نہیں؟ مسلمان ہو جانے کے بعد نسلی' جغرافیائی' الوانی اور لسانی اختلافات مٹ جاتے ہیں۔ سلمان فارسیؓ' بلال حبشیؓ' جمال الدین افغانیؒ' نور الدین زنگیؒ' امام بخاریؒ' اقبال لاہوریؒ

کا جو قبیلہ ہے' اُسے دینِ اسلام کہتے ہیں۔ اسی قبیلے سے غازی علم الدین شہیدؒ کا تعلق ہے اور اسی قبیلے کے گلستانِ عشق کے تازہ ترین ننھے سے گلِ سرسبد کا نام غازی عامر عبد الرحمٰن شہیدؒ ہے۔ غازی عامر شہیدؒ صرف پاکستان کا نہیں بلکہ تمام عالمِ اسلام کا ہیرو ہے۔ وہ عربوں' افریقیوں' ایرانیوں اور ترکوں کا بھی وہی کچھ لگتا ہے جو پاکستانیوں کا۔

بآں گروہ کہ از بادہ وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

دُکھ اور حیرت کا مقام ہے کہ جس اعزاز پر خوش ہونا چاہیے' سجدۂ شکر بجا لانا چاہیے' اُس پر انگشتِ اعتراض اُٹھائی جائے۔

اور پر عرفان صدیقی صاحب کے حوالے سے عامر چیمہؒ کے استاذِ محترم کا جو خواب تحریر ہوا ہے کیا اُس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ ہمارے پیارے آقا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اُمتی عامر عبد الرحمٰن کی یہ خدمت' یہ قربانی پسند آئی ہے لہٰذا اہلِ ایمان کیلئے بھی یہی ضروری ہے کہ وہ عامر عبد الرحمٰن چیمہؒ کے متعلق کوئی شک' کوئی اعتراض' کوئی بے چینی اپنے دل و ذہن میں پیدا نہ ہونے دیں۔

پھر یہ بھی کہ عامر عبد الرحمٰنؒ کے والدِ محترم جناب پروفیسر نذیر چیمہ اپنے لختِ جگر کے اس جذبے' اس قربانی اور اس شہادت پر معترض نہیں بلکہ اس عظیم قربانی کیلئے اپنے بیٹے کے انتخاب پر خوش اور اللہ کے بے حد شکر گزار ہیں تو کسی دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ باپ سے بڑھ کر سوچے؟؟



شہادت وتدفین کے بعد سلسلۂ تحسین

غازی عامر چیمہ شہیدؒ کی شہادت وتدفین کے بعد ملک بھر میں تحسینی جلسے، غائبانہ نمازِ جنازہ، رپورٹیں اور صحافتی کالم

حضرت غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کو ۱۳ مئی ۲۰۰۶ء کو وزیرآباد کے قریبی قصبے ساروکی میں امانۂ سپردِ خاک کیا گیا تو ملک کے طول وعرض میں انھیں خراجِ عقیدت ومحبت پیش کرنے کے لیے شہر شہر، قریہ قریہ اور جگہ جگہ جلسے ہونے لگے۔ ان تحسینی جلسوں کے حوالے سے یہ بات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے کہ یہ جلسے خالصۃً عامر شہید کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے منعقد ہوئے۔ فرقہ وارانہ آلودگی سے پاک یہ جلسے صرف عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جذبے ہی سے سرشار تھے۔ اہل سنت وجماعت بریلوی، دیوبندی، اہلِ حدیث، اثناعشری تمام فرقے اظہارِ عقیدت ومحبت میں یہ جلسے، تعزیتی ریفرنس اور سیمینار منعقد کرنے لگے۔ دراصل عامر چیمہؒ کی قربانی نے ہر مسلمان مومن کو متاثر کیا۔ یوں سب مسلمان عامرؒ کے گرویدہ ہوگئے اور اس کی تحسین میں یک زباں بن گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ایمان کی اصل ''عشقِ مصطفیٰ ﷺ'' ہی ہمارے اتحاد کی بھی اصل ہے۔ جماعتِ اسلامی اور جماعۃ الدعوۃ والے بھی کسی سے کم نہیں تھے۔ جماعۃ الدعوۃ کے ہفت روزہ ''غزوہ'' نے عامر چیمہ شہیدؒ کے ساتھ خصوصی عقیدت کا اظہار کیا۔ ایسے جلسوں میں شرکت کرنے والا کوئی بھی آدمی یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ سچے عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا جذبہ سیاستوں اور فرقہ آرائیوں سے کہیں بلند ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جذبہ خداداد ہوتا ہے۔ اس خداداد جذبے نے جس بھی جلسے، سیمینار میں اپنی خوشبو بکھیری، سامعین وناظرین کے مشامِ جاں کو معطر کردیا۔ ان میں سے بعض بعض مجالس کی اخبارات میں رپورٹنگ بھی ہوئی۔ اصل جلسوں کی تعداد صرف اللہ کو معلوم ہے کیونکہ بہت لوگ اپنی محبت کے عملی اظہار کو اخبارات کے صفحات تک پہنچاتے ہی نہیں، نہ وہ کسی قسم کی کوریج کو اپنا مطمحِ نظر قرار دیتے ہیں۔ یقیناً محلے محلے میں ایسی تقاریبِ تحسین منعقد ہوئیں جن کی تعداد بتانا آسان نہیں۔ اگر مسجدوں میں جمعہ کے خطبوں کو بھی

شامل کرلیا جائے تو یہ تعداد اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے غازی عامر شہیدؒ کی غیرتِ انسانی نے ایک تازہ ولولہ بن کر ہر مسلمان کے دل میں گھر کرلیا ہے۔ یقیناً غازی عامرؒ ساروکی میں ایک ہی جگہ دفن ہوا لیکن اُس عظیم شہید کا ٹھکانا تو کروڑوں مسلمانوں کے دل میں ہے۔ ایمان کی تازگی، عشق کا سُرور اور ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تحفظ کا جذبہ بن کر عامرؒ آج مسلمانوں کے دلوں میں زندہ ہے۔ وہ قبر میں بھی زندہ ہے اور محبانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دلوں میں بھی زندہ ہے۔ اُس کی یہ زندگی، دوچار عشروں یا صدیوں کی نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کی ہے۔ سچے رب نے سچ فرمایا ہے کہ مقتولانِ فی سبیل اللہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگیوں کا شعور نہیں رکھتے۔ آج عامر چیمہؒ ہر نجی محفل، ہر ادارے، ہر تقریب، ہر خطبے، ہر وعظ اور ہر دینی مکالمے کا اہم موضوع ہے

این سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

غائبانہ نمازِ جنازہ کے جواز وعدمِ جواز کی فقہی بحث میں پڑے بغیر یہ کہنا غلط نہیں کہ پاکستان میں جگہ جگہ عامر شہیدؒ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ ہمارے فیصل آباد میں بھی دھوبی گھاٹ گراؤنڈ میں بہت بڑی نمازِ جنازہ ہوئی۔ نمازِ جنازہ کے موقعوں پر بھی عامر چیمہ شہیدؒ کو بے پناہ خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ غائبانہ نمازِ جنازہ کے ایسے مواقع کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔

بہرحال عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ کو خراجِ تحسین وعقیدت پیش کرنے کے لیے جو اَن گنت نشستیں، محفلیں ہوئیں، ان میں سے محض چند کے حوالہ جات بطورِ نمونہ مشتے از خروارے پیشِ خدمت ہیں:

عامر چیمہ شہید کے ختمِ قل میں شرکت کے بعد صاحبزادہ حاجی فضلِ کریم (صدر ج۔یو۔پی) نے نوائے وقت کو بتایا کہ شمعِ رسالت کے پروانے عامر چیمہؒ نے قطعاً خودکشی نہیں کی، بلکہ ان کو تشدد کرکے جیل میں شہید کیا گیا اور جرمن حکومت اس جرم کی ذمہ دار ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت ص 3 کالم 1، 15 مئی 2006ء)

سید محمد ہاشمی (ناظم انجمن طلبائے اسلام) نے کراچی میں خطاب کرتے ہوئے کہا: عامر چیمہ نے جرمنی میں گستاخ رسول کو واصلِ جہنم کرنے کی کوشش کرکے پوری امتِ مسلمہ

کا سرفخر سے بلند کر دیا ہے۔ دشمنانِ اسلام ہماری غیرتِ ایمانی کو ختم کرنے کے لیے جتنی سازشیں کر لیں، نبی ﷺ کی حرمت کے لیے غازی علم دینؒ، عامر چیمہ شہیدؒ جیسے نوجوان پیدا ہوتے رہیں گے۔ (روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 3 کالم 2‘ 10 مئی 2006ء)

ڈیرہ اسماعیل خان میں صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ عامر چیمہ شہید کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی، یہ قربانی ضرور رنگ لائے گی۔ (اُنھوں نے مطالبہ کیا کہ) عامر چیمہؒ کے معاملے میں بھی حکومت الفاظ کی طفل تسلیوں تک محدود ہونے کے بجائے مؤثر احتجاج کرے۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 1 کالم 5‘ 15 مئی 2006ء)

14 مئی کو لاہور، پشاور اور میانوالی میں عامر شہید کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ مختلف دینی، سیاسی اور سماجی تنظیموں کے رہنماؤں نے شہید کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ لاہور ناصر باغ میں مقررین نے عامر چیمہ شہیدؒ کے لیے اعلیٰ سول و فوجی اعزازات دینے کا مطالبہ بھی کیا۔ فرید پراچہ، حافظ سلمان بٹ، امیر العظیم نے کہا کہ عامر چیمہ کی شہادت نے مغرب کے گھناؤنے چہرے کو بے نقاب کیا ہے۔ لاہور میں ایک کانفرنس میں امیر حمزہ نے کہا کہ عامر چیمہ کی شہادت امتِ مسلمہ کے نوجوانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت ص 3 کالم 1‘ 15 مئی 2006ء)

انجمن طلبائے اسلام نے راولپنڈی اسلام آباد پریس کلب، کیمپ آفس کے سامنے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا، جس میں مطالبہ کیا گیا کہ عامر چیمہؒ کی شہادت کا کیس عالمی عدالتِ انصاف میں لے جایا جائے تاکہ غیر جانبدارانہ فیصلہ ہو سکے اور تشدد کے ذمہ داروں کے خلاف کارروائی ہو سکے۔ عامر چیمہؒ کا یادگاری مزار بنانے کی اجازت دی جائے۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 4 کالم 3‘ 10 مئی 2006ء)

اٹھارہ ہزاری میں قاری محمد اعظم سیال نے ایک بیان میں کہا: عامر چیمہ شہید نے امتِ مسلمہ کا سرفخر سے بلند کر دیا ہے۔ حکومت شہید کی یادگار تعمیر کرے اور اس کے خاندان کو تحفظِ مصطفیٰ ﷺ میڈل دے۔ ملعون کارٹونسٹ کو جہنم واصل کرنا عامر چیمہؒ کا ٹارگٹ تھا۔ اس نے اپنے کردار و عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ سچا عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم) تھا۔ ہم اس شہید کی عظمت کو سلام پیش کرتے ہیں۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 3 کالم 6‘ 14 مئی 2006ء)

علامہ سید اکمل شاہ ناظمِ اعلیٰ جامعہ چراغیہ مریدوالا نے صحافیوں کے اجتماع میں کہا: عامر چیمہ نے ناموسِ رسالت کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر کے غازی علم دین شہید کی یاد تازہ کر دی۔ وہ پوری دنیائے اسلام کا فرزند ہے۔ جرمن پولیس نے تشدد کر کے اسے شہید کر دیا اور خودکشی کا ڈرامہ رچا دیا۔ حکومت جرمنی سے فوری تعلقات ختم کرے۔ جرمن مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 3 کالم 6‘ 14 مئی 2006ء)

جھنگ میں 13 مئی 2006ء کو متحدہ مجلسِ عمل نے ایک احتجاجی جلسہ کیا۔ اس میں قرارداد پاس کی گئی جس میں عامر چیمہؒ کی جرمن پولیس کے ہاتھوں ہلاکت کی پرزور مذمت کی گئی اور اس کی عظیم قربانی کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 3‘ 14 مئی 2006ء)

کنجوانی میں پیرزادہ محمد اشرف ضیا نے صحافیوں سے کہا: جرمن پولیس کے تشدد سے جامِ شہادت نوش کرنے والے 29 سالہ نوجوان طالبِ علم، عاشقِ رسول عامر عبدالرحمٰن چیمہ نے پوری دنیا کے مسلمانوں کے سر فخر سے بلند کر دیے ہیں اور غیر مسلموں پر ثابت کر دیا ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتا۔ عامر چیمہ شہیدؒ نے ثابت کر دیا کہ اب بھی غازی علم الدین شہیدؒ پیدا ہو سکتے ہیں۔ (روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 3 کالم 4‘ 19 مئی 2006ء)

عبداللہ فاؤنڈیشن ہائی سکول، اقبال نگر، فیصل آباد کے اساتذہ کے ایک اجلاس میں اساتذہ نے کہا کہ یورپین اخبارات سے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت یہودی لابی کی گہری سازش ہے۔ عامر چیمہؒ نے غازی علم دین کی یاد تازہ کر دی۔ عامر چیمہ کی عظیم قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔ (روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 2 کالم 3‘ 24 مئی 2006ء)

ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن، فیصل آباد کی ایگزیکٹو کمیٹی کا ایک اجلاس ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر چوہدری طالب حسین کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ اس میں عامر چیمہ

شہید کو حرمتِ رسول ﷺ پر جان قربان کرنے پر زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ عامر چیمہؒ کو شہید کرنے والے افراد کے خلاف مقدمہ کے اندراج اور کیفرِ کردار تک پہنچانے کیلئے انتظامات کرے۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد ص 2 کالم 1، 24 مئی 2006ء)

فیصل آباد (چینچل والا) سے جماعت اسلامی کے کارکنوں کا ایک قافلہ عامر چیمہ شہیدؒ کے مزار پر حاضری کیلئے روانہ ہوا تو رانا اکرام اللہ خاں (امیرِ قافلہ) نے اپنے خطاب میں کہا: عاشقِ رسولؐ عامر چیمہؒ کی شہادت مسلمانوں کیلئے مشعلِ راہ ہے، اور مغربی طاقتیں یہ جان لیں کہ مسلمان اسلام کے نام پر جان قربان کرنے والوں کو کس طرح آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور وہ دن دُور نہیں کہ عامر چیمہ شہیدؒ کو قتل کرنے والے بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائیں گے۔ ایسے جھوٹے "مہذب" معاشرے کے دعویدار دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے۔ (روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد ص 1، 21 مئی 2006ء)

جمعیت علمائے پاکستان ضلع فیصل آباد کے زیرِاہتمام عامر چیمہ شہید سیمینار، وقاص پلازہ، امین پور بازار، فیصل آباد میں منعقد ہوا، جس میں ڈاکٹر جاوید اختر، مولانا عبدالرشید جامی، مولانا یوسف نقشبندی، مولانا انوار الحق، سید فضل قدیر، مفتی عبدالشکور قادری، مولانا خادم حسین رضوی اور مولانا سید ہدایت رسول شاہ صاحب نے خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر جاوید اختر نے کہا: عامر چیمہ شہید نے غازی علم دین کا کردار ادا کر کے پاکستانی نوجوانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ عامر شہید کا خون رنگ لائے گا۔ عظیم دینی مفکر حضرت مولانا سید ہدایت رسول شاہ صاحب نے عامر چیمہ شہید کے حضور زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا: شہید تحفظِ ناموسِ رسالت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان اپنے خلاف ہر ظلم برداشت کر سکتا ہے، مگر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو قبول نہیں کر سکتا۔ یہودیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کی سربلندی اور عظمتِ رسول ﷺ کے لیے مسلمانوں کا ایک ایک نوجوان کٹ مرنے کے لیے تیار ہے۔

(روزنامہ امن، فیصل آباد ص 10 کالم 9، 21 مئی 2006ء)

عامر چیمہ شہیدؒ کی شہادت کے بعد نوائے وقت کے قابلِ صد احترام کالم نگار عرفان

صدیقی صاحب نے اپنے کالم "نقشِ خیال" میں "عامر۔۔۔۔۔ جو امر ہو گیا۔۔۔۔۔!" کے زیرِ عنوان کالم کیا لکھا، گویا کلیجہ نکال کر کاغذ پر رکھ دیا۔ ایسے کالم بغیر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں لکھے جا سکتے:

"سفید ریش مردِ بزرگ کے چہرے پر گردِ ملال کے بجائے دائم رہنے والا سکون تھا۔ اس کی آنکھوں میں سلگتی راکھ کے اندر سے روشنی کے دھارے پھوٹ رہے تھے۔ اس کے ہونٹ خاموش تھے لیکن دل کے دور اندر تک اُتر جانے والی مشکبو سرگوشیاں کر رہے تھے۔ وہ کسی زاویے سے بھی اندوہ کی گرفت میں نہیں لگتا تھا۔ اُسے دیکھ کر گمان نہ گزرتا تھا کہ اس کا واحد بیٹا تین بہنوں کا اکلوتا بھائی، بھری جوانی میں ہمیشہ کے لیے اس سے بچھڑ گیا ہے اور اس کی میت سات سمندر پار برلن کے کسی سرد خانے میں پڑی وطن آنے کا انتظار کر رہی ہے۔ جواں مرگ بیٹوں کے کڑیل درختوں جیسے جری باپ بھی، دیمک زدہ شہتیر کی طرح ٹوٹ گرتے ہیں، لیکن کیسا باپ تھا کہ شجرِ بہار کی طرح لودے رہا تھا۔

28 سالہ نوجوان، عامر عبدالرحمان چیمہؒ کے بارے میں جرمنی سے خبر آئی ہے کہ اُس نے برلن جیل کی کوٹھڑی میں خودکشی کر لی۔ کوئی جرمن حکام کی یہ بات ماننے پر تیار نہیں۔ وہ بھی جو اس خوبصورت اور خوب سیرت نوجوان کو جانتے ہیں اور وہ بھی جنہوں نے اُس کی کہانی سن رکھی ہے۔ وہ دینی مزاج کے گھرانے کا فرزند تھا۔ نماز، روزہ، تلاوت، تسبیح، اوراد و وظائف، دعاؤں اور مناجات سے معمور ماحول میں پرورش پانے والے اس نوجوان کے رگ و پے میں دینی حمیت بھی تھی، عشق کی آتش خاموش بھی، عزم اور پیکار کی چنگاریاں بھی لیکن وہ ہارنے والا نہ تھا۔ خودکشی کا راستہ صرف ہار جانے والوں کا راستہ ہوتا ہے۔

اُس نے 4 دسمبر 1977ء کو حافظ آباد میں آنکھ کھولی۔ شریف النفس اور نیک نام باپ، پروفیسر محمد نذیر چیمہ نے دو بیٹیوں کے بعد پیدا ہونے والے بیٹے کا نام عامر عبدالرحمان رکھا۔ عامر نے گورنمنٹ جامعہ ہائی سکول راولپنڈی سے میٹرک کیا۔ 1994ء میں اس نے فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی سے پری انجینئرنگ میں ایف ایس سی کا امتحان 80 فیصد کے لگ بھگ نمبر حاصل کر کے پاس کیا۔ نیشنل کالج آف ٹیکسٹائل انجینئرنگ فیصل آباد سے بی ایس سی کرنے کے بعد عامر نومبر 2004ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جرمنی چلا گیا، جہاں اُس نے "منشن گلیڈ باخ" کی یونیورسٹی آف اپلائیڈ سائنسز کے

شعبۂ ٹیکسٹائل اینڈ کلوڈنگ مینجمنٹ میں داخلہ لے لیا۔ چوتھا سمسٹر شروع ہونے سے قبل، فروری کے وسط میں یونیورسٹی میں کوئی ایک ماہ کی چھٹیاں ہوگئیں۔ وہ چھٹیاں گزارنے برلن چلا گیا، جہاں اُس کی ماموں زاد بہن اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ قیام پذیر تھی۔ 11 مارچ کو یونیورسٹی کھل گئی لیکن عامر واپس نہ پہنچا۔ مارچ کے آخری ہفتے میں پروفیسر نذیر نے برلن اپنے عزیزوں سے بات کی لیکن عامر کا نام آتے ہی فون بند ہوگیا۔ 8 مارچ کو عامر نے آخری بار فون کرکے اپنے خالہ زاد بھائی کو شادی کی مبارک باد پیش کی تھی۔ ٹھیک ایک ماہ بعد 8 اپریل کو برلن کے عزیزوں نے خبر دی کہ عامر 20 مارچ کو گرفتار ہوگیا تھا اور وہ برلن پولیس کے زیرِ تفتیش ہے۔

اس پر الزام ہے کہ اس نے رسولِ کریم ﷺ کے توہین آمیز خاکے شائع کرنے والے ایک اخبار کے ایڈیٹر پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ پولیس نے عامر کی ماموں زاد بہن کے گھر اور اس کی یونیورسٹی اقامت گاہ پر چھاپہ مارنے کے لیے 23 مارچ کو عدالت سے اجازت چاہنے کے لیے جو "ضمنی" پیش کی، اُس میں کہا گیا کہ عامر نذیر نے ایک روزنامے "DIE WELT" کے دفتر میں داخل ہونے کی کوشش کی، سیکورٹی گارڈ نے روکا تو اُس نے شکاری چاقو نکال لیا اور بم چلانے کی دھمکی دی تاکہ وہ بیورو چیف کے دفتر میں داخل ہوسکے۔ بعد کی خبروں میں بتایا گیا کہ عامر نے توہینِ رسالتؐ کے مرتکب اخبار کے ایڈیٹر پر حملہ کیا، جس سے ایڈیٹر کو گہرے زخم آئے، اسی دوران گارڈ نے عامر پر قابو پالیا۔

پروفیسر نذیر نے اپنے طور پر حکام اور سیاستدانوں سے رابطے شروع کردیئے۔ قومی اسمبلی کے رکن ڈاکٹر فرید پراچہ نے برلن میں پاکستانی سفارت خانے کے فرسٹ سیکرٹری خالد عثمان قیصر سے فون پر بات کی تو تصدیق ہوگئی کہ عامر برلن پولیس کی گرفت میں ہے اور اس پر توہینِ رسالتؐ کے مرتکب اخبار کے ایڈیٹر پر حملہ کرنے کا الزام ہے۔ اس کے بعد پروفیسر نذیر چیمہ اور خالد عثمان قیصر رابطے میں رہے۔ گمان یہی تھا کہ عامر کو ڈی پورٹ کردیا جائے گا لیکن کسی طرح کی پیش رفت نہ ہوئی۔ چالیس دن سے زائد کا وقت گزر جانے کے بعد بھی پولیس چالان عدالت میں پیش نہ کرسکی اور نہ مقدمے کی کارروائی شروع ہوسکی۔

2 مئی کو وکیل کے ذریعے عزیزوں نے عامر کو کپڑے، ٹوتھ پیسٹ اور کچھ دیگر اشیا

بھجوائیں۔ 4 مئی کو انہیں پولیس کی طرف سے اطلاع ملی کہ عامر نے خودکشی کرلی ہے۔ ماموں زاد بہن نے برلن سے حافظ آباد میں عامر کی بہن صائمہ کو خبر دی۔ پھر یہ خبر راولپنڈی کی اس غریب و سادہ سی بستی میں پہنچی، جہاں عامر کے والدین اور سب سے چھوٹی بہن مقیم ہے۔ بوڑھی ماں اور تین بہنوں کو ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ دنیا بدل چکی ہے اور روٹھ جانے والے روز و شب اب کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ ایک بھرا پُرا خاندان کھنڈر سا ہو کے رہ گیا ہے۔

جمعہ کی شام میں نوید ہاشمی کے ہمراہ پروفیسر نذیر چیمہ کے گھر پہنچا تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ گھر کی ساری نزدیکی گلیوں میں یہ گھر شہید کے گھر کے طور پر مشہور ہوگیا ہے۔ برآمدہ اور کمرے لوگوں سے بھرے تھے، جن میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی۔ پروفیسر نذیر چیمہ میرے پہلو میں بیٹھ گئے لیکن مجھے کلام کا یارا نہ تھا۔ کہتا بھی تو کیا کہتا؟

میں اس سوچ میں گم تھا کہ آخر ہمیں کیا ہوگیا ہے؟ سولہ کروڑ انسانوں کے ایک ایٹمی ملک پر کس نے منتر پھونک دیا ہے کہ اُس کے حکمرانوں نے قومی حمیت کو جنس بازار بنا دیا ہے؟ اُس کا ایک شہری 20 مارچ کو گرفتار ہوا، 4 مئی کو پولیس تشدد کے سبب شہید ہوگیا؟ حکومت پاکستان کامل ڈیڑھ ماہ تک کیا کرتی رہی؟ اُس پہ لازم آتا ہے کہ وہ 44 دنوں کی پوری روداد قوم کے سامنے رکھے اور بتائے کہ اُس نے ایک پاکستانی کو جرمنوں کے تشدد سے بچانے کے لیے کیا کیا؟ پاکستانی سفارتخانہ باخبر ہوچکا تھا تو حکومت پوری طرح کیوں متحرک نہ ہوئی؟ ایک ڈینیل پرل کسی کے ہاتھوں مارا گیا تو ہم نے کیسے کیسے نوحے نہ پڑھے؟ کیسے کیسے بین نہ کیے؟ امریکہ میں پاکستانی نسلی تشدد کا شکار ہوگئے ہم چپ رہے۔ یونان میں پاکستانیوں کو قطار میں کھڑا کرکے چھلنی کردیا گیا اور ہم خاموش رہے۔ قندھار میں 18 پاکستانیوں کو بھون دیا گیا اور ہمارے لب سلے رہے۔ امریکہ پاکستان میں آکر 19 پاکستانیوں کے پرخچے اڑا گیا اور ہماری قوت گویائی مفلوج رہی۔ برازیل کا ایک شہری برطانوی پولیس کے ہاتھوں ہلاک ہوا تو وہاں کی حکومت نے تاجِ برطانیہ کو ہلا کے رکھ دیا۔ وزیر خارجہ کو ڈالروں کی بوری بھر کے جانا پڑا اور پوری قوم سے معافی مانگنا پڑی۔ پاکستانی ماؤں کی کوکھ سے جنم لینے والے بیٹوں کا لہو اتنا ارزاں کیوں ہوگیا ہے؟

پروفیسر نذیر نے دبے لفظوں میں کہا: یہاں کسی گورے کے کتے کو کانٹا بھی چبھ جاتا تو کمشن بیٹھ جاتے اور معافیاں شروع ہو جاتیں۔ مجھے رنج یہ ہے کہ ہمارا فارن آفس بھی خودکشی کی تھیوری میں شریک ہو گیا ہے۔ ان لوگوں سے میں کیا توقع رکھ سکتا ہوں۔

اگر عامر نے کچھ نہیں کیا اور وہ برلن پولیس کے تشدد کا لقمہ بن گیا تو بھی وہ معصوم اور شہید ہے اور اگر اُس نے وہ کچھ کیا جو برلن پولیس بتا رہی ہے تو۔۔۔۔۔!

یہ وہ مقام ہے جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی اپنی سانسوں پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ سو میرا قلم اس جوان رعنا کے درجات بلند کی رفعتوں کے تذکرے سے قاصر ہے۔ 9 مئی کو جب اس کا تابوت راولپنڈی کے ائیر پورٹ پر اُترے گا تو مجھے معلوم نہیں کہ کون اُس کا استقبال کرے گا لیکن مجھے یقین ہے کہ جب اس کی نرم ولطیف روح آسمانوں کے زینے طے کرتی سب سے متبرک منطقوں میں پہنچے گی تو جانے جنت کے کون کون سے جھروکوں سے کون کون سی ہستیاں اُسے خوش آمدید کہیں گی اور جانے کن کن دریچوں سے سدا بہار گلابوں کی شبنمی پتیاں نچھاور ہو رہی ہوں گی۔'' (روزنامہ نوائے وقت' لاہور' ص 3' 6 مئی 2006ء)

مولانا اسماعیل سیالوی نے جامعہ حسینیہ چشتیہ' شمس القرآن' آدھی کوٹ میں ایک تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: عامر چیمہ کی شہادت امت مسلمہ کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں امتِ مسلمہ کو کئی ایک مسائل سے دوچار کر کے اپنے ناپاک عزائم میں کامیابی حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم اسلام ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر طاغوتی طاقتوں کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دیں۔ مولانا قاری اسد اللہ نے کہا کہ جرمن پولیس کے تشدد سے عاشقِ رسولؐ کی شہادت انسانی حقوق کے یورپی ٹھیکیداروں کے منہ پر طمانچہ ہے۔ ہم اکیسویں صدی کے غازی علم دین شہیدؒ کی اس قربانی پر سلام پیش کرتے ہیں۔ اجلاس میں عامر چیمہ شہید کی روح کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ خوانی کی گئی اور قاتلوں کے خلاف سخت قانونی کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

(روزنامہ نوائے وقت' لاہور' ص 8 کالم 7' 14 مئی 2006ء)

فیصل آباد میں دار العلوم نوریہ رضویہ' گلبرگ اے' فیصل آباد میں تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام عامر چیمہ شہیدؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے منعقدہ تقریب

میں صوبائی وزیر اوقاف صاحبزادہ سید سعید الحسن شاہ صاحب نے کہا:

عامر چیمہ شہید نے شاتم رسولؐ پر حملہ کر کے غازی علم دین شہید کے نقش قدم پر چل کر نئی تاریخ رقم کی ہے۔ یورپی اخبارات میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت یہودی لابی کی سنگین سازش ہے۔ مسلمان توہین رسالت کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ شاتم و گستاخ رسول کی سزا صرف موت ہے۔ انہوں نے کہا کہ عامر چیمہ نے جان کی قربانی دے کر ثابت کر دیا کہ جدید تعلیم اور روشن خیالی نوجوانوں کے دلوں سے عشق مصطفےٰ ﷺ نہیں نکال سکتی۔ ہماری دنیا اور آخرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ انہوں نے کہا کہ شاتم رسولؐ انشاء اللہ اپنے انجام کو پہنچیں گے۔

اسی تقریب میں جامعہ ہذا کے مہتمم حضرت سید ہدایت رسول شاہ صاحب قادری نے اپنے خطاب میں کہا:

عامر چیمہ شہید نے حرمت رسولؐ پر قربان ہو کر وہ مقام حاصل کیا ہے' جس کی خواہش ہر مسلمان کو ہے۔ یہودی لابی اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ مسلمانوں کو متحد ہو کر اس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ (روزنامہ ایکسپریس' فیصل آباد' ص 2' 23 مئی 2006ء)

چنیوٹ کے مولانا محمد حسین چنیوٹی مجاہد ختم نبوت نے ایک بیان میں کہا:

جرمن حکومت اس سانحہ کو پسِ پردہ ڈالنے کیلئے کاغذی بیانات کا سہارا لے کر اپنی ریاستی دہشت گردی کو نہیں چھپا سکتی۔ (عامر شہیدؒ) ایسی شخصیات خودکشی نہیں کرتیں بلکہ حق پر ڈٹ جاتی ہیں اور ہر مصیبت کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرتی ہیں۔

(روزنامہ ایکسپریس' ص 3' 12 مئی 2006ء)

فیصل آباد میں کلاتھ کٹ پیس بورڈ کے حاجی شمشاد علی نے ایک اجتماع میں کہا: عامر چیمہؒ نے شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والے کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے جس جذبہ کا اظہار کیا ہے' اس سے غازی علم دین شہیدؒ کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ ہم عامر چیمہؒ کے اس جذبے کو سراہتے ہیں اور عامر چیمہؒ کے جذبات ایک عاشق رسولؐ کے ہیں اور ہم انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ مغربی جرمنی کی جیل میں پاکستانی نوجوان عامر چیمہؒ کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنانے والے' جرمن پولیس افسران کے خلاف

پاکستانی عدالتوں میں مقدمات چلائے جائیں۔'

(روزنامہ ڈیلی بزنس رپورٹ، فیصل آباد، ص 2، 17 مئی 2006ء)

قاضی عتیق الرحمان، سابق مرکزی صدر انجمن طلباءِ اسلام اے۔ٹی۔آئی پاکستان نے جامعہ رضویہ غلام محمد آباد، فیصل آباد میں اپنے خطاب میں کہا:

غازی عامر چیمہ شہید کی بہادری اور جرأت کی داستان تاقیامت زندہ رہے گی، عامر چیمہ نے غازی علم دین کے مشن کو آگے بڑھایا ہے۔ حکومتِ پاکستان کو جرمنی کے ساتھ سفارتی اور تجارتی تعلقات ختم کرنا ہوں گے۔ رپورٹ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عامر چیمہ کو تشدد کر کے شہید کیا گیا۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 4 کالم 4، 28 مئی 2006ء)

محترمہ فوزیہ محبوب ضلعی ناظمہ جماعتِ اسلامی، فیصل آباد حلقہ خواتین نے ناموسِ رسالت پر اپنی جان قربانی کرنے والے نوجوان عامر چیمہ شہید کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والے شیطانوں کو سبق سکھانے کا یہی طریقہ ہے اور عامر چیمہ نے اس فرض کو تمام امت کی طرف سے ادا کر کے امت کو وقار اور بلند حوصلہ دیا۔ عامر چیمہ شہیدؒ نے امتِ مسلمہ کا وقار بلند کر دیا۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 4 کالم 8، 28 مئی 2006ء)

جماعۃ الدعوۃ پاکستان کے مرکزی رہنما مولانا امیر حمزہ نے ایک خطاب میں کہا: عامر چیمہ نے غازی علم دین شہید کا کردار ادا کر کے پاکستان ہی نہیں، پوری امت مسلمہ کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ جرمنی نے گستاخانِ رسول کی پشت پناہی کرتے ہوئے عامر چیمہ کو زیرِ حراست شہید کر کے بھیانک جرم کا ارتکاب کیا ہے، اس کا جرم قابلِ معافی نہیں ہے (لہٰذا) ڈنمارک کی طرح جرمنی کی مصنوعات کا بھی بائیکاٹ اور سفارتی تعلقات ختم کیے جائیں۔

(ہفت روزہ غزوہ، لاہور، ص 1 کالم 1، 12 مئی تا 18 مئی 2006ء)

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کی سارو کی ضلع گوجرانوالا میں امانۃً تدفین کے بعد جہاں ملک بھر میں جگہ جگہ شہید کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا، وہاں شہیدؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے صحافی حضرات بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ معروف کالم

نگاروں نے اپنی محبت کا ثبوت دیا۔ سینئر کالم نگار چونکہ لڑنے کے عادی ہوتے ہیں، لہٰذا وہ معاملے کے ممکنہ اطراف وابعاد پر بھی رائے زنی کر جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اجمل نیازی کا ایک کالم من وعن پیشِ خدمت ہے:

"عامر شہید کی قبر اور پاکستانی سیاست

ڈوبتا ہوا سورج زندہ تر قبر کے اردگرد بچوں، عورتوں، مردوں اور بزرگوں کو دن کا آخری خراج تحسین پیش کر رہا تھا۔ عامر چیمہ شہیدؒ کی بارونق قبر پر فاروق عالم انصاری، سابق میئر گوجرانوالہ محمد اسلم بٹ، ارشاد احمد عارف، شاہ حسن گیلانی اور میں آس پاس پھیلی ہوئی وسعت اور ویرانی کو دیکھ رہے تھے، جہاں ہر وقت عشق رسول ﷺ میں بھیگی ہوئی حیرانی بکھرتی نکھرتی رہتی ہے۔

سارو کی اب ایک عظیم بستی بن چکی ہے۔ اس بستی میں رہنے والے اپنے اس اعزاز کے راز سے ابھی واقف نہیں۔ وہ ہم راز ہونے اور اہل راز ہونے کے فرق کو نہ جانتے ہوئے بھی مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چھوٹی بستیوں کے لوگ آپس میں رشتہ دار ہوتے ہیں۔ عامر بھی ہر عورت کو بچپن میں ماسی، پھپھی کہا کرتا تھا۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ یہاں موجود ہوتی ہیں۔ وہ کسی پیر کی قبر پر چراغ جلانے جاتی ہوں گی، مگر یہاں پہلے آتی ہیں۔ یہاں تڑپتی آنکھوں کا میلہ لگا ہوا ہے۔ بستی کے بہت سے لوگ ہمارے پاس آ گئے اور ہم سب قبر کے سرہانے بیٹھ گئے۔ ہم چپ تھے تو بھی ہماری باتیں ایک دوسرے کی سمجھ میں آ رہی تھیں۔ عامر چیمہ شہیدؒ کا چچا منظور چیمہ وہاں موجود تھا۔ اس کے چہرے پر دیہاتی بانکپن تھا۔ اس نے نظر نہ آتی ہوئی پریشانی اور نظر آتی ہوئی بے نیازی سے کہا کہ اب تک کوئی سرکاری آدمی نہیں آیا جبکہ عام لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ سب لوگوں کی آواز اس کے مضبوط لہجے میں مل گئی تھی۔

یہاں سے صرف چار پانچ کلومیٹر دور حامد ناصر چٹھہ کا گاؤں احمد نگر ہے۔ وہ ہمارے ہی ووٹوں سے ایم این اے بنتا ہے اور پھر ہر دور میں کسی نہ کسی سرکاری حیثیت پر پہنچتا ہے۔ نواز شریف، بے نظیر بھٹو اور جنرل پرویز مشرف کا پورے کا پورا وفادار ہوتا ہے۔ ممکن نہیں کہ

یہ مغرور اور مخمور آدمی اس دوران اپنے گھر نہ آیا ہو مگر یہاں نہیں آیا۔ وہ ابھی کچھ دنوں کے بعد ووٹ لینے آئے گا اور اس فاتح قبر پر فاتحہ بھی پڑھے گا۔ تب یہ ایک مفتوح آدمی کا وظیفہ ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ پھر بھی اس بستی کے بہت سے لوگ اسے ووٹ دیں گے۔ نمائندہ ترین شخص کی قبر پر ایک غمزدہ آدمی نے کہا کہ ہم ووٹ دیں یا نہ دیں' اسے سرکار ہر بار جتوا دیتی ہے۔ وہ اپنے حکمران کے ڈر سے نہیں آیا اور حکمران اپنے ''حکمران'' کے ڈر سے نہ آئے۔ ڈرے ہوئے لوگ خدا سے نہیں ڈرتے۔

حامد ناصر چٹھہ نے اپنے بیٹے فیاض چٹھہ کو دوسری بار گوجرانوالہ کا ناظم بنوایا ہے۔ موروثی سیاست کی گندگی اور بندگی نے ہمیں شرمندگی اور درندگی کے حوالے کر دیا ہے اور زندگی ہم سے روٹھ گئی ہے۔ فیاض چٹھہ جنازے میں تھا' مگر وہاں تو اس کی ''ڈیوٹی'' لگی ہوئی تھی۔ یہ واقعہ پوری پاکستانی قوم کے لیے عالمی طور پر اجتماعی عزت افزائی بن سکتا تھا۔ اسے ہم نے قومی توہین کا نمونہ بنا دیا۔ یہ قبر پنڈ سے پنڈی کب پہنچے گی؟

عامر شہید کی میت کو وقار کی علامت بنایا جا سکتا تھا۔ اس کا شاندار استقبال ہوتا۔ وہ اپنی اقلیم عشق کا سربراہ ہے۔ لوگ اس کی قبر کو عقیدت سے سلام کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے اندر عشق رسول ﷺ کی شمع کو تیز کرتے ہیں' مگر دکھ ہے کہ اس کی قبر کو 21 توپوں کی سلامی کیوں پیش نہ کی گئی۔ وہ سرکاری ہیلی کاپٹروں میں یہاں پہنچایا گیا۔ یہاں لوگوں کو شمار کرنا مشکل تھا۔ منظور چیمہ نے بتایا کہ تین لاکھ سے زیادہ لوگ تھے' مگر فیاض چٹھہ کے ''بہترین انتظامات'' کی وجہ سے افراتفری تھی۔ بدنظمی کی انتہا کے باوجود لوگ اپنے دل کے انتظام کے پابند تھے۔ لاؤڈ سپیکر خراب کر دیئے گئے کہ لوگ عظیم تر شہید کے عظیم والد کی آواز ہی سن لیتے۔ وہ صبر و استقامت کے کوہ گراں کی طرح وہاں سب سے زیادہ نظر آنے والے انسان تھے۔

پی این اے کی میٹنگ میں ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے بتایا کہ بغیر لیڈر کے ناموس رسالت کی تحریک کو سب سے زیادہ نقصان قاضی حسین احمد کے اس بیان نے پہنچایا کہ یہ تحریک جنرل پرویز مشرف کے خلاف ہے اور تب تک ختم نہیں ہوگی جب تک وہ اقتدار سے الگ نہیں ہو جاتے۔ وہ تو اقتدار میں ہیں مگر قاضی صاحب کی تحریک حسب معمول ختم ہو گئی ہے۔

وہ ایسی تحریک کا تصور نہیں کر سکتے۔ گرفتار تو نعیمی صاحب اور انجینئر سلیم اللہ ہوئے جبکہ تحریک کو اپنی مرضی کا موڑ قاضی صاحب نے دے دیا۔ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ اب وہ ستمبر میں دھرنا دیں گے۔ اس کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔ عمران خان کی تحریک انصاف کے یوم تاسیس پر یہ اعلان کرنے وہ جا سکتے ہیں۔ کوئی نیا اعلان کرتے ہی وہ عامر شہید چیمہؒ کی قبر پر آ جاتے۔ وزیراعظم بننے کی خواہش اور کوشش میں غلطاں عمران خان کو بھی اپنے ساتھ لے آتے۔

جنرل پرویز مشرف کی طرف تحریک ناموس رسالت کا رخ موڑنے والے قاضی کی ضد میں اب بھی جنرل صاحب ساروکی آ پہنچیں اور انہیں پریشان کر دیں اور سب دوسروں کو حیران کر دیں۔ وہ اپنے ساتھ شوکت عزیز کو نہ لائیں مگر طارق عزیز کو ضرور لائیں کہ ان کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ اس علاقے سے تعلق گجرات کے چودھری صاحبان کا بھی ہے۔ چودھری پرویز الٰہی کو ضرور آنا چاہیے تھا مگر انہیں پرویز مشرف کی خدمت میں حاضری سے فرصت اور باس سے اجازت ملے تو وہ ادھر کا رخ بھی کریں۔ ویسے بھی کہتے ہیں کہ خدا نیڑے کہ گھسن۔ گجرات کے وزیر تعلیم عمران مسعود تقریبات میں تو بھاگے ہوئے جاتے ہیں۔ یہاں بھی تقریب ہو سکتی تھی۔ قبر کے وصال سے نہال پھولوں کی خوشبو میزبانی کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ اس علاقے کے عظیم سپوت محمد رفیق تارڑ دوسرے دن ہی یہاں آئے۔ بستی کے لوگ ان کی تحسین کر رہے تھے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر ہونے کا حق وہ اب تک ادا کر رہے ہیں۔

ارشاد عارف نے تاثرات کے رجسٹر میں لکھا:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

فاروق عالم انصاری: لہو جو ہے شہید کا وہ قوم کی زکوٰۃ ہے۔

محمد اسلم بٹ نے لکھا کہ پنجاب نے دو زندہ لوگ پیدا کیے: غازی علم دین شہیدؒ اور عامر چیمہ شہیدؒ۔ ساروکی کے لوگوں اور چیمہ فیملی کو اس پر فخر کرنا چاہیے۔ نورانی چہرے والے بٹ صاحب گوجرانوالہ کے سچے نمائندے ہیں۔ میں نے عزیزم شاہ حسن گیلانی کی آنکھوں میں لکھے تاثر کو پڑھا۔

باہوا یتھے جیندے قبر جنہاں دی جیوے ھُو

اب تو طارق کھوسہ کی سرکردگی میں تفتیشی ٹیم کے مطابق جرمن حکومت کا خودکشی کا الزام غلط ہے۔ جرمن تفتیشی ٹیم کے سربراہ کی طرف سے معافی مانگنے کے مطالبے پر عامر شہید نے اس کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ عشق رسول ﷺ کے لیے قربانی کی کہانی میں معافی کا کیا گزر ہے۔ غازی علم دین شہیدؒ نے سزائے موت کے فیصلے کے بعد رحم کی اپیل نہیں کی تھی۔ عامر شہیدؒ کو انتقام کا نشانہ بنایا گیا ہے' خودکشی کا الزام اس کے علاوہ ہے۔ حکومت پاکستان اس سلسلے میں اپنے لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟

(روزنامہ نوائے وقت' لاہور' ص 5' 30 مئی 2006ء)

ملک کی معروف ادیبہ اور مشہور کالم نگار محترمہ رفعت نے عامر شہیدؒ کی تدفین کے بعد ایک خوبصورت کالم لکھا۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے عامر شہید کی والدہ ماجدہ اور قابلِ احترام بہنوں کے شہیدؒ کے متعلق جذبات کا پتا چلتا ہے اور پروفیسر نذیر چیمہ کی بے بسی کا بھی:

''یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے

ہماری بس عامر شہید چوک سے گزر گئی تھی۔ سامنے کھلی سڑک کے ماتھے پر ''عامر شہید تیری جرأت کو سلام'' والا بینر جھول رہا تھا۔ اس کے بعد بینر بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے۔

''ناموس رسالتؐ پر جان قربان کر دینے والے عامر! تیری عظمت کو سلام''

''شمع رسالتؐ کے پروانے کو سلام''

''عامر نذیر تو فخرِ پاکستان ہے''

ایک سے بڑھ کر ایک' یہ بڑا بینر۔ ہماری کوسٹر ایک چوڑی سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی۔ ہم سب عامر نذیر شہیدؒ کے گھر جانا چاہتے تھے۔ میں اپنا ساتھ تلاش کرتی رہی تھی کہ مل کر جائیں۔ تو اس وقت میرے ساتھ شہداء کی مائیں تھیں' بہنیں تھیں۔ جنہوں نے برقعے لپیٹ رکھے تھے اور حجاب اوڑھ رکھے تھے۔ اُن کے ہونٹوں پر کلمہ طیبہ کا دور تھا' ان کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں تھا' وہ صبر وفخر کا پیکر بنی قدم بڑھا رہی تھیں۔ گلی محلے کے بچے

ہمارے رہنما تھے۔ مَردوں' جوانوں کی ٹولیاں جابجا کھڑی تھیں۔ یہ سب شہید کے گھر آنے والوں کو راستہ دکھا رہے تھے۔ وہ مَردوں سے ہاتھ ملاتے اور اندر گلی کی طرف اشارہ کر دیتے بلکہ چند قدم ساتھ چلتے۔

''ہمارا فخر۔۔۔۔ شہید عامر''

''عامر تیری شہادت ہمارا راستہ ہوگا''

''عامر تو نے شہادت پا کر ہمارا حوصلہ بڑھایا ہے''

''ہم دہشت گرد قوم نہیں۔ ہم ناموسِ رسالتؐ کے پروانے ہیں''

گھروں کی دیواروں' بالکنیوں پر ایسے ہی بینر لگے تھے۔

ایک سبز سے گیٹ کے باہر جلی ہوئی موم بتیوں اور دیپوں کی باقیات' پھولوں کی پتیاں' ٹہنیاں بکھری تھیں۔ ہم لوگ ڈھوک کشمیریاں کے اس گھر میں داخل ہونے لگے۔ جس کی ڈیوڑھی میں ایک میز پر ڈھیروں گلدستے پڑے تھے۔ وہیں ایک لانبے قد کی نحیف بی بی ململ کے سفید ڈوپٹے میں اپنا سر ڈھانپے سب سے گلے ملنے لگیں۔

''میرے عامر کی مہمان آئی ہیں''

''میرے عامر دیاں پرونیاں۔ آؤ آؤ۔ بسم اللہ۔ اندر آ جاؤ۔ اینی گرمی وچ آئیاں او۔ پکھے تیز کر دیو۔ اِک پکھا ہور لا دیو۔ میرے عامر دیاں مہماناں نوں''۔

یہ ماں بہت حوصلہ مند تھی۔ باتیں سنا رہی تھی۔ سامنے بیٹھا عورتوں کا ہجوم سبحان اللہ سبحان اللہ پکار رہا تھا۔ یہ کیا موت والا گھرانہ ہے' ان کا اکلوتا جوان بیٹا دیارِ غیر میں شہید کر دیا گیا' ظالموں نے تشدد سے مار کر اس پر ''خودکشی'' کا الزام لگا کر اس کی لاش پاکستان بھجوا دی۔ سامنے بھی وہ مائیں بیٹھی تھیں جن کے جوان مقبوضہ کشمیر میں شہید ہوئے اور انہیں ان کے کفن پوش چیتھڑے بھی دیکھنے نصیب نہ ہوئے۔ خواتین کو شربت' پانی' بلکہ چائے پلائی جا رہی تھی۔ باجی! مجھے آپ کے توسّط سے پاکستانی عوام پاکستان کی حکومت سے کچھ سوال پوچھنے ہیں کہ جب کسی کا عزیز دیارِ غیر میں شہادت پاتا ہے تو پھر اس کی تدفین کا فیصلہ حکومت کیوں کرتی ہے کہ کہاں دفن ہو؟ ہمیں پہلے بتایا گیا کہ پنڈی جنازہ آئے گا۔ مگر اچانک فیصلہ ہوا۔ لاہور ائرپورٹ پر اترے گا' ہم نے چاہا لاہور جائیں تو حکم ہوا' سارو کی

جاؤ۔ سارو کی ہمارا ددھیال ہے مگر وہاں سے ہمارے اکثر عزیز نقل مکانی کر چکے ہیں۔ ہم حافظ آباد کو ترجیح دیتے۔ ویسے اباجی چاہتے تھے پنڈی یا اسلام آباد میں قبر بنے۔ میرے بھائی کا خط جو اَب وصیت نامہ بن چکا ہے، اس میں اس نے واضح لکھا ہے کہ اوّل تو اسے جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ نہیں تو شہر کے کسی بڑے قبرستان میں جہاں بہت سے لوگوں کی آمد و رفت رہے۔ جب سارو کی کا حکم آیا تو میرے اباجی دو عزیزوں کے ساتھ شام کے وقت سارو کی کے لیے روانہ ہو گئے۔ ساتھ لے جانے والوں نے یہی رائے دی کہ اسے وہاں امانتاً دفنایا جائے۔ اسی رات یہاں باہر گلی میں لوگوں نے بتایا کہ چوک میں کھڑی پولیس کو پوچھا جا رہا ہے۔ وہ بوڑھا پروفیسر گھر سے غائب ہے، کدھر گیا۔ گھر میں بھی پوچھنے آئے کہ وہ گھر سے کیوں گئے ہیں، کدھر گئے ہیں۔ اس وقت ہمیں اباجی کی فکر لگ گئی کہ اب کہیں راستے میں نہ روکے جائیں، ہم ماں کو سنبھالنے لگ گئیں کہ غم تو ایک طرف، اب گھر میں جیسے ایک خوف آیا ہے۔ حالانکہ ہم تو مسلمان ہیں، اسلامی کنٹری میں ہیں، پھر یہ پوچھ گچھ کیسی۔ صبح جب ہم روانہ ہوئے تو ہمیں ایک سرکاری گاڑی کی پیش کش ہوئی مگر ہم ایک کزن کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ اس حالت میں کہ ہمارے اردگرد سرکاری بلکہ سیکورٹی کی گاڑیاں تھیں، ہم درمیان میں تھے۔ پہلی بار احساس ہوا کہ ہم قید کر دیے گئے ہیں یا ہم اپنے بھائی کے بعد آزاد نہیں ہیں۔ کیا شہید کی غم زدہ ماں اور بہنوں سے یہ سلوک جائز تھا؟ سارو کی میں ایک ہجوم تھا۔ جانے کہاں کہاں سے لوگ اس گاؤں میں آئے تھے۔ خود ہی پانی کا انتظام کیا تھا بلکہ عورتیں ہمیں پانی پلا رہی تھیں، امی کو سنبھال رہی تھیں۔ آپ نے بھائی کو تابوت کے شیشے سے جھانک کر دیکھا؟ میں نے پوچھا۔

نہیں! تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا گیا تھا اور میرا بھائی اس میں مسکراتا ہوا نظر آیا، ہم نے امی کو دکھایا۔ اس کے چہرے، اس کی گردن پر کسی کھنچاؤ کا کوئی نشان نہ تھا۔ اس کا چہرہ بالکل نرم تھا۔ ہم نے تو گردن پر سے کفن سرکا کر دیکھا، ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اس کی آنکھوں تلے سیاہ حلقے تھے، جو تشدد کے باعث ہوں گے۔ کیا خبر وہ کتنی راتیں جاگا ہے۔ وہ شہید علم الدینؒ پر لکھی گئی کتابیں پڑھتا تھا۔

کسی نے کچھ بتایا کہ اس نے اخبار کے بیورو چیف تک پہنچنے کا کیسے سوچا اور کب یہ

منصوبہ بنایا؟

نہیں اس نے کسی پر کچھ ظاہر نہیں کیا، مگر ان دنوں وہ خاموش تھا، عبادت کرتا تھا، اخبار کا دفتر سترہ اٹھارہ منزلہ ہے۔ اس میں ساتویں منزل پر وہ دفتر ہے، وہ ساتویں منزل پر کیسے گیا، سیکورٹی والوں کو اس نے کیا کہا، کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ اس نے چاقو نکالا اور کہا: تم نے میرے حضور پاک ﷺ کے خاکے شائع کئے ہیں۔ چاقو چلا، سیکورٹی والوں نے اسے پکڑا اور قید کر دیا۔ اس کے بعد کے دنوں کا ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ اتنے دنوں کا نہ پاکستانی سفارت خانہ بتاتا ہے نہ وہاں کی پولیس۔

کوئی مقدمہ چلتا۔ کوئی گواہ ہوتا۔ چلئے اس نے علم الدین شہیدؒ کی طرح یہ مان لیا ہوگا کہ میں نے چھرا مار کر اس گستاخ رسول کو ختم کر دیا ہے، ہمیں کوئی کچھ تو بتائے۔ باجی! علم الدّین شہیدؒ کو امانتاً تیرہ دن کے لئے میانوالی جیل کے قبرستان میں دفن کیا گیا تھا، کہتے ہیں اس وقت ''زمیندار'' اخبار نے پورے مقدمے میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے تقریریں لکھی تھیں۔ انگریز کی حکومت تھی مگر تیرہ دن کے بعد اس کا جنازہ لاہور لایا گیا اور پوری شان سے اسے لاہور میں دفن کیا گیا۔ اب بتایئے میرے بھائی کا مقدمہ کون لڑے گا؟ ہمارے ہاں آنے والے کہتے ہیں: یہ شہید علم الدینؒ کے راستے پر چلا، مگر آج کوئی اخبار، کوئی لیڈر ''زمیندار'' اور علامہ اقبالؒ کے راستے پر چل سکتا ہے؟

مجھے شہیدؒ کے والد پروفیسر نذیر چیمہ سے بات کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے کہا: میں چاہتا ہوں میرے بچے کو جنت البقیع میں اگر وہ دوسرے ملک سے اجازت لینے کا مسئلہ ہے تو پھر اسلام آباد کی فیصل مسجد کے احاطہ میں دفنایا جائے۔ یہ اس عاشق رسولؐ کے شایان شان بھی ہے اور پھر وہاں ہمارے علاوہ اور لوگ بھی بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔

چلتے ہوئے کشور بی بی نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بھائی نے جو جرمن کے جیل میں دن کاٹے ہیں، اس کا سارا پروگرام دیا جائے وہ کیسے کمرے میں رہا۔ وہ وہاں کیا کرتا رہا۔ اس نے کیا کھایا۔ کیا اسے شروع ہی سے آہستہ آہستہ زہر دیا گیا اور آخر وہ کام کر گیا۔ ہمارا بھائی عاشق رسولؐ تھا۔ وہ خودکشی نہیں کر سکتا۔ ہم سب لوگ اپنی تسلی چاہتے ہیں اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہماری تسلی کرائے، ہمیں سکون دے۔

مجھے پنجاب حکومت سے شکوہ رہے گا کہ یہاں سکھوں کا شاندار استقبال کیا جاتا ہے' ایسے اداکاروں کی پذیرائی سرکاری سطح پر کی جاتی ہے' جو سٹیج پر چڑھ کر سب سے پہلا یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم ایک ہو جائیں اور تقسیم کی لکیر مٹا دیں' جو شرابیں پی کر یہاں میزبانوں کو گالیاں دیں۔ مگر ناموس رسالتؐ پر جان دینے والا اس شہر میں اترا تو اس کا جنازہ ہوا نہ استقبال اور جہاز سے نکال کر ہیلی کاپٹر میں ڈال کر ضلع لاہور سے باہر گوجرانوالہ کے سپرد کر دیا گیا۔۔۔کیوں۔۔۔؟؟

مگر عوام تھے کہ سڑکوں پر بیتابانہ گاڑیاں دوڑاتے' پیدل چلتے بلکہ ننگے پاؤں جنازے کو کندھا دینے سارو کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہجوم عاشقاں بن کر۔۔۔اس شہر کے نصیب میں یہ سب کچھ نہ تھا۔ روشن خیالی اپنی جگہ مگر اپنا ایمان بھی تو کوئی وزن رکھتا ہے اور عشق رسول پاک ﷺ میں تو ایسی کتنی روشن خیالیاں پاؤں کی دھول بھی نہیں بن پاتیں۔۔۔۔مگر وہی بات ہے ناں کہ

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے یہ "

(نوائے وقت' لاہور' ص 6' 26 مئی 2006ء)

نوائے وقت میں ''ناتمام'' کے عنوان سے کالم لکھنے والے ہارون الرشید صاحب کا اس ضمن میں کالم بھی قابلِ مطالعہ ہے۔ آپ نے اپنا سوز و دردیوں ظاہر کیا ہے:

''عامر شہیدؒ''

مغرب ہم مسلمانوں کو سمجھ نہیں سکتا۔ شاید وہ ہمیں سمجھنا چاہتا ہی نہیں' صرف برتنا اور پامال کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں' ہمارے ایمان' اس ایمان سے پھوٹنے والی امنگوں اور ایقان سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس ایمان' ایقان اور امنگوں کے بغیر ہم کیا ہوں گے۔ کیا اس زندگی سے موت اچھی نہیں جو ہمیں قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی محبت سے محروم کر دے۔ اگر ہم میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہے تو اس میں غازی علم دین شہیدؒ اور عامر چیمہ شہیدؒ ایسے لوگوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ہر اُس شخص کی گردن پر جو اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ پر' یوم آخرت پر اور خود خدا پر ایمان رکھتا ہے' عامر چیمہ کا کبھی نہ ختم ہونے والا احسان ہے۔ وہ

احسان جو کبھی تمام نہ ہوگا اور دائم ہماری گردنوں پہ رہے گا۔ ہم اس کے شکر گزار اور احسان مند ہیں کہ اس نے ہماری طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔ اس شہیدؒ نے ہمیں ثروت مند کر دیا اور ہمیں ادراک ہوا کہ اس راکھ میں ابھی چنگاریاں باقی ہیں۔ تاہم کیا عجیب ہے کہ کبھی ان چنگاریوں سے الاؤ روشن ہو۔ پھر ایک کے بعد دوسری قندیل' حتیٰ کہ چراغاں ہو جائے۔ ہم سے مغرب کا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی فلاں اور فلاں آیات سے دستبردار ہو جائیں اور اپنے بچوں کو ان کی تعلیم نہ دیں۔ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے ایک اجلاس میں میاں محمد نواز شریف نے ایک بار کہا تھا: اگر ایک دن وہ ہم سے یہ کہیں کہ تم کلمہ پڑھنا چھوڑ دو تو کیا ہم چھوڑ دیں گے۔ لیکن نواز شریف اور بینظیر بھٹو سمیت تقریباً ہماری تمام تر اشرافیہ مغرب سے خوف زدہ ہے اور اسے راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ ابھی حال ہی میں توہین رسالت کے مسئلہ پر انسانوں کے ہزاروں ہجوم گھروں سے امنڈ کر شاہراہوں پہ نکلے اور نون لیگ کی قیادت پوری یکسوئی سے ان میں شامل ہوئی تو نواز شریف نے پیغام بھیجا کہ لیگی لیڈر اعتدال اور احتیاط سے کام لیں۔ کسی اور نے نہیں' ان کے ایک قریبی ساتھی نے راز کی یہ بات بتائی اور وہ خوش نہ تھا۔

(البقرۃ: ۲۰۸)

قرآن کریم کا مطالبہ اور ہے ''ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً'' اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس سے مراد عمل کی کوتاہی نہیں۔ خامی اور خرابی' خامی اور خرابی ہی ہوتی ہے لیکن توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اللہ غفور الرحیم ہے۔ اصحابؓ کے ایک گروپ نے عالی مرتبت ﷺ سے ایک بار یہ کہا: ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ کسی گناہ کا ارتکاب نہ کریں گے۔ آنجناب ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس مفہوم کا جملہ ارشاد کیا: اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تمہیں برباد کر دے گا اور تمہاری جگہ نئے لوگ بروئے کار لائے گا' اس لئے کہ وہ معاف کرنا محبوب رکھتا ہے۔ آدمی کو خطا و نسیان سے بنایا گیا ہے اور پچھلے ایک ہزار برس کے سب سے بڑے عارف حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں یہ لکھا ہے: ایک ولی اللہ بھی ستر مرتبہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ کے بے پایاں کرم اور توبہ کے دائم کھلے دروازے کو جواز بنا کر گناہ کو روش کر لیا جائے تو یہ جہل کی بدترین صورت ہے' جو لازماً تباہی پہ منتج ہو گی' ورنہ بخاری شریف کے مطابق سرکار ﷺ نے یہ کہا تھا: ابوذرؓ! جس نے کہا اللہ ایک

ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں، وہ جنت میں جائے گا۔ ان ابوذرؓ نے، جن سے زیادہ سچے آدمی پر آسمان نے کبھی سایہ نہ کیا، اس پر سوال کیا: یا رسول اللہ! خواہ اس نے چوری کی ہو اور وہ بدکاری کا مرتکب ہوا ہو۔ فرمایا: ہاں! خواہ اس نے چوری اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہو۔ صاحب صدق وصفا کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا اور پھر سے سوال دہرایا، ارشاد کیا: ہاں اخواہ ابوذرؓ کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ ظاہر ہے کہ توبہ درکار ہے اور پکی توبہ لیکن جہاں تک ایمان اور عقیدے کا تعلق ہے، اس میں رتی برابر انحراف کی گنجائش نہیں۔ دین کوئی درخت نہیں کہ جس کی زائد شاخیں آپ تراش دیں یا جس کی ٹہنیوں پر آپ جنیٹک انجینئرنگ کے تجربات کریں۔ عمل کی کوتاہی ایک دوسری چیز ہے۔ اس کا تعلق افتادِ طبع سے ہوتا ہے، تربیت کی کمزوری، ماحول کی خرابی، ادراک اور عرفان کی کمتری سے، لیکن وحی پر استوار عقیدے کو پوری طرح قبول کرنا ہوتا ہے اور زبان سے نہیں دل سے۔ پروفیسر احمد رفیق اختر نے ایک دن یہ کہا: بندہ ہزار غلطی کر کے بندہ ہی رہے گا مگر اللہ ایک بھی غلطی کرے تو اللہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس کی کتاب اس جملے سے آغاز ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ کتاب جس میں ہرگز کوئی شک نہیں۔ اب اس کتاب کو پڑھو اور اختیار کر لو یا اس کتاب کو پڑھو اور اگر کوئی دلیل رکھتے ہو تو مسترد کر دو۔ مگر پھر وہ اپنے بندوں سے پوچھتا ہے: کیا تم ان بے شمار آیات ایسی ایک آیت بھی تخلیق کر سکتے ہو اور یہ ارشاد کرتا ہے: اگر تم دلیل اور قوت رکھتے ہو تو زمینوں اور آسمانوں کی ان قطاروں سے نکل جاؤ۔

نہیں! ہم کوئی دلیل اور کوئی طاقت نہیں رکھتے۔ ہم سر جھکاتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے جھکاتے ہیں۔ قرآن اس دین کی جڑ اور اللہ کے آخری رسول ﷺ اس کا تنا ہیں۔ جڑ کاٹی جا سکتی ہے اور نہ تنے پہ کلہاڑا چلانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ جو اس شجر پہ کلہاڑا چلانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ ہماری گردنوں پہ چلاتے ہیں اور کون ہے جو اپنی گردن کلہاڑے کیلئے پیش کرے۔ سرکار ﷺ کا فرمان یہ ہے: ''ھو المعطی وانا القاسم'' وہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا۔ اقبال نے کہا تھا: دنیا میں جہاں کہیں روشنی ہے وہ مصطفیٰ ﷺ کے طفیل ہے یا مصطفیٰ ﷺ کی تلاش میں۔

ہم برصغیر کے مسلمانوں پر دوہری ذمہ داری ہے اور اس کا سبب عالی مرتبت ﷺ کا

ایک ارشاد ہے: ہند کے ساحلوں سے مجھے خوشبو آتی ہے۔ اسلامی تہذیب کے بس دو ہی ستون ہیں: اللہ اور ان کے آخری رسول ﷺ۔ اگر ہم ان ستونوں کو منہدم کرنے کی اجازت دیں گے تو اپنی آخرت برباد کر لیں گے اور دنیا بھی۔ اس کرہ خاک پہ ہمارے وجود کا جواز ہی باقی نہ رہے گا۔

عامر شہیدؒ کے مرقد پہ تا ابد نور برستا رہے، اس کے جنازے میں شریک ہونے والے لاکھوں افراد مذہبی جنونی نہ تھے۔ ان میں اکثر مذہبی جماعتوں کے ووٹر نہیں، بلکہ نواز شریف اور بینظیر کے حامی ہیں۔ یہ الگ بات کہ امتحان کے ہنگام یہ لوگ اللہ نہیں، امریکہ کی طرف دیکھتے ہیں اور اسی لیے خوار وزبوں ہیں۔

ہم کب اس کی طرف دیکھیں گے۔ عامر شہیدؒ کا مزار یہ سوال ہم سے پوچھتا ہے اور ہمیشہ پوچھتا رہے گا۔'' (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 3، 16 مئی 2006ء)

قاضی حسین احمد سربراہ مجلس عمل اور امیر جماعت اسلامی نے کہا کہ:

عامر چیمہ نے پوری امتِ مسلمہ کی طرف سے فرض ادا کر دیا ہے، وہ ہمارے لیے قابلِ فخر ہے، اس کی شہادت نے امت کے ہر نوجوان کو نئے جذبے سے سرشار کر دیا ہے۔ خودکشی جیسے حرام فعل کو اس سے منسوب کرنا انتہائی ظلم اور ناانصافی کی بات ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 1، 10 مئی 2006ء)

وفاقی وزیر ریلوے شیخ رشید احمد نے عامر چیمہؒ کے والد سے ان کے گھر جا کر تعزیت کرتے ہوئے کہا:

مغربی ممالک میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت پر پوری امتِ مسلمہ رنجیدہ ہے۔ موجودہ صورتِ حال میں مغربی میڈیا کی یلغار کا مقابلہ کرنے کیلئے، ہمیں فکر وتدبر سے کام لینا ہوگا۔ (روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 1، 10 مئی 2006ء)

متحدہ مجلس عمل سمیت دیگر مذہبی جماعتوں اور تنظیموں نے عامر چیمہؒ کی شہادت کے حوالے سے جمعہ 24 مئی 2006ء کو بطور یومِ احتجاج منانے کا اعلان کیا۔ یہ احتجاج حکومتی غفلت کے خلاف ہوگا۔ مجلس عمل کے پیر اعجاز ہاشمی اور حافظ حسین احمد نیز مولانا امجد خاں نے کہا:

جرمن حکومت کی طرف سے عامر چیمہ کی میت واپس کرنے میں تاخیر نے معاملات کو مشکوک بنا دیا ہے۔ حکومت کو اب خاموشی کو توڑنا ہوگا اور جرمن حکومت سے شدید احتجاج کرنا ہوگا۔ دریں اثنا جمعیت علمائے پاکستان کے سربراہ شاہ فرید الحق، صدر مفتی ہدایت اللہ پسروری اور شاہ انس نورانی (و دیگر رہنماؤں) نے حکومت کی طرف سے عامر عبد الرحمٰن چیمہ شہیدؒ کی میت کو وطنِ عزیز میں لانے میں تاخیر کو انتہائی غلط اور عوام کے جذبات سے کھیلنے کے مترادف قرار دیا۔ اُنہوں نے اعلان کیا کہ آج پورے پنجاب میں یومِ شہداء منایا جائے گا۔ ادھر اسلامی جمعیتِ طلبہ راولپنڈی شہر آج اقوامِ متحدہ کے دفتر کے سامنے مظاہرہ کرے گی۔ کارکنانِ جمعیت اقوامِ متحدہ کے دفتر کے سامنے اکٹھے ہو کر اپنا احتجاج ریکارڈ کرائیں گے۔ عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت (نے بھی) پورے ملک میں یومِ احتجاج منانے کا اعلان کر دیا۔ تمام ضلعی ہیڈ کوارٹرز پر جلسے، جلوس اور مساجد میں اس حوالے سے مذمتی قرار دادیں منظور کی جائیں گی۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 8 نیز بقیہ ص 5۔24، 12 مئی 2006ء)

پاکستانی اخباروں میں پاکستان میں جرمنی کے سفیر ڈاکٹر گنڈ مولیک کا ایک بیان شائع ہوا ہے، جو عامر شہیدؒ کے حوالے سے اہم ہے۔

خبر کے مطابق: پاکستان میں مقیم جرمن کے سفیر ڈاکٹر گنڈ مولیک نے پاکستانی باشندے عامر چیمہ کی شہادت کی وجہ سے پاکستان کے مختلف حصوں میں پیدا ہونے والی صورتِ حال اور جرمن کے خلاف عوامی ردِ عمل کے بارے میں رپورٹ جرمن حکومت کو بھجوا دی ہے۔ سفارتی ذرائع نے بتایا کہ جرمن سفیر نے جرمن حکومت سے کہا ہے کہ عامر کی جرمن حکام کے ہاتھوں مبینہ تشدد کی ہلاکت کے خلاف عوامی ردِ عمل میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ جس سے دونوں ملکوں کے تعلقات متاثر ہو سکتے ہیں، لہٰذا جرمن حکومت مسئلے کے حل کیلئے سفارتی ذرائع کو تیز کرے اور اعلیٰ سطح پر حکومتِ پاکستان کے ذمہ داران سے بات کی جائے کیونکہ مذہبی حوالے سے عامر چیمہ کی شہادت کو سامنے رکھتے ہوئے سیاسی و دینی جماعتیں اپنے احتجاج میں مزید بہتری لا سکتی ہیں۔ یاد رہے کہ عامر چیمہ کی شہادت کے خلاف آج جمعہ مذہبی جماعتوں نے احتجاج کی دھمکی دے رکھی ہے۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 8، 12 مئی 2006ء)

ایک اہم رپورٹ حکومت کی طرف سے بھی ہے، جس کے مطابق وزیر مملکت برائے اطلاعات طارق عظیم، وزیر اعظم شوکت عزیز کا تعزیتی پیغام لیکر عامر چیمہ شہیدؒ کے گھر جاتے ہیں۔

"وزیر مملکت برائے اطلاعات طارق عظیم نے کہا ہے کہ عامر چیمہ پر کسی قسم کا کوئی جرم ثابت نہیں ہوا تھا، جرمن جیل میں اسکی ہلاکت جرمن حکومت اور انتظامیہ کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ جدید ترین کیمروں کی موجودگی میں اس کی موت کی ذمہ داری جرمن حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ ہم جرمن حکومت کی طرف سے کی جانے والی کسی بھی تحقیق کو قبول نہیں کریں گے بلکہ ہماری جو ٹیم تحقیقات کے لیے گئی ہے اس کی رپورٹ کی روشنی میں اقدامات کئے جائیں گے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے عامر چیمہ کی رہائش گاہ پر اُن کے والد پروفیسر نذیر چیمہ سے تعزیتی ملاقات کے بعد صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ وزیر مملکت نے کہا کہ میں یہاں وزیر اعظم کی طرف سے تعزیتی پیغام لیکر آیا ہوں۔ چودھری شجاعت حسین بھی یہاں آئیں گے۔ اُنہوں نے کہا: ہم جرمن حکومت یا جیل انتظامیہ کی رپورٹ پر انحصار نہیں کریں گے بلکہ اپنی رپورٹ ہی کو اہمیت دیں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ آئندہ بہتر گھنٹوں کے اندر عامر چیمہ کا جسدِ خاکی پاکستان پہنچ جائے گا۔ جسدِ خاکی لاہور بھی آ سکتا ہے اور اسلام آباد بھی، یہ فلائیٹ پر ڈیپینڈ کرتا ہے۔ حکومت عامر کی نمازِ جنازہ سمیت دیگر معاملات میں ہر ممکن مدد کرے گی، بلکہ انتظامات حکومت کی طرف سے ہی کیے جائیں گے۔ سعودی عرب میں میت دفنانے کے حوالے سے کئے جانے والے ایک سوال کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ ہم جسدِ خاکی یہاں لاکر والدین کے حوالے کر دیں گے، پھر اُن کی مرضی وہ جہاں چاہیں اس کو دفنائیں۔ حکومت کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ عامر کے حوالے سے جرمن حکومت نے بروقت مطلع نہیں کیا۔

(روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص 8، بقیہ نمبر 20 بر صفحہ 5، 12 مئی 2006ء)

عامر چیمہ کی شہادت کے بعد صوبہ سرحد کی صوبائی اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک قرار داد منظور کی، جس میں حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ عامر چیمہ شہیدؒ کی شہادت پر جرمنی

سے تعلقات ختم کیے جائیں:

''سرحد اسمبلی نے جرمنی میں عامر چیمہؒ کی پولیس حراست میں ہلاکت کی مذمت کرتے ہوئے وفاقی حکومت سے معاملہ کو عالمی عدالتِ انصاف میں لے جانے اور جرمنی سے فوری طور پر تعلقات ختم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ایم۔ایم۔اے کی اراکین، زبیدہ خاتون اور شگفتہ ناز نے ایک جیسی قرارداد یں پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ اسمبلی جرمنی میں پولیس کی حراست میں عامر چیمہؒ کی ہلاکت کی مذمت کرتی ہے اور وفاق سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائیں اور جرمنی کی حکومت سے سفارتی تعلقات ختم کرتے ہوئے معاملہ کو عالمی عدالتِ انصاف میں لے جایا جائے۔قرارداد میں یہ مطالبہ بھی پیش کیا گیا کہ شہید عامر چیمہؒ کو سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے۔ایوان نے اس قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کرلیا۔'' (روزنامہ ایکسپریس، فیصل آباد، ص اوّل، 12 مئی 2006ء)

فیصل آباد پریس کلب کے حمید نظامی ہال میں منعقدہ عامر چیمہ شہیدؒ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے (ٹیلی فونک خطاب میں) حمید گل نے کہا: عامر چیمہ نے اسلام کی خاطر جان دے کر ثابت کردیا ہے کہ اسلام کے نام لیوا اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کسی بھی توہین آمیز حرکت کا جواب دے سکتے ہیں۔عامر چیمہ شہیدؒ نے جرمنی کے اخباری ایڈیٹر پر حملہ کر کے کوئی زیادتی نہیں کی۔اس اجلاس میں معروف صحافی مجیب الرحمان شامی نے کہا: آزاد ملک ہونے کے باوجود جرمنی میں عامر چیمہؒ کی 44 روز تک گرفتاری کے دوران حکومت کے کسی بھی عہدہ دار نے جرمن حکومت یا سفارت کار سے رابطہ نہیں کیا۔اسلام کے ہیرو عامر چیمہ شہیدؒ کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا جو حکومت کی ہٹ دھرمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 8 بقیہ 8، 11 جون 2006ء)

جماعت اہل سنت پاکستان، فیصل آباد کے زیر اہتمام جامع مسجد خضرا پیپلز کالونی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں عامر عبد الرحمٰن چیمہ شہید'' کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔اس میں پیر غلام سرور ساقی نے کہا کہ عامر چیمہ شہیدؒ نے غیروں کے دیس میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان ہو کر ایوانِ کفر میں لرزہ پیدا کر دیا ہے۔مولانا غلام یاسین سالک نے کہا کہ ہم غازی چیمہؒ کے خون سے وعدہ کرتے ہیں کہ

تحفظِ ناموسِ رسالت کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 4 کالم 1، 25 جون 2006ء)

احمد کمال نظامی فیصل آباد کی صحافتی پہچان ہیں۔حالاتِ حاضرہ پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے۔انہوں نے اپنے ایک کالم میں امام مہدی ہونے کے جھوٹے اور قاتل دعویٰ دار شہباز کاذب کی تکذیب کرتے ہوئے عاشقِ مصطفیٰ ﷺ عامر چیمہ شہیدؒ کے حضور زبردست خراجِ تحسین وعقیدت پیش کیا ہے۔شہباز کاذب برطانوی شہریت رکھتا ہے۔اُسے موت کی سزا سنائی جاچکی ہے اور وہ سنٹرل جیل فیصل آباد میں قید ہے۔گذشتہ دنوں برطانوی قونصلیٹ کے ایک رکن مسٹر ڈیوڈ وال نے جیل میں کاذب شہباز سے دو گھنٹہ تک ملاقات کی ہے۔برطانیہ میں کاذب شہباز کے پشت پناہ اس کی قانونی وسفارتی مدد میں کوشاں ہیں۔یہ صورتِ حال دیکھتے ہی احمد کمال نظامی کا دل تڑپ اُٹھا اور انہوں نے لکھا:

''برطانوی قونصلیٹ ڈیوڈ وال کی طرف سے فیصل آباد سنٹرل جیل میں آکر اپنے پاکستانی نژاد شہری کے ساتھ دو گھنٹے کی ملاقات دیکھ کر میں سوچتا ہوں کہ اگر جرمنی میں پاکستان کے سفیروں نے پاکستانی طالب علم عامر عبد الرحمٰن چیمہؒ کے اخبار کے ایڈیٹر پر قاتلانہ حملے کی کوشش میں پکڑے جانے پر اسے جیل میں بے یارومددگار نہ چھوڑا ہوتا تو جرمن ناموسِ رسالت پر مرمٹنے کا جذبہ رکھنے والے عامر چیمہؒ پر کبھی سفاکانہ تشدد نہ کرتے۔عامر چیمہ شہیدؒ کو پاکستانی سفارت خانے نے سفارتی اور قانونی مدد فراہم کی ہوتی تو پاکستان اپنے اس مایہ ناز سپوت سے ہرگز محروم نہ ہوپاتا۔مغربی ممالک نے عامر چیمہؒ سے یقیناً اس پہلو پر تفتیش کی ہوگی کہ اس نے ان کے اخبار کے ایڈیٹر پر کس تنظیم کے اشارے پر حملہ کیا۔عامر چیمہؒ نے یہ حملہ کسی تنظیم کے اشارے پر نہیں کیا تھا۔یہ حملہ اس کی اپنی قوتِ ایمانی اور اس کی حُبِ رسول ﷺ کا مظہر تھا۔عامر چیمہ نہ تو القاعدہ کا رکن تھا اور نہ طالبان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق تھا اور اگر جرمنی کی تفتیشی ایجنسیوں نے اس کو اذیت دے کر القاعدہ اور طالبان یا اس قسم کی جہادی تحریکوں کے حوالے سے اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش میں اسے ہلاک کیا ہے تو یہ عامر چیمہؒ کے لیے اور اس کے خاندان کے لئے بلکہ پورے پاکستان کے لیے اعزاز کی بات تھی۔عامر چیمہ کی موت عام آدمی کی ہلاکت نہیں

تھی۔ وہ محبِ رسول ﷺ گستاخ رسولؐ پر حملہ کر کے پس دیوارِ زنداں پہنچا تھا اور میرے اس دَور کا غازی علم دین شہید تھا، لہٰذا وہ بھی شہادت سے سرفراز ہوگیا۔ ایک وہ ہیں جو کاذب شہباز کو موت کے منہ سے بچانا چاہتے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ قوم کے ایک ہیرو اور ایک شہید کو اس کا پسندیدہ خاکی لباس پہنانے سے بھی گریزاں ہیں''۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ص 10، 25 جون 2006ء)

قارئینِ محترم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم نے پاکستان کے ایک آدھ محدود علاقے کی چند خبریں چند اخبارات سے نقل کی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ پورے ملک میں اس موضوع پر احتجاجات کی کیا صورت رہی ہوگی .... بلکہ کسی حد تک یہی صورت دنیا کے دیگر اسلامی ممالک یا دوسرے ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے جذبات کی رہی۔

سچّے خواب

حدیثِ پاک میں مومن کے خواب کو نبوّت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں اور شیطانی دسترس سے پاک بھی۔ عالمِ غیب سے بندے کو جو پیغامات موصول ہوتے ہیں، اُس کا سب سے بڑا ذریعہ تو وحیِ الٰہی ہے، جس کا سلسلہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ختم ہوگیا۔ اللہ کریم اپنے پیارے بندوں کو مختلف ذریعوں (القاء، الہام، رفعِ حجاب و کشف وغیرہ) سے بعض احوال و کوائف سے آگاہ کرتا ہے، ان میں سے ایک ذریعہ رویائے صالحہ بھی ہے۔

حضرت عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ کے متعلق بھی لوگوں نے بہت سے خواب دیکھے۔ کچھ اخبارات و رسائل کی زینت بن کر خواص و عوام تک پہنچے اور کچھ منتظرِ اشاعت ہیں۔ ان خوابوں سے عامر شہیدؒ کی عظمت صاف ظاہر ہوتی ہے۔

خودکشی نہیں کی

فیصل آباد کے ایک شخص نے مجھے اپنا یہ خواب عامر چیمہ شہیدؒ کی میت پاکستان پہنچنے سے بہت پہلے سنایا تھا۔ اُن کے بقول:

میں نے 5 مئی بروز جمعۃ المبارک کی شب ایک خواب دیکھا۔ ایک بہت بڑا میدان

ہے، جس میں ہر طرف لوگ ہی لوگ ہیں۔ بہت نورانی شکلوں والے بھی اور عام عوام بھی۔ تا حدِ نگاہ لوگوں کا رش ہے۔

اس مجمع کے درمیان میں ایک لکڑی کی بہت بڑی اور بہت خوبصورت میز ہے۔ اس پر ایک نوجوان کی میت رکھی ہوئی ہے۔ اس میت کا چہرہ بہت خوبصورت، نورانی اور وجیہ ہے۔ سب کہتے ہیں کہ یہ عامر عبدالرحمٰن چیمہ کی میت ہے۔ مجمع میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شہید کی لاش ہے، لیکن کچھ کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح بات معلوم نہیں۔ خبروں میں تو خودکشی کا بتایا گیا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے سارا مجمع صحیح صورتِ حال جاننے کے لیے بے تاب ہے۔ اتنے میں عامر عبدالرحمٰنؒ میز پر اُٹھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور گرجدار آواز میں کہتے ہیں: کون کہتا ہے میں نے خودکشی کی ہے؟ نہیں نہیں، میں نے خودکشی نہیں کی۔ دیکھو میں تمہیں ایک ثبوت دیتا ہوں۔ تم جانتے ہو شہید زندہ ہوتا ہے اور خودکشی کرنے والا مردہ۔ دیکھو میں زندہ ہوں، میں زندہ ہوں تو تم سب لوگوں سے باتیں کر رہا ہوں۔ میں بتا رہا ہوں کہ میری خودکشی کی خبر جھوٹی ہے۔ شہید نہ مرتا ہے نہ جھوٹ بولتا ہے۔ کہو اب تمھیں میری شہادت کا یقین آ گیا۔ پھر وہ مسکراتے ہوئے دوبارہ لیٹ جاتے ہیں اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

شہید زندہ ہے

ڈاکٹر امانت علی مشہور آئی سپیشلسٹ ہیں۔ سرزمینِ گوجرہ کو ایسے ہی بیٹوں پر ناز ہے۔ آپ پابند صوم و صلوٰۃ، درود خواں اور حافظِ قرآن ہیں۔ طبیعت میں فروتنی، درویشوں سے پیار، فقرا کی خدمت اور اولیا کی محبت بدرجہ اَتم ہے۔ عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ انھوں نے مجھے اپنے دو خواب سنائے، اُن کی اصل تحریر راقم کے پاس محفوظ ہے: انھوں نے زبانی یہ خواب سنائے بھی۔

انھوں نے فرمایا کہ 18 مئی 2006ء کی رات میں نے خواب دیکھا۔ (اس خواب سے پہلے، اُنھیں اللہ کریم نے حضرت غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ کے جنازے میں شرکت کی سعادت عطا کی ہوئی تھی۔ ساروکی سے واپس آ کر اکثر عامر شہید کی سوچ ذہن میں رہتی۔ اسی پس منظر میں 18 مئی 2006ء کو انھوں نے یہ خواب دیکھا، اُنھی کے لفظوں میں):

میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ لوگوں کا ہجوم ہے اور درمیان میں حضرت عامر شہیدؒ کا تابوت مبارک رکھا ہوا ہے، میں بھی زیارت کے لیے قریب جاتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ شہید زندہ لوگوں کی طرح لیٹا ہوا ہے اور سانس لینے کی حرکت سینہ مبارک سے واضح نظر آ رہی ہے۔ زندگی کی تمام رعنائیاں اور حرکات و سکنات موجود ہیں۔ میں بطور ڈاکٹر دیکھتا ہوں کہ وہ زندہ ہیں۔ پھر میں سوچتا ہوں کہ واقعی شہید تو ہوتا ہی زندہ ہے۔ انھی خیالوں میں ہوتا ہوں کہ خدا کا خاص کرم ہوتا ہے اور حضرت عامر شہید مجھے گلے سے لگا لیتے ہیں، پھر یہ خواب ختم ہو جاتا ہے۔

دربارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گلِ سرسبد

یہ خواب بھی ڈاکٹر امانت علی صاحب نے دیکھا، اُن کے بقول:

پہلے خواب کے چند دن بعد یعنی 22 مئی 2006ء کو میں سویا، تو مجھ پر اللہ جل شانہ، کا خاص الخاص کرم ہوا۔ مجھے خواب میں نبی آخر الزماں، محبوبِ رحماں، کونین کی جانِ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبرِ اطہر کی زیارت ہوئی۔ قبرِ اطہر پر بہت سے پھول اور گلاب کی پتیاں ہیں۔ درمیان میں ایک بہت ہی خوبصورت گلدستہ ہے، اس گلدستے کا رنگ سنہری ہے، اس گلدستے کے درمیان میں عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ کا نام سرخ روشنائی سے تحریر کیا ہوا ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے اللہ کریم نے عامر شہیدؒ کی زندگی کو حسین گلدستہ بنا کر اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیش کر دیا ہو۔

شہیدؒ کی طرفداری اور نازی رویّہ

شبلی ڈیپارٹمنٹل سٹور، گوجرہ کے پروپرائیٹر عارف شبلی نے راقم کو اپنا یہ خواب یوں سنایا:

میں نے خواب دیکھا کہ جیسے میں جرمنی میں ہوں اور یہاں حضرت عامر چیمہ شہیدؒ کی یاد میں ایک بہت بڑی ریلی نکالی گئی ہے۔ میں بھی اس ریلی میں شرکت کرتا ہوں۔ اس ریلی میں بے شمار لوگ موجود ہیں اور ہر عمر کا انسان شریک ہے لیکن سفید داڑھیوں والے بزرگ نسبتاً بہت زیادہ ہیں۔

اس ریلی کے دونوں جانب جرمن پولیس کی ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ اس پولیس میں گھڑ سوار پولیس والے بھی ہیں، موٹر سائیکلوں پر سوار بھی اور پیدل پولیس کی ایک بڑی تعداد بھی ہے۔ ریلی کے سب لوگوں نے مختلف کتبے اُٹھا رکھے ہیں، جن پر عامر شہید کی عظمت کو سلام کیا گیا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ سب خاموش احتجاج کر رہے ہیں لیکن بولتا کوئی نہیں، پولیس کی دہشت سے سبھی خاموش ہیں۔ اتنے میں میں چلّا کر کہتا ہوں کہ احتجاجی بینر بھی ٹھیک ہیں لیکن زبانی احتجاج بھی کیا جائے۔ کوئی تو ہو جو عامر چیمہؒ کے حق میں بات کرے۔ کوئی تو ہو جو رسولِ پاک ﷺ کے، اس دَور کے سب سے بڑے عاشق کیلئے زبان کھولے۔ سب چپ رہتے ہیں۔ بینروں کے بانس پکڑے، سر نیہوڑائے چپ چپ چلے جاتے ہیں۔ ساتھ ساتھ جرمن پولیس بھی جا رہی ہے۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ بھائیو! مظاہرہ ٹھیک ہے لیکن بولو بھی، آواز بھی اُٹھاؤ، یہ بھلا کیسی ریلی ہوئی، چپ چاپ۔ اتنے میں خوفزدہ لوگوں میں سے صرف اور صرف ایک آدمی بولتا ہے۔ وہ باآوازِ بلند عامر چیمہؒ پر ہونے والے ظلم کو بیان کرتا ہے، انصاف کے لیے چیختا ہے۔ اس آدمی کی داڑھی سفید ہے، پولیس اُسے گھیرے میں لے لیتی ہے، اُسے چپ رہنے کے اشارے کرتی ہے لیکن وہ ہر انجام سے بے نیاز ہو کر بولتا رہتا ہے، اور کافی بولتا ہے۔ پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

اس خواب کی صحیح تعبیر تو کوئی عالمِ دین معتبر ہی بیان کر سکتا ہے، لیکن اس عاجز (راقم افضال احمد انور) کے ذہن میں عارف صاحب کا یہ خواب سنتے ہی یہ خیال آیا کہ جیسے اس ریلی سے مراد آج کا خوفزدہ اور دشمنوں کی سازشوں میں گھرا ہُوا عالمِ اسلام ہے، جو ہر ناحق بات پر تڑپ اُٹھتا ہے اور بس۔ مجبوریوں، مفادات اور محرومیوں کا شکار کوئی شخص، صرف آہ بھر کر چپ ہو رہنے کے سوا کر بھی کیا سکتا ہے۔ البتہ اُس سفید ریش بزرگ (جو عامرؒ کے حق میں تنہا آواز اٹھاتے ہیں) سے یقیناً پروفیسر محمد نذیر چیمہ ہی مراد ہو سکتے ہیں جو مظلوم عامر عبدالرحمٰنؒ کے مظلوم باپ ہیں۔ عامر چیمہ شہیدؒ کے معاملے میں جتنا صبر انھوں نے کیا اور جتنی سعیِ سعید انھوں نے کی، وہ صرف انھی کا حصہ ہے۔ اللہ کریم ان کے صاحبزادے کی اس بے مثال، عظیم الشان جاں نثاری کے تصدّق عالمِ اسلام کو ہر معاملے میں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے اور اس کا کھویا ہوا وقار، عالمی قیادت کا شرف اور قوت و استیلا کا غلبہ بحال

فرمائے۔ آمین، بجاہ نبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کے لیے بشارت

گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے شمشاد صاحب (گڑھ محلّہ گلی نمبر 1 ملحقہ مکان حنیف توکّلی صاحب) نے راقم سے بیان کیا کہ کچھ دن ہوئے انھوں نے خواب دیکھا' اُن کے بقول:

میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے' اُس میں بہت لوگ موجود ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے اللہ کے ولیوں کا مجمع ہے' میں بھی اس مجمع میں کھڑا بزرگ ہستیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اتنے میں آسمان سے ایک خاص قسم کی آواز آتی ہے' سب اپنا منہ اوپر کر لیتے ہیں۔ تب یہ آواز بہت واضح اور بلند ہو جاتی ہے' میں سنتا ہوں کہ آسمان سے کہا جا رہا ہے:

جن لوگوں نے عامر عبدالرحمٰن کی نمازِ جنازہ پڑھ لی ہے' وہ جنتی ہیں۔

پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ شکر ہے اللہ کریم کا جس نے مجھے حضرت عامرؒ صاحب کا یہ عظیم مقام و مرتبہ دکھایا۔

مرحبا! اے میرے بیٹے

غازی عامر چیمہ شہیدؒ کے ایک استاد محمد یحیٰی علوی صاحب (جن سے عامر گورنمنٹ جامعہ سکول فار بوائز راولپنڈی میں پڑھتے رہے) کا ایک خواب اخبارات و رسائل کے علاوہ کتابی دستاویز میں بھی شائع ہوا ہے:

" الحمدللہ! ہر جمعہ کی شب کو کم از کم پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر سونا میرے معمولات کا حصہ ہے۔ 4 مئی کو عامر چیمہ کی شہادت کا علم ہوا۔ رات کو معمول کے مطابق درود شریف پڑھ کر سو گیا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑے میدان میں ایک بلند سٹیج پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلفائے راشدین کی معیت میں تشریف فرما ہیں۔ اسی اثنا میں میدان کی دوسری جانب سے عامر شہیدؒ تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھتا ہے اور حضور پاک اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آغوش مبارک وا کر کے عامر کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "مرحبا! اے' میرے

بیٹے!"۔ پھر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز میں پکارا: "حسنؓ حسینؓ! دیکھو کون آیا ہے' میں اسے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ اس کا خیال رکھنا"۔

مرض کینسر سے افاقہ

پروفیسر محمد نذیر چیمہ صاحب نے محترمہ صابرہ شاہ صاحبہ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ بیالوجی گورنمنٹ کالج کوہاٹ کا ایک خواب سنایا (اصل تحریر پروفیسر چیمہ صاحب کے پاس ہے):

میں کینسر کی مریضہ ہوں' میں نے خواب میں دیکھا کہ عامر بیٹا مجھ سے کہہ رہا ہے:

آنٹی! کل تک آپ ٹھیک نہیں تھیں' مگر آج سے آپ ٹھیک ہیں۔

یقین کیجیے میرا علاج ایک دوسرے ڈاکٹر نے شروع کیا اور اب میں اللہ کے کرم سے ٹھیک ہو رہی ہوں۔ پروفیسر صاحبہ جب عامر کے کمرے میں گئیں تو انھوں نے عامر کی تصویر دیکھ کر کہا کہ ہاں' بالکل یہی بیٹا میرے خواب میں آیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ میں اب عامر بیٹے کے ایصالِ ثواب کے لیے عمرہ ادا کرنے سعودی عرب جا رہی ہوں۔

گلہ وفائے جفا نما

اللہ کریم جل مجدہٗ نے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس پر جاںنثاری کی سعادت عامر عبدالرحمٰن چیمہؒ کے مقدر میں لکھی تھی' وہ اُسے حاصل ہو کر رہی لیکن عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم واقعے میں بعض کو بعض سے بعض شکایتیں بھی ہیں۔ مثلاً جرمن حکومت سے عام شکایت ہے کہ اُس نے چالیس دنوں سے زیادہ عامر چیمہؒ کو مقدمہ چلائے بغیر جیل میں رکھا' اس کے برلن کے عزیزوں کو اُس سے ملنے نہ دیا گیا' اُس کی والدین سے کوئی بات نہ کرائی گئی' اُس کی شہادت کو خودکشی کی گمنامی میں چھپانے کی کوشش کی گئی' اُس کی میت کو بہت تاخیر سے پاکستان بھیجا گیا۔ ڈائی ویلٹ اخبار کے ایڈیٹر ہینرک بروڈر کی موت کی خبر کو چھپایا گیا۔ پاکستان کی طرف سے جو دو رکنی ٹیم پوسٹ مارٹم پراسس کے معائنے کے لیے بھیجی گئی' اُس کے ایک معزز رکن کو ہی پوسٹ مارٹم دیکھنے کی اجازت دی گئی' دوسرے معزز رکن کو اجازت ہی نہ دی گئی۔ اس ٹیم کو عامر چیمہؒ کے سیل کے

دوسرے قیدی سے ملنے کی اجازت بھی نہ دی گئی اور سوالات کے جوابات بھی نہ دیے گئے' وغیرہ وغیرہ' یہ نہیں چاہیے تھا۔ کچھ شکایتیں ڈاکٹر اجمل نیازی کے شعلہ بار قلم سے بھی صادر ہوئی ہیں:

''عامر چیمہ شہید کے جنازے میں کوئی اہم سرکاری آدمی نہ تھا تو کوئی غیر سرکاری اہم آدمی بھی نہ تھا۔ وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی کی نمائندگی صوبائی وزیر چودھری اقبال گجر اور چودھری وجاہت حسین نے کی۔ مگر وہ خود کیوں نہ آئے۔ یہ اعزاز ان کے صوبے کو مل رہا تھا تو وہ کیوں محروم ہوئے۔ جنرل پرویز مشرف کو بھی 13 مئی کو لاہور میں ہونا تھا۔ یہ بات خوش قسمتی بن سکتی تھی مگر وہ وٹرنری یونیورسٹی میں چلے گئے۔ تقریب ملتوی بھی ہوسکتی تھی۔ یہ حکومت پاکستان کا اعزاز تھا۔ پوری دنیا اس واقعے پر حیران ہوتی۔ پاکستان کا باوردی صدر کفن میں لپٹے ہوئے ایک زندہ شخص کا استقبال کرتا اور پھر اس کے جنازے میں شرکت کرتا۔ کفن بھی تو وردی ہے اور یہ ہر شخص نے پہننا ہے۔ عامر چیمہ شہید کو جنرل صاحب اپنے مخصوص انداز میں سلیوٹ کرتے۔ اسے 21 توپوں کی سلامی دی جاتی۔ گارڈ آف آنر پیش کیا جاتا۔ قومی جھنڈے میں لپیٹ کر اسے قبر میں اتارا جاتا۔ دنیا کو پیغام جاتا کہ قریۂ عشق محمد ﷺ اسلامی جمہوریہ پاکستان اپنے بیٹے کو عزت دے رہی ہے تو ہمارے حکمرانوں کی بھی عزت ہوتی۔ جنرل صاحب نے تو اپنا نمائندہ ہی نہ بھیجا۔ کوئی بتائے کہ عامر شہیدؒ ایرانی ہوتا تو کیا ہوتا۔ قومی غیرت کے بغیر حکومت کی کوئی وقعت ہے؟

قاضی حسین احمد کیوں نہ آئے۔ انہوں نے ناموس رسالتؐ کے جلوسوں کو جنرل پرویز مشرف کی حکومت گرانے کا بہانہ بنایا' مگر یہ حکومت تو قائم ہے۔ عامر چیمہ شہیدؒ کے جنازے کا جلوس قاضی صاحب کے ہر جلوس سے بڑا تھا۔ خدا نے ان کو ایک موقع دیا تھا۔ ہماری اپوزیشن کو بھی سیاست نہیں آتی۔ مذہبی سیاستدان مذہب اور سیاست کو یکجا نہ کرسکے تو پھر وہ یکتا کیسے ہوسکتے ہیں؟ صوبہ سرحد اسمبلی نے جرمنی سے سفارتی تعلقات ختم کرنے کی قرارداد منظور کی' مگر ایم ایم اے کی طرف سے کوئی قابل ذکر لیڈر نہ تھا۔ اکرم دُرّانی آتے' مولانا فضل الرّحمان آتے' لوگوں کا غم وغصہ جرمنی کی حکومت کے ساتھ ہے' مگر یہ ساری لہر حکومت پاکستان کی طرف چلی گئی ہے۔ حالانکہ اس کے ذمہ دار صرف نادان اور نااہل

اہلکاران ہیں۔ اگر شہیدؒ کے اہل خانہ اور عقیدت مندوں سے تعاون کیا جاتا تو کوئی قیامت نہیں آجانا تھی۔ اب تو گھر والوں اور اپنے لوگوں پر قیامت توڑ دی گئی ہے۔ اس کی ذمہ داری حکومت پاکستان پر آتی ہے۔ حکمرانوں نے اپنے لوگوں کو بہت دکھی کیا ہے۔ لوگوں کو سچے سکھ کا احساس تو کبھی نہیں ہوا۔ ان کے دکھوں کی توہین کی جاتی ہے۔ مجاہد ملت مولانا عبدالستار نیازیؒ عشق رسول ﷺ کی پاداش میں سزائے موت کے منتظر تھے تو ان کی شلوار میں آزار بند بھی نہ رہنے دیا گیا کہ کہیں وہ خودکشی نہ کرلیں۔ انھوں نے مسکرا کر کہا کہ ''غلامی رسول ﷺ میں شاندار موت کے انتظار سے زیادہ با اعتبار اور بے قرار لمحہ کیا ہوگا۔ میں خودکشی کیا کروں گا' میں اس موت کو گلے سے لگاؤں گا جو ہزار زندگیوں سے زیادہ بیش بہا ہے''۔ جرمن شاتم رسولؐ پر غازی علم دین شہیدؒ کی طرح چھری سے حملہ کرنے والے نوجوان کو پتہ تھا کہ اس کے اپنے ساتھ کیا ہوگا۔ شہید ہونے کا یقین اس کو تھا' وہ شہید ہے۔ اسے خودکشی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ خودکشی تو سقراط نے نہ کی کہ اس کے سچ پر آنچ نہ آئے۔ چسکیاں لے کے زہر خود پیا تو کیا یہ خودکشی نہیں ہے۔ جرمن جیل میں تشدد کی کارروائیوں کو عامر شہیدؒ کی قلبی معرکہ آرائیوں نے شکست دی۔ وہ اس غریب وغیور نوجوان کے بدن سے روحِ محمد ﷺ تو نہ نکال سکے مگر اس کے قفس عنصری سے روح نکال دی۔ روح محمد ﷺ سے روح عامر کے عاجزانہ وصال کا منظر وہ دیکھ لیتے تو جیتے جی مرجاتے۔ خودکشی تو وہ کرتے ہیں جو خودکش حملہ نہیں کرسکتے۔ جرمن شاتم رسولؐ پر عامر شہید نے خودکش حملہ ہی تو کیا تھا۔ اس کے بعد کیا بچنے کی امید تھی؟ محمد ﷺ کے دشمنوں کے لیے اپنی جان دینے والے اپنی جان لیا نہیں کرتے۔ جرمنوں سے کیا شکوہ کہ ہمارے ایک سماجی آدمی انصار برنی نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا ہے کہ عامر چیمہ نے خودکشی کی ہے۔ وہ تحقیقات میں شامل نہ تھے تو انہیں کس نے بتایا۔ ان سے یہ بیان کس نے دلوایا۔ انہیں اس جھوٹ کے کتنے پیسے ملے؟ مجھے فاروق عالم انصاری نے گوجرانوالہ سے فون پر بتایا کہ ہم نے زندگی میں اتنا بڑا جنازہ نہیں دیکھا۔ جنازے میں غریب لوگ زیادہ تھے' جو غریب نہ تھے وہ چند ایک تھے۔ غریب لوگ ہی غیور ہوتے ہیں' وہی عاشق رسولؐ ہوتے ہیں۔ اس بہت بڑے اجتماع میں کوئی لیڈر نہ تھا۔

(www.millat.com)

یہ عام شکایت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ عامر عبدالرحمٰنؒ کے والدِ ماجد، والدہ محترمہ، بہنیں، اعزہ واقارب اور اہلِ شہر عامر کو اُس کی وصیت (Will) کے مطابق اُس کی جنت البقیع میں تدفین کے آرزومند تھے، لیکن ایسی کوئی کوشش ہی نہ ہوئی۔ ایسا نہ ہوسکنے کی صورت میں شہید کی وصیّت تھی کہ اُسے کسی ولی اللہ کے مزار کے قریب دفن کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اُس کیلئے فاتحہ وقرآن خوانی کا اہتمام کیا کریں، اُس کے والدین اپنے لختِ جگر کو راولپنڈی میں دفنانا چاہتے تھے لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

روزنامہ پاکستان کے ایک اداریے میں بھی اس ضمن میں کچھ شکایتی چنگاریاں ہیں:

''لوگوں کے جذبات کو دیکھتے ہوئے میت کی آمد، جنازے اور تدفین کے مقام اور پروگرام میں تبدیلی کر دی گئی اور یہ سب کام حکومت کی سطح پر ہوا۔ سوال یہ ہے کہ ایک فرد کی لاش کی آمد اور اس کی تدفین کے پورے پروگرام کو حکومت نے اپنے ہاتھ میں کیوں لیا۔ کیا حکومت یہ چاہتی تھی کہ وہ شہید کے استقبال کا سارا ثواب خود کمائے۔ اگر حکومت کے نزدیک شہید نے کوئی قابل قدر کارنامہ انجام دیا تھا جس کی وجہ سے اس کی تدفین کے عمل میں حکومت کی ہر سطح کے لوگ شریک ہو رہے تھے تو پھر ایسا کارنامہ انجام دینے والے شہید کے استقبال کا حق عام آدمی کو بھی دینا چاہئے تھا۔ اگر شہید نے کوئی ''جرم'' کیا تھا تو حکومت کی طرف سے اس کے مکمل اعزاز سے استقبال اور باقی امور کی انجام دہی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ شواہد کی رُو سے حکومت کے نزدیک شہید نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ جہاں قاضی حسین احمد، منور حسن اور دیگر علمائے کرام اور سیاستدان شہید کے والد سے تعزیت کے لئے گئے۔ وہاں وزیراعظم شوکت عزیز کی طرف سے بھی کابینہ کے ایک رکن طارق عظیم نے شہید کے والد سے اظہارِ تعزیت کیا۔'' (www.millat.com)

کچھ شکایتوں کا تعلق جرمن حکومت کے علاوہ یہاں کے اربابِ بست وکشاد سے بھی ہے۔ مثلاً عامر چیمہ کے والد پروفیسر محمد نذیر چیمہ کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ:

''حکومت پاکستان کا رویہ ہمارے ساتھ نہایت ہی معاندانہ اور مخاصمانہ رہا ہے۔ انہوں نے تعاون کی بجائے معاملے کو بگاڑنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ میں اپنے بیٹے کے نام پر سیاست نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ان کی ہر زیادتی پر خاموش رہا۔ حکومتی کارندوں کی

طرف سے وقتاً فوقتاً مجھے جو خاموش پیغام ملا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر ہماری بات تسلیم نہیں کرو گے، ہماری مرضی کے برعکس بیٹے کا جنازہ کسی دوسری جگہ کرو گے تو پھر بیٹے کے جسد خاکی سے بھی محروم رہ جاؤ گے۔ یہ چاہتے تھے کہ عامر کو جرمنی میں دفن کر دیا جائے۔ میں ہر صورت بیٹے کے جسد خاکی کو پاکستان لانا چاہتا تھا۔ اس لئے مجھے بہت سے معاملات میں نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ پروفیسر نذیر نے سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا: پاکستان میں اس وقت یہ حالت ہے کہ اگر کسی گورے کے کتے کو کوئی مارے تو حکومت کی ساری مشینری فی الفور حرکت میں آ جائے گی، مگر میرا بیٹا جس نے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان قربان کر کے امت مسلمہ کی لاج رکھی ہے، اس کے قاتلوں کو سزا دلانے کے لیے حکومت نے کچھ بھی نہیں کیا۔

اسی طرح جرمنی میں پاکستان کے سفیر سے بھی شکایات ہیں کہ اگر وہ مداخلت کرتے تو شاید عامر چیمہ'' کو Deport کر دیا جاتا۔ پاکستان میں جرمنی کے سفیر نے ٹی وی پر آ کر عامر چیمہ'' کے متعلق جرمن نقطۂ نظر بیان کیا۔ کیا پاکستانی سفیر نے بھی جرمن کے ٹی وی پر آ کر کچھ کہا یا عامر چیمہ'' کے متعلق کچھ کیا؟ کبھی انھوں نے موآبٹ جیل میں جا کر چیمہ کی خیریت دریافت کی؟؟

دانشِ مغرب سے گزارش

30 ستمبر 2005ء کو ڈنمارک کے اخبار جے لینڈز پوسٹن (Jyllands Posten) میں توہینِ رسالت پر مبنی کارٹون کا شائع ہونا، ڈینش حکومت کا مقامی مسلمانوں کے احتجاج کو نظرانداز کرنا، اس دل آزار فعل کو آزادیِ اظہار کا نام دینا، بعض مسلمان ملکوں کے گیارہ سفیروں کے اس مسئلہ پر رابطہ کرنے پر ڈنمارک کے وزیراعظم کا اس ایجنڈے پر محض ملنے سے بھی صاف انکار کر دینا، بعض مسلم ممالک کے احتجاج پر یورپی ممالک کا ڈنمارک کی پیٹھ ٹھونکنا، ڈنمارک کی حکومت سے اظہارِ یک جہتی کرنا بلکہ متعدد یورپی ممالک (فرانس، جرمنی، اٹلی وغیرہ) کا ان توہین آمیز دل آزار کارٹونوں کو دوبارہ شائع کر کے مسلمانوں کے غم وغصہ کی آگ پر گویا تیل ڈالنا، ناروے کے اخبار واگ بلاوت کا ان

کارٹونوں کو انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا بھر میں پھیلانا' یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا' نہ یہ کسی ایک شخص کے مذاق یا حماقت کا شاخسانہ ہے۔ اگر یہ سہواً کسی عاقبت نااندیش کی محض بے وقوفی کے باعث ہوتا تو وہ ردِعمل پر فوراً معافی مانگتا۔ اُس کی حکومت یوں اس کی پشت پناہی نہ کرتی اور عالمی طاقتیں فٹافٹ یہ بیان نہ داغ دیتیں کہ تم تنہا نہیں' ہم تمھارے ساتھ ہیں۔

اسلم زبیر صاحب کی مرتبہ کتاب سے یہ اقتباس بھی چشم کشا ہے:

''اخبار جے لینڈز پوسٹن نے بارہ شیطانی خاکے شائع کیے' اس پر مسلم دنیا کا ردِعمل کمزور رہا تو جنوری 2006ء میں بائیس ممالک کے 175 اخبارات و رسائل میں انہیں دوبارہ شائع کیا گیا۔ 200 ٹی وی چینلوں پر انہیں بار بار نشر کیا گیا۔ ہالینڈ کے اخبارات نے ان توہین آمیز خاکوں کو ہر ہفتے شائع کرنے کا اعلان کیا تاکہ مسلمان اس کے عادی ہو جائیں۔ اٹلی کے ایک وزیر نے ان خاکوں کی ٹی شرٹ استعمال کی اور اسے بطور فیشن فروغ دینے کا اعلان کیا۔ بُش اور بلیئر سمیت دوسرے مغربی حکمرانوں نے ڈنمارک کو تعاون کا یقین دلایا تو ڈنمارک کے وزیر اعظم نے کہا: اسلامی دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم تنہا نہیں ہیں۔'' (غازی عامر چیمہ شہید' ص 70' علم دوست پبلی کیشنز' لاہور)

یہ سب کچھ چیخ چیخ کر دُہائی دے رہا ہے کہ یہ ایک سازش تھی' مسلمانوں کی زندگی کی حدّت کو ناپنے کا ایک حربہ تھا' مسلمانوں کی روح میں احترامِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موجودگی یا عدم موجودگی دریافت کرنے کا ایک ٹیسٹ تھا' ایٹمی دھاکوں سے بھی خطرناک ٹیسٹ۔ دانشِ مغرب نے یہ ٹیسٹ کیا اور عالمِ اسلام کے سکون کو تہ و بالا کر دیا۔

یہ سب کچھ یقیناً محض اتفاق نہیں بلکہ سازش ہے اور وہ بھی بہت گہری۔ جاوید چودھری صاحب نے اپنے کالم زیرو پوائنٹ میں اس سازش کی نقاب کشائی کی کوشش کی ہے' ان کا خیال ہے:

''یہ گستاخی محض بے وقوفی یا اتفاق نہیں تھا۔ یہ عالم اسلام کے خلاف ایک گہری سازش تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سازش ہے کیا؟ آج سے پانچ برس پہلے مجھ سے ایک یورپی سکالر نے ایک عجیب سوال پوچھا تھا: میں ایسے بے شمار روشن خیال اور لبرل مسلمانوں کو جانتا ہوں' جو شراب پیتے ہیں' جوا کھیلتے ہیں' جو غیر فطری تعلقات کے حامی ہیں

اور جو تیس تیس برس سے یورپ میں رہ رہے ہیں' جو ہم جیسے ہیں' لیکن جب اُن کے سامنے نبی اکرم ﷺ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے ردِعمل اور ایک کٹر مولوی کے ردِعمل میں کوئی فرق نہیں ہوتا' ایسا کیوں ہے؟ اس سکالر کے سوال میں اس سازش کی ساری جڑیں پیوست ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے لبرل دانش ور ہر پانچ دس برس بعد اس قسم کی حرکت کرتے ہیں جس کے ذریعے یہ مسلمانوں کی لبرل ازم کی سطح چیک کرتے ہیں۔''

(عشق کا امتحان' روزنامہ جنگ' ص 6' 16 فروری 2006ء)

جاوید چودھری نے بتایا ہے کہ 2003ء میں ایک کارٹونسٹ کرسٹوفر زیلر نے (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰؑ کے چند خاکے بنائے تھے لیکن اسی اخبار نے انہیں شائع کرنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ اس سے قارئین کے ایک حلقے کی دل آزاری ہو سکتی تھی۔ واہ رے مغرب اور واہ رے تیری دانش!! کیا دوہرے معیار ہیں۔ ثابت ہوتا ہے کہ اخبار کی یہودی انتظامیہ ردعمل سے بے خبر نہیں تھی۔ سب کچھ جانتے بوجھتے کیا گیا۔

تسلیم ہے کہ اس سازش کی خفیہ فائلیں' خط کتابت' ٹیلی فونک ریکارڈز' موبائل پیغامات کچھ بھی ہماری دسترس میں نہیں۔ ہو بھی نہیں سکتا' تاہم واقعے کے کوائف' یہود و نصاریٰ کی یگانگت اور عالمِ اسلام کی بے کسی یقیناً یہ اشارہ کرتی ہے کہ یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا بلکہ اس کے پس منظر میں کوئی منصوبہ بندی ہے۔

اب جبکہ یورپ نے دہشت گردی' غارت گری اور تخریب کاری کے ڈانڈے اہلِ اسلام سے ملانے کی مہم شروع کی ہوئی ہے اور باور کرایا جا رہا ہے کہ اسلام کا عالمی امن سے کوئی تعلق نہیں (اور اس نظریے کی انتہا توہین آمیز کارٹونوں کی وہ قسم ہے جس میں (نعوذ باللہ) بانی اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سر کی پگڑی میں بم باندھے دکھانے کی ناپاک جسارت کی گئی ہے)۔ سوال یہ ہے کہ کیا مغرب کے پاس عدل وانصاف کا بھی کوئی معیار ہے؟ یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ جس نے خون کی پیاسی قوموں کو بھائی بھائی بنا دیا' جس کے صدقے بکریاں چرانے والوں کے پاؤں میں شاہوں کے تاج رُلنے لگے' جس کی پیروی سے علوم وفنون سے عاری لوگ تہذیب وثقافت کے معمار بن گئے' جس نے دشمنوں کو معافی' مجبوروں کو طاقت' غلاموں کو آزادی' عورتوں کو بہترین حقوق'

بزرگوں کو احترام، چھوٹوں کو پیار اور محبت سے نوازا۔ جس نے سسکتی انسانیت کو عظمتِ حقیقت سے روشناس کیا، جس نے دنیا کو جہالت کے اندھیروں سے دُور کیا، جس کے غلاموں نے یورپ کے زمانہ تاریک میں علم وہنر کی روشنی پھیلائی، جو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا، وہ پیغمبر، وہ عظیم رسول ﷺ امن کا مخالف کیسے ہوسکتا ہے؟ یورپ کو اپنے Think ٹینکوں پر بہت مان ہے، کیا اُس نے تاریخی تحقیق کر لی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یورپ بھی محض شک، غلط فہمی اور بعض طاقتوں کے اُکسانے پر بہکاوے میں آ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تہذیبوں کے ٹکراؤ سے کسی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اگر ہم واقعی امنِ عالم کے داعی ہیں تو ہمیں تہذیبوں کے مابین علمی وحقیقی مکالمے کو رواج دینا ہوگا۔ غلط فہمیوں کو جھٹک کر حقیقت کو تلاش کرنا ہوگا۔ کیا دانشِ مغرب اس جانب توجہ کرے گی؟ قوت کا نشہ بہت بڑا نشہ ہوتا ہے لیکن ایک نہ ایک دن ظالم بھی تھک ہار ہی جاتا ہے۔ کیا دانشِ مغرب اپنے مفروضوں سے ہٹ کر بھی سوچنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ایسی ہی ایک اپیل معروف عالمِ دین اور سابق ممبر قومی اسمبلی شاہ بلیغ الدین کی اس تحریر میں موجود ہے:

''یہ کہاں کی انسانیت اور آزادی ہے کہ دوسروں کے مذہب اور دنیا کے سب سے بڑے پیغمبر ﷺ پر کیچڑ اچھالا جائے۔ اسلام کا تو صاف حکم ہے کہ مسلمانو! دوسرے کے خداؤں کو برا نہ کہو کہ وہ تمہارے رب کو برا نہ کہیں۔ قرآن حکیم اپنی آیت میں مسلمانوں کو پابند کرتا ہے کہ اللہ، فرشتوں، تمام آسمانی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء کو مانو اور خبردار رسولوں کے احترام اور ادب میں کوئی فرق وتمیز روا نہ رکھو۔ اس ارشاد کے بعد تاکید آئی ہے کہ تم نے حکم سنا، اس کی اطاعت کرو۔ یہ ایک عہد ہے جو ہم مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اگر کسی نادان، بدکار و عیار نے اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی روا رکھی تو ہم مسلمان حضرت عیسیٰؑ یا حضرت موسیٰؑ کی یا حضرت مریمؑ کی توہین نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جو صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ہم اس کے جواب میں گستاخی کرنے والوں کی مقدس ہستیوں کی بے حرمتی نہیں کر سکتے۔ کاش! یہ باتیں ہم مغرب تک پہنچا سکیں کہ یہ ہمارا عقیدہ اور یہ ہمارا عمل ہے۔

اسلام سے زیادہ تہذیب سکھانے والا اور روادار مذہب دنیا میں اور کوئی نہیں۔ یہ

اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات نہیں، ہماری چودہ سَو سالہ اسلامی تاریخ کا حاصل ہے۔ ہولوکاسٹ (Hollo Caust) ہٹلر کا فعل تھا۔ مسلمانوں نے تو یہودیوں کے ساتھ مدینے میں حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اور خیبر وذرعات (تبوک کی سرحد پار یہودی بستیوں) اور فلسطین میں بھی ان پر ذرہ برابر ظلم روا نہ رکھا۔ اس کے خلاف مغربی مورخ جین پلاڈی کی کتاب پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ رومی حکومت اور کلیسائی عدالتوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کا خون پانی کی طرح بہایا ہے۔ یروشلم کی فتح کے وقت کے لارڈ پادری صفری نوس نے جب اپنے کلیسا کی چابیاں حضرت عمرؓ کے حوالے کیں اور اس کارروائی میں اتنا وقت گزرا کہ نماز کا وقت آ گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمیں اب نماز پڑھنا ہے۔ صفری نوس نے کہا کہ یہ جگہ پاک ہے، آپ یہاں نماز پڑھ لیجیے۔ امیر المؤمنین نے جواب دیا کہ یہ جگہ پاک ہے لیکن میں یہاں نماز نہیں پڑھوں گا۔ کلیسا کے باہر ایک چٹان پر انہوں نے نماز ادا کی اور صفری نوس سے کہا کہ میں نے تمہارے کلیسا میں اس لئے نماز نہ پڑھی کہ کل کو کوئی مسلمان یہ مطالبہ کرے کہ یہاں ہمارے امیر المؤمنین نے نماز پڑھی ہے اس لیے یہاں مسجد بنے گی۔ میں ایسی صورت نہیں چاہتا۔ اسلام اقلیتوں سے رواداری کا جو حکم دیتا ہے، یہ اس کی پابندی تھی، امیر المؤمنین نے اس کا عملی مظاہرہ پیش کیا۔ عیسائیوں کی عبادت گاہیں، ہمارے لئے مسجدوں ہی کی طرح محترم ہیں۔ ہماری تاریخ بتاتی ہیں کہ اسلامی مملکت میں عیسائی اقلیت ہمیشہ خوش رہی۔ حیرت ہے کہ آج ہولوکاسٹ کو تو قانونی تحفظ حاصل ہے، امریکہ اس قانون کے تحت ایران کے صدر پر مقدمہ چلانا چاہتا ہے اور گستاخی رسول ﷺ کو آزادی رائے سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں مقیم مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ پوری کوشش کے ساتھ اخبار، ریڈیو اور ٹی وی اور یونیورسٹیوں کے پلیٹ فارم کے ذریعے اہل مغرب کو یہ سمجھائیں کہ یہ تہذیبوں کا تصادم نہیں، یہ ہمارے خلاف سازشی حربے ہیں۔ اسلام امن اور سلامتی کا پیام لے کر آیا ہے۔ دنیا کی ترقی میں مسلمان دانشوروں اور سائنسدانوں کا بھی بڑا حصہ ہے۔

ہارون الرشید کے زمانے (786 تا 809ء) میں جب انگلستان پر پنڈا اشا مریشہ کی حکومت تھی تو مغرب میں بیماری کا علاج گنڈوں، فلیتوں اور جھاڑ پھونک سے ہوتا تھا۔ ہم

اس زمانے میں نہ صرف آپریشن کیلئے بے ہوش کرنے کے طریقے سے واقف تھے بلکہ سرجن زہراوی نے چھوٹی بڑی چیر پھاڑ کے لئے سوڈیڑھ سو مختلف نشتر اور قینچیاں ایجاد کی تھیں' جس میں سے پچاس فیصد نشتر اب بھی استعمال ہوتے ہیں۔ابن الہیثم نے آنکھ کی ساخت اور اس کے علاج کے لیے جو تجربات اور مشاہدات کئے تھے وہ آج بھی مغرب کے لیے رہنما اصول ہیں۔ہم علم حیوانیات' علم نباتات' جڑی بوٹیوں کی خصوصیات اور علم فلکیات سے خوب واقف تھے۔ بڑی بڑی رصد گاہیں بغداد اور اس کے اطراف میں بنائی جا چکی تھیں' ہوا میں پرواز کرنے کے ابتدائی تجربات ابن فرناس کر چکا تھا۔ابن المقنع نے نخشب کے کنوئیں سے مصنوعی بجلی کا چاند بنا کر طلوع کیا تھا۔یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور پندرھویں صدی کا صنعتی انقلاب بغداد' قرطبہ اور غرناطہ کا مرہون منت ہے۔اسلام کا تصور جہاد' قتل و غارت گری کے لیے نہیں بلکہ ظلم کے مٹانے کیلئے ہے۔خون انسانی کا جو احترام اسلام نے کیا ہے، کسی اور مذہب نے نہیں کیا۔مدینے کی پہلی اسلامی مملکت کے قیام کیلئے جو دس لاکھ مربع میل کے رقبے پر محیط تھی، یعنی آدھے یورپ کے برابر تھی کیا انسانی خون بہایا گیا؟ ڈاکٹر حمید اللہ کے دیئے ہوئے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ 120 مسلمان شہید ہوئے اور ایک سو پچاس سے کچھ زیادہ غیر مسلم مارے گئے۔مغرب نے آج تک جہاد اور قتال کا فرق نہیں سمجھا۔میدان جنگ میں جب مسلمان قتال سے نکلتا ہے تو حکم ہے کہ لڑائی میں اس وقت تک پہل نہ کی جائے جب تک دشمن حملہ نہ کر دے۔حکم ہے کہ قتال سے پہلے ایک بار صلح کا پیام بھجوایا جائے اور میدان جنگ میں لڑائی شروع کرنے سے پہلے مجاہدوں کی صفوں کے آگے تلاوت کلام پاک کی جائے تاکہ مجاہدوں کے دلوں میں اللہ کا خوف طاری رہے اور ان کے دل میں جذبہ شہادت پیدا ہو۔لڑائی کا حکم صرف اس وقت ہے جب سمجھانے کی ہر کوشش ختم ہو جائے۔

مکی زندگی کے 13 برسوں میں مسلمانوں کو جنگ کا حکم نہیں ملا تھا۔صبر کے ساتھ ہر ظلم کو برداشت کرنے کا حکم تھا۔2 ہجری میں جنگ کا حکم مدینے میں آیا۔وہ بھی اس طرح کہ مسلمانوں پر بہت ظلم ہو چکا' اب وہ بھی ظالموں اور حملہ آوروں کے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ ساتھ ہی تاکیدیں آ گئیں کہ بستیوں کو تباہ نہ کرنا' کھیت کھلیان نہ اجاڑنا' بوڑھوں'

بیماروں' عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا' جو لڑائی نہ کرنا چاہتے ہوں، ان سے نہ لڑنا۔لڑائی میں جو لوگ قیدی بن جائیں، ان سے شریفانہ سلوک کرنا۔ دنیا پر ایٹم بم گرانے کی ابتدا کرنے والوں کو کوئی اسلام کے صلح و جنگ کی اصول بتائے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ انہوں نے حقوق انسانی کی تفصیلات قرآن پاک سے اور رسول اکرم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع سے حاصل کی ہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت' ادارتی صفحہ' 27 جون 2006ء)

عامر چیمہ شہیدؒ کے متعلق غلط اطلاعات

ادھر عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید جرمنی میں شہید ہوئے' اُدھر اللہ کریم نے جگہ جگہ اُس کی عظمت و شان کے جھنڈے گاڑ دیئے۔عاشقانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُس کے متعلق جاننے کیلئے بے تاب ہیں۔غلامانِ سید الابرار اس کی نمازِ جنازہ میں شرکت کیلئے بے تاب ہیں۔ ہر شہر' ہر محلے' ہر گلی میں ہر آدمی بس عامر شہید کی باتیں کر رہا ہے۔یہ ایک بے حد افسوس ناک امر ہے کہ عامر چیمہ شہیدؒ کے متعلق صحیح معلومات بروقت بہم نہیں پہنچائی گئیں۔ معاملے کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔جب سب تک بعض اطلاعات پہنچ گئیں تو غلط اطلاعات کی آمیزش نے بہت تکلیف دہ صورتِ حال اختیار کر لی۔مثلاً

(i) عوام عقیدت اور بے پناہ دلچسپی کے اس معاملے کی ایک ایک تفصیل بیان نہ کی گئی۔

(ii) جسد خاکی کی پاکستان آمد اور جنازے کے وقت میں تبدیلیاں۔

(ا) نوائے وقت' 7 مئی 2006ء کی اشاعت کے ص 1 پر بتایا گیا کہ عامر شہید کا جسد خاکی کل (یعنی 8 مئی 2006ء) پاکستان پہنچے گا۔لیکن وہ 8 مئی کو نہ پہنچ سکا۔

(ب) پھر 9 مئی 2006ء کو ایک ٹی وی چینل کی رات کی خبروں میں اطلاع دی گئی کہ عامر چیمہ کی میت کل یعنی 10 مئی کو پہنچے گی۔راقم الحروف اپنے بیٹے محمد اجمل اِفضال اور دوستوں شیخ آصف جاوید اور رانا کاشف شکیل کے ہمراہ صبح کی ٹرین سے عازمِ وزیر آباد ہوئے۔وزیر آباد پہنچ کر پتا چلا کہ جسد خاکی ابھی نہیں پہنچا۔

(ج) 12 مئی کو رات کی خبروں میں ایک ٹی وی نے بتایا کہ کل جسد خاکی پاکستان آئے گا اور ساروکی میں ساڑھے چار بجے جنازہ ہوگا۔میّت واقعی اگلے دن پہنچ گئی

لیکن جنازہ 1:45 بجے کے قریب ہی پڑھا دیا گیا۔ اگرچہ لاکھوں لوگوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی لیکن غلط اطلاعات کے باعث بے شمار لوگ جنازے میں شمولیت کی سعادت سے محروم ہی رہے۔

(iii) پاکستان میں جرمنی کے سفیر نے ٹی وی پر آ کر کہا کہ عامر چیمہ نے خودکشی کی ہے، تاہم اس پر تحقیق و تفتیش ابھی جاری ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد ہی اصل حقائق سامنے آسکیں گے۔ اس اطلاع پر عامر کے والدین اور عزیز و اقارب ہی نہیں، سب عاشقانِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دل گرفتہ ہو گئے۔ انھیں نہ کوئی اصل بات بتانے والا تھا، نہ پُرسا دینے والا وغیرہ وغیرہ۔ پروفیسر محمد نذیر چیمہ صاحب نے دکھی لہجے میں کہا: عامر چیمہ کے تمام معاملے خصوصاً نمازِ جنازہ اور تدفین کے حوالے سے جس جس شخص یا ادارے سے، جو جو کوتاہی ہوئی ہے وہ یقیناً قیامت کے دن اللہ کے حضور جوابدہ ہوگا۔ اُس وقت صرف اُس وحدہٗ لاشریک کی حکومت ہوگی جو خود فرماتا ہے: لمن الملک الیوم اور پھر خود ہی جواب دیتا ہے: للّٰہ الواحد القھار۔

ظلم کرنے والے متعلقین کو سوچنا چاہیے کہ وہ بروزِ حشر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کس منہ سے شفاعت کی درخواست کریں گے، حضور ﷺ ہی کے ایک عاشق صادق کے ساتھ بے وفائی اور حضور ﷺ ہی سے شفاعت کی اُمید!!!



قطعات:

تحفظ ناموسِ رسالت

ازقلم: اِفضال احمد انور

خاکے جو چھپے مبنی بہ توہین پیمبر ﷺ
ناقابلِ برداشت ہے گستاخ کا یہ وار
اے دانش مغرب! ہے یہ تضحیک و تمسخر
آزادیِ اظہار کہ آزادیِ آزار؟



جس بھیس میں تنقیصِ شہِ کون و مکاںؐ ہو
ہے خالق و مخلوق کی اس بھیس پہ لعنت
جو جو بھی شہ دیںؐ کی ہے توہین کا مجرم
اس شخص پہ، اخبار پہ، اس دیس پہ لعنت



خاکے یہ دل آزار ہیں، جس جس نے بھی چھاپے
اس اس پہ خداوند کی لعنت ہو ابد تک
ہم شمع رسالت کے ہیں پروانے سب انور
پیچھا کبھی چھوڑیں گے نہ دشمن کا لحد تک



ان ﷺ کی شان تو ہر اک لحہ
پہلے سے ہے دونی بڑھ کر
شان گھٹانے والے سن لیں
ان ﷺ کے دشمن ہی ہیں ابتر



دشمنِ احمدؐ پہ رب کی لعنتیں ہوں بے شمار
اُس کے ہر خلیے میں رہتا ہے نزاعِ باہمی
اس کی توبہ کیسی؟ کیا اس کی معافی؟ دوستو!
جس کی قسمت میں ہے ذِلّت کا عذابِ دائمی



اک جان فدا جس نے شہ طیبہؐ پہ کی ہے
قدموں پہ نثار اس کے ہیں ہم لاکھوں کی جانیں
عُشّاقِ نبی ﷺ کا ہے وہ مخدوم ابد تک
در ارض و سما اس کی سماتی نہیں شانیں



عامرؒ سے بلالِ حَبَشیؓ تک ہے یہی رَسم
چل تو بھی محبّت کی اسی راہ پہ انورؔ
یہ جاں جو ملی ہے تجھے سرکارؐ کے صدقے
سرکار ﷺ پہ قرباں ہو تو کیا اس سے ہے بہتر



پیاری جسے ہر شے سے ہے سرکار ﷺ کی عزّت
کونین میں عزت ہے تو عزت ہے اسی کی
کی جس نے فدا جاں شہ لولاک ﷺ پہ انورؔ
ہستی کے لیے نازؔ شہادت ہے اسی کی



افضال احمد انورؔ



عظیم عاشق رسول مقبولؐ

حضرت غازی عامر عبدالرحمان چیمہ شہیدؒ



مرحبا! عاشقِ سرکارِ مدینہ ﷺ، عامرؒ!
ہے ترا عشق امرؔ باقی ہے سب قال و قیل
حملہ آور ہوا گستاخ پہ مثلِ شاہیں
دیکھتے رہ گئے حسرت سے شہانِ تہلیل
زندگی کے لیے جھومر ہے شہادت تیری
ذات ہے تیری شبِ تار میں روشن قندیل
تیری غیرت پہ سرِ آدمؑ و حواؑ اونچا
جوش پر تیرے فدا ہوش کی جملہ تفصیل
سب غلامانِ محمدؐ کا ہوا تو مخدوم
تجھ پہ شاداں حَسَنَینؓ اور بلالؓ، اسرافیلؑ
علم دینؒ غازی لاہور ہے نازاں تجھ پر
چومتے ہیں ترے ماتھے کو جنابِ جبریلؑ
میری عظمت، جو کرے مجھ کو غلام اپنا تو
میری حسرت ہے ترے پیارے قدم کی تقبیل
میری بیکار حیات ایک نظر کی سائل
یہ تری ایک نظر مجھ کو سدا کی تکفیل
لِلّٰہ میری بھی سفارش بحضورِ آقا ﷺ
یہ سفارش ہی مری عُمر کی ہو گی تحصیل
نام عشاقِ محمدؐ میں ہے شامل تیرا
تیری ہستی ہوئی انورؔ کی متاعِ تخییل

افضال احمد انورؔ

غازی عامر شہیدؒ کیلئے نظمیں

☆ از قلم: افضال احمد انور

(1)

حبیبِ ربّ ﷺ کے عظیم عاشق
نبی ﷺ کی عزت پہ اپنی جاں کو نثار کر کے
سبق دیا ہے جہاں کو تو نے
کہ آج بھی حرمتِ محمدؐ ﷺ
زیادہ مرغوب ہے جہاں سے
عزیز تر ہے متاعِ جاں سے

(2)

دیارِ مغرب کے ظالموں نے
ہنسی اُڑائی
حضورِ اکرم ﷺ شفیعِ اعظم، شہِ کرم ﷺ کی
جو، ہر جہاں کے لیے ہیں رحمت
شہید عامرؒ نے جاں لٹا کر
کیا ہے ثابت کہ آج کے اس بشر کے فقداں کے دَور میں بھی
ہیں اہلِ اسلام زندہ، بیدار، باکرامت
اور اُن کی غیرت بھی ہے سلامت

(3)

عظیم عامرؒ!
تمھیں مبارک ہو، تم نے آقا ﷺ
پہ ہو کے قرباں
ہمیشگی کی حیات پائی
نجات پائی
مثالِ خورشید آسمانِ بقا پہ چمکو

نبی ﷺ کی الفت کے چاند تاروں میں نور بانٹو
خدا کی جنّت کی نعمتیں سب
تمھارے رستے کو دیکھتی ہیں

(4)

شہید عامرؒ نے ہے بتایا
اٹل حقیقت ہے موت گرچہ
مگر اسے بھی شکست دینا ہے عین ممکن
جو شاہِ ذی جاہ ﷺ کی محبت میں موت آئے
وہ زندگی سے بھی زندہ تر ہے
جہندہ تر ہے، دوِندہ تر ہے

(5)

دیارِ مغرب کے ظلم پیشہ سیہ دماغو!
تمھاری دانش کو کیا ہوا ہے؟
تمھاری گستاخ سازشوں نے
بس ایک عامرؒ شہید کر کے
کروڑ عامر کیے ہیں پیدا
ہے اس تجارت پہ ناز تم کو؟
مگر تمھیں یہ خبر نہیں ہے!
صریح گھاٹے کا تم نے ایسا کیا ہے سودا
کہ جس کو پورا نہ کر سکیں گی
تمھاری فصلیں
تمھاری نسلیں
کرے گی افسوس تم پہ دائم
تمھاری اپنی حساب دانی



عامر شہیدؒ کی ماں جی

سب اہلِ اسلام پہ ماں جی، ہے تیرا احسان
تو نے گود میں اُس کو پالا، جو ہے دین کی شان
ہم ہیں تیرے بیٹے، تیرے عامرؒ کے نوکر
عظمت، رفعت اور عقیدت، ہے تجھ پر قربان

عامر شہیدؒ کے والد بزرگوار

تیرے دل کے ٹکڑے نے ہے کملی والےؐ پر جاں واری
اے عامرؒ کے باپ، خدا نے تیری شانیں کی ہیں ظاہر
پاکستان میں جتنے جواں ہیں، شاہِ طیبہؐ کے خادم ہیں
یہ بھی ہیں سب تیرے بیٹے! یہ بھی ہیں سب تیرے عامر

شہیدِ ناموسِ رسالت: عامر چیمہؒ

تو نے سرکار ﷺ پہ جاں واری ہے
تیری عظمت کو سلام اے عامرؒ!
آج کے اہل محبت میں ہے
سب سے اونچا ترا نام اے عامرؒ!

عصر حاضر کا دولھا

عامرؒ کے تصور میں ہے انوار کی اک لہر
گستاخِ پیمبر ﷺ پہ گرا بن کے جو اک قہر
اعجاز ہے یہ عشقِ محمد ﷺ ہی کا انورؔ
دولھا ہے وہی آج، ہے بارات جو سب دہر.

افضال احمد انورؔ



جو شہیدانِ ناموسِ سرکار ﷺ ہیں

شان اُن کی بڑی، ان کا رُتبہ بڑا جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
اُن پہ لطف و کرم خاص اللہ کا، جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
عشق کا منتہا جان کا ہارنا ...... راز یہ ہم پہ افشا اُنھوں نے کیا
منزلِ زیست کے ہیں وہی رہنما جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
جب بھی فتنہ اُٹھا، یہ مٹاتے گئے، جاں لُٹاتے گئے، سر کٹاتے گئے
ان پہ حُرمت نبیؐ کی ہوئی آئنہ جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
اُن سے خائف ہوئی موت، ڈرتی رہی، جبہہ سا ہوگئی، پاؤں پڑتی رہی
ڈرنے والے اجل سے کہاں ہیں بھلا، جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
کیسی اُلفت نبھائی سے سرکار ﷺ سے، کس محبت سے لپٹے ہیں وہ دار سے
پائیں گے خود پیمبرؐ سے اس کا صلہ جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
رونوردانِ راہِ طلب! جان لو یہ حقیقت، کہ ہے دو قدم مان لو!
اُن کے مدفن سے فردوس کا فاصلہ جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
آؤ مل کر چلیں اُن کے مرقد پہ ہم، ہوں مؤدب، پڑھیں فاتحہ دم بدم
اُن سے ٹوٹے نہ یہ ربط، یہ سلسلہ جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
سرنگوں، لرزاں، حیراں نظر آئی جب ماسوا چند لوگوں کے مخلوق سب
شان اُن کی ذرا حشر میں دیکھنا جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
حق کے محبوب ٹھہرے، ہوئے اولیا، اُن کو سرکارؐ کا قرب حاصل ہوا
ہے اُنھیں خوف کس کا، اُنھیں حُزن کیا جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں

شاتمانِ نبیؐ کا مخالف رہوں، جان حرمت پہ سرکارؐ کی واردوں
جاؤں، کرلوں اُنھیں رہبر و رہنما جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
میرے دل میں نبیؐ کی محبت رہے، دشمنانِ نبیؐ سے عداوت رہے
کرعطا اُن کا جذبہ مجھے اے خدا جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں
سالکانِ رہِ عشق میں آخری سامنے اپنے ہیں عامرؒ باوفا
اُن کا مل جائے محمودؔ کو راستہ جو شہیدانِ ناموسِ سرکارؐ ہیں

راجارشید محمودؔ



ناموسِ رسالت

ہے شاہد آج بھی تاریخ اس زندہ حقیقت پر
کہ آنچ آنے نہیں دیتے غلام آقاؐ کی عزت پر
ہوا ہرزہ سرا جب بھی کوئی شانِ رسالت میں
گیا بچ کر نہ زندہ پھر وہ اپنی اس جسارت پر
دکھاتا ہے کوئی جانباز رہ اُس کو جہنم کی
جھپٹتا ہے کوئی دیوانہ اُس ابلیس فطرت پر
دیے ہر دور میں عُشاق نے جانوں کے نذرانے
کیا سب کچھ تصدق اپنا ناموسِ رسالتؐ پر
اگرچہ راستہ روکا کیے دارورسن اُن کا
مگر چلتے رہے اہلِ وفا راہِ عزیمت پر
کبھی زنجیر سے اُلجھے، کبھی شمشیر سے کھیلے
ہے ناز اسلام کو اُن جاں نثارانِ نبوت پر
کٹا دیتے ہیں سر اپنے، لٹا دیتے ہیں گھر اپنے
خدا رحمت کرے ان عاشقانِ پاک طینت پر
ہے شرطِ اوّلِ ایماں محبت سرورِ دیںؐ کی
تحفظ فرض ہے ناموسِ پیغمبرؐ کا امت پر
سلام اُسؐ پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

ضیا محمد ضیا (پسرور ضلع سیالکوٹ)

فساد انگیز خاکے

محمد ﷺ کی توہین، توہین رب کی
حقیقت میں دعوت ہے اُس کے غضب کی
یہ ہیں کارفرمائیاں بولہب کی
تو گلکاریاں اہرمن کے نسب کی
ہوا خود ہی رسوا مصور بنا کے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

نہ کم تھوکنے سے ہو شانِ فلک کچھ
گھٹے مہر و مہ کی نہ اس سے چمک کچھ
نہ ہو ماند تاروں کی اس سے دمک کچھ
نہ ہے اس میں شبہہ، نہ ہے اس میں شک کچھ
کرشمے ہیں مغرب کی باطل ادا کے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

گلستانِ تزویر تہذیب مغرب
رذیلوں کی جاگیر تہذیب مغرب
ضلالت کی تصویر تہذیب مغرب
کمینوں کی تقدیر تہذیب مغرب
ثمر ہیں یہ مغرب کی آب و ہوا کے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

منور تریں آسمانِ محمد ﷺ
بہار آفریں گلستانِ محمد ﷺ
ہے خود ذات حق مدح خوانِ محمد ﷺ
ہو اور اس سے کیا بڑھ کے شانِ محمد ﷺ
اُڑایا ہے خود کو عدو نے اُڑا کے

محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

فرنگی گدھوں کی حماقت یہ خاکے
یہودی سگوں کی غلاظت یہ خاکے
ہیں کلچر کے ان کی علامت یہ خاکے
انھی کے لیے ہیں ہلاکت یہ خاکے
رہیں گے مصور کو آخر مٹا کے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

شرارت سراسر ہے صیہونیت کی
خباثت ہے لاریب نصرانیت کی
ہے تذلیل و تضحیک انسانیت کی
کھلی ہے علامت یہ شیطانیت کی
کیے ملحدوں نے یہ کیسے دھماکے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

یقیناً یہ جس لعنتی نے بنائے
مقدر خود اپنے ہیں اس نے جلائے
خود اپنے ہی رستے میں کانٹے بچھائے
ستم امن اور خیر پر اس نے ڈھائے
رہیں گے یہ دنیا کی بنیاد ڈھا کے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

یہ جن کے ہیں شہکار، وہ لعنتی ہیں
یہ جن کا ہے کردار، وہ لعنتی ہیں
یہ جن کے ہیں افکار، وہ لعنتی ہیں
جو ان کے ہیں معمار، وہ لعنتی ہیں
رہیں گے جہاں بھر میں طوفاں اٹھا کے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

چلائی مخالف نے صرصر تو کیا ڈر؟
جو تھوکا عدو نے فلک پر تو کیا ڈر؟
چلایا ہے شیطاں نے چکر تو کیا ڈر؟
بکھیرے ہیں ناپاک منظر تو کیا ڈر؟
رہیں گے مسلماں کی غیرت جگا کے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

فرنگی سیاست کے یہ شعبدے ہیں
یہودی قیادت کے یہ شعبدے ہیں
دلوں کی غلاظت کے یہ شعبدے ہیں
فساد و شرارت کے یہ شعبدے ہیں
ہیں لاریب موجب عذاب خدا کے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

یہ خاکے انھی کی ہلاکت کا ایندھن
ہیں ان کے مصور خود اپنے ہی دشمن
بچیں گے نہ صہیونیوں کے نشیمن
رہیں گے نہ نصرانیوں کے بھی خرمن
کہاں جائیں گے یورپی بچ بچا کے
محمد کے توہین آمیز خاکے

نصاریٰ کی دھرتی کے بدخو مکینو
بباطن قبیحو، بظاہر حسینو
حبیبِ خدا ﷺ کی اہانت! لعینو
یہ کیا گل کھلائے ہیں تم نے کمینو
یہ آثار ہیں خود تمھاری قضا کے
محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے

ارشد لغارانی



توہین آمیز خاکوں کا پس منظر اور پیش منظر

توہینِ مصطفیٰؐ پہ سمندر رہیں نوحہ زن
ساحل کے پتھروں پہ ذرا بھی اثر نہیں
محشر بپا ہے سینۂ امواج میں ریاضؔ
کشتی کے ناخدا کو ولیکن خبر نہیں



جس میں پناہ آپؐ کے گستاخ کو ملے
اس عہدِ دل خراش میں بھی زندہ ہے ریاضؔ
صد حیف آنسوؤں کے سوا پاس کچھ نہیں
آقا حضورؐ آپ سے شرمندہ ہے ریاضؔ



ہم پر گزر رہی ہیں قیامت کی ساعتیں
تہذیبِ شر میں حسنِ عمل کی رمق نہیں
سر ہو قلم حضورؐ کے گستاخ کا ریاضؔ
جینے کا حق نہیں، اسے جینے کا حق نہیں



عبرت کی داستان ہے گستاخِ مصطفیٰؐ
تا حشر اس لعین کا خانہ خراب ہے
جلتا رہے گا نارِ جہنم میں تا ابد
اس پر مرے خدا کا مسلسل عذاب ہے



روشن، جبیں پہ حرفِ شہادت کریں گے ہم
یوں مصحفِ نبی کی تلاوت کریں گے ہم
اپنے لہو کے آخری قطرے تلک ریاضؔ
ناموسِ مصطفیٰؐ کی حفاظت کریں گے ہم



عظمت کی شاہ راہ نے چومے ترے قدم
حبِ نبی ﷺ نے تیرے لہو میں کیا قیام
جنت میں جس گھڑی کھلے تیرے بدن کا پھول
عامرؒ مرے حضور ﷺ سے کہنا مرا سلام

ریاض حسین چودھری ایڈووکیٹ (سیالکوٹ)

قطعہ تاریخِ شہادت

"رہنمائے جہانِ تحریکِ دفاعِ ناموسِ رسالت"

۲۰۰۶ء

"سپہر مرتبہ عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ"

۲۰۰۶

بغیر عشقِ نبی ﷺ زندگی ہے بے مصرف
ملے جو عشقِ نبی ﷺ میں، وہ موت راحت ہے

خدا کے دین کے رستے میں جان کا جانا
بہت بڑی ہے یہ دولت، بجا سعادت ہے

دفاعِ عزت و ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کرنا
نشانِ مردِ مسلماں ہے، رازِ اُلفت ہے

جو اُنؐ کی آن پہ قربان ہو زمانے میں
وہ اہلِ عشق و محبت ہی اہلِ جنت ہے

نہیں ہے ورد و وظائف سے وہ سکون نصیب
بہ ضمن شوقِ شہادت جو استراحت ہے

نثار عظمتِ سرکار ﷺ پہ ہوا عامرؒ
قبول خالقِ کونین پہ شہادت ہے

"ادب" کے ساتھ کہو تم اے عارفِ مہجورؔ
۷
"شہید شمعِ رسالت" سنِ شہادت ہے
۱۴۲۷=۱۴۲۰+۷

سید عارف محمود مہجورؔ رضوی (گجرات)



نذرانۂ عقیدت بحضور غازی عامر شہیدؒ

غازیٔ ناموسِ شاہِ انبیاء عامر شہیدؒ
ناز تجھ پر کرتی ہے خلقِ خدا عامر شہیدؒ

فرض تھا امت پہ گستاخِ نبی ﷺ کو مارنا
تو نے آخر کر دیا اس کو ادا عامر شہیدؒ

انتقام اللہ نے لینا ہی تھا گستاخ سے
اُس نے اس مقصد سے تجھ کو چن لیا عامر شہیدؒ

عزتِ سرکار ﷺ پر یوں جان تو نے وار دی
قدسیوں نے بھی کہا: صد مرحبا عامر شہیدؒ

تا ابد فردوس میں سرکار ﷺ کا پاؤ گے ساتھ
اے شہیدِ مصطفیٰ صل علیٰ عامر شہیدؒ

یاد تازہ تو نے کر دی غازی علم الدینؒ کی
تجھ پہ ہو فضل و کرم رب کا سدا عامر شہید

بے گماں گستاخِ آقا ﷺ سے نمٹنے کے لیے
ہے مسلمانو! تمھارا رہنما عامر شہیدؒ

جان تو جانی ہے لیکن جائے اُن کے نام پر
یہ سبق عاجزؔ ہمیں بھی دے گیا عامر شہیدؒ

محمد ابراہیم عاجزؔ قادری (لاہور)



نذرانۂ عقیدت بحضور غازی عامر شہیدؒ

ساری دنیا میں ترا شہرہ ہوا عامر شہیدؒ
اور تیرے نام کا ڈنکا بجا عامر شہید

بالیقیں وہ سرخرو ہو جائے گا رب کے حضور
جو بھی اپنائے گا تیرا راستہ عامر شہیدؒ

فضل رب تجھ پر ہوا یوں تو نے کفرستان میں
پرچم اسلام کو اونچا کیا عامر شہید

جان کا نذرانہ دے کر عزتِ سرکار ﷺ پر
بے گماں اللہ کا پیارا ہوا عامر شہیدؒ

یا نبی ﷺ! ہم تو فقط باتیں ہی کرتے رہ گئے
آپ کی ناموس پر قرباں ہوا عامر شہیدؒ

کر دیا ہے فخر سے تو نے ہمارا سر بلند
بن کے بندہ حضرتِ فاروقؓ کا عامر شہید

قدسیوں کی اُتری ہے بارات لینے روح کو
فخر تجھ پر کر رہے ہیں مصطفیٰؐ عامر شہید

یا خدا! عاجزؔ کو توفیق شہادت ہو عطا
تیرے پیارے پر ہوا جیسے فدا عامر شہید

پیش کرتا ہے یہ عاجزؔ تیری عظمت کو سلام
پاسدار عزت خیر الورا ﷺ عامر شہیدؒ

محمد ابراہیم عاجز قادری



جذبۂ عامر چیمہؒ

رحمتوں کا ہے بیاں شیوۂ عامر چیمہؒ
نورِ ایقاں کا نشاں سینۂ عامر چیمہؒ

راہِ ایثار و وفا جادۂ عامر چیمہؒ
زادِ ایمان و یقین توشۂ عامر چیمہؒ

نقشِ پائے نبی ﷺ اس کو نظر آئے منزل
خاکِ طیبہ ہی رہی سرمۂ عامر چیمہؒ

جانشینی ہو مبارک اُسے علم الدینؒ کی
امتیازی ہے بہت طرۂ عامر چیمہؒ

کر گیا اس کو امر عشقِ رسالت ﷺ اس کا
کتنا مقبول ہوا شیوۂ عامر چیمہؒ

خود کشی پر اسے محمول جو کرتے ہیں سفیہ
پڑھ کے دیکھیں وہ ذرا نامۂ عامر چیمہؒ

حشر تک پھول عقیدت کے نچھاور ہوں گے
روضۂ خُلد بنا روضۂ عامر چیمہؒ

اردگرد اُس کے ہیں ارواحِ شہیداں کے ہجوم
وہ کیسا ہے حسیں حلقۂ عامر چیمہؒ

گردِ پاکیزۂ نعلینِ حضورِ اکرم ﷺ
آج لاریب بنی غازۂ عامر چیمہؒ

ہے دُعا ارشد ناچیز کی اے ربِ کریم
ہر مسلماں کو مِلے جذبۂ عامر چیمہؒ

ارشد فارانی



عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

حرمت ختم رسل ﷺ پر مر مٹا عامر شہیدؒ
راہ علم الدین غازیؒ پر چلا عامر شہیدؒ

جان دے دی پر گوارا کی نہ توہین نبی ﷺ
ہو گیا ناموس پر ان ﷺ کی فدا عامر شہیدؒ

اک تہلکہ سا مچا باطل کے ہر ایوان میں
سینۂ دشمن کو چھلنی کر گیا عامر شہیدؒ

روشنی لیں گے سدا اس سے سبھی مردان حُر
رکھ گیا طاق حمیت پر دیا عامر شہیدؒ

"ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی"
آبروئے ملت اسلامیہ عامر شہیدؒ

تا قیامت دائمی اس کا رہے گا تذکرہ
یعنی یوں مر کر امر اب ہو گیا عامر شہیدؒ

مل گئی نیّر اسے بے شک حیات جاوداں
پا گیا خالق سے اعلیٰ مرتبہ عامر شہیدؒ

ضیا نیر (لاہور)



عظمتِ فرزندِ نذیر

عشقِ احمد ﷺ سے لہو اُس کے بدن میں مہکا
اُس کا پاکیزہ جسد اُس کے کفن میں مہکا

اک حسیں چاند شہادت کے اُفق پر نکلا
اک نیا پھول شہیدوں کے چمن میں مہکا

مجھ سے کیا ہو گی بیاں عظمتِ فرزندِ نذیر
پھول ایسا نہ مری روحِ سخن میں مہکا

خامہ گُلبار ہوا ہاتھ میں ارشد میرے
آج ہر لفظ مرا میرے دہن میں مہکا

ارشد فارانی



تجھے میرا اسلام

(عامر چیمہ شہیدؒ کے لیے)

چرخِ ایماں کے مہ و پرویں تجھے میرا سلام
گلشنِ حق کے گُل و نسریں تجھے میرا سلام

تجھ پہ اے اقبالؒ کے شاہیں ہزاروں رحمتیں
جانشینِ غازی علم الدینؒ تجھے میرا سلام

ارشد فارانی



فخرِ ملک عامر عبدالرحمان شہید

۲۰۰۶ء

شیر دل مردِ جری عامر شہیدؒ — کانِ عزم و آگہی عامر شہیدؒ
جان ناموس نبیؐ پر وار دی — ہے سعادت یہ بڑی عامر شہیدؒ
تیری عظمت کا ترانہ چرخ پر — گونجتا ہے ہر گھڑی عامر شہیدؒ
تجھ پہ راضی ہیں خدا اور مصطفےٰؐ — تو ہے قسمت کا دھنی عامر شہیدؒ
یاد تازہ کر دی علم الدینؒ کی — لے گیا تو برتری عامر شہیدؒ
کر دیا فی النار اک بد بخت کو — تیرا ایماں ہے قوی عامر شہیدؒ
دہر میں زندہ رہے گا تا ابد — تیرا کردار جلی عامر شہیدؒ
اپنے خوں سے جرأت و ایثار کی — لکھ دی تاریخ اک نئی عامر شہیدؒ
رحمتِ حق نے لیا آغوش میں — روح تیری جب چلی عامر شہیدؒ
تیری مرقد پر خدا نازل کرے — ابرِ رحمت دائمی عامر شہیدؒ
گلشنِ فردوسِ جنت میں ملے — تجھ کو قربِ ایزدی عامر شہیدؒ

سالِ رحلت یوں کہو فیض الامین
کشتۂ حبِّ نبیؐ عامر شہیدؒ

۱۴۲۷ھ

فیض الامین فاروقی



عامر چیمہ زندہ باد!

دہر اسیر کون و فساد
آج آباد تو کل برباد
کوئی شاد کوئی ناشاد
عشق ہے ہر غم سے آزاد
عشق سے مومن ہے فولاد
عامر چیمہؒ زندہ باد!

عشق ہے حرص و ہوا سے بلند
عشق ہے مکر و ریا سے بلند
عشق ہے ارض و سما سے بلند
عشق ہے عرشِ علیٰ سے بلند
عشق ہے رفعت کا صیاد
عامر چیمہ زندہ باد!

عشق ہے عظمت کا مینار
عشق ہے ہستی کا معیار
عشق سے ایماں شعلہ بار
علم سوا اس کے بیکار
عشق زمانے کا استاد
عامر چیمہ زندہ باد!

عشق ہے دانائے اسرار
عشق ہے پیغام دلدار

عشق ہے باب حریم یار
عشق سے ہوتا ہے دیدار
عقل مرید و عشق مراد
عامر چیمہ زندہ باد!

عشق فروغ کون و مکاں
عشق بہار باغ جناں
کن فیکوں کا سر نہاں
عشق نہیں محتاج بیاں
عشق سے جان و دل آباد
عامر چیمہ زندہ باد!

عشق جمال یار کی دھن
نخل سرور کی بیخ و بن
گاتے ہیں سب عشق کے گُن
عشق کا ثمرہ ''لاخوف''
یاس و حزن سے عشق آزاد
عامر چیمہ زندہ باد

عامر عشق نبی سے چور
عامر غیرت سے معمور
عقل کے شور و شر سے دور
عامر عشق کا کیف و سرور
عشق نبی ﷺ دیں کی بنیاد
عامر چیمہ زندہ باد

عامر ملت کا شہباز
اُمت کی عزت کا راز
دین نبی ﷺ کو اس پہ ناز
کیا ہی ملا اس کو اعزاز
قوم سدا رکھے گی یاد
عامر چیمہ زندہ باد

فرض عشق نبھایا خوب
درس عشق سکھایا خوب
گرتے ہوؤں کو اُٹھایا خوب
سوئے ہوؤں کو جگایا خوب
کون دے اس ہمت کی داد
عامر چیمہ زندہ باد

آسی مدح سرا ہے تو کیا
عامر سے خوش اہل ولا
بلکہ خود محبوبِ خدا ﷺ
بلکہ خالق ہر دو سرا!
دے گی قبر پیامِ جہاد
عامر چیمہ زندہ باد

پروفیسر محمد حسین آسیؒ



رفعتِ عامر شہیدؒ

شوکتِ عامر شہیدؒ و حشمتِ عامر شہیدؒ

عام ہے بالائے نُہ افلاک یہ دید و شنید — رفعتِ عامر شہیدؒ

نعرۂ توحید سے قصرِ شماتت ڈھا دیا

عطرِ غیرت خونِ ہمت سے کیا کس نے کشید — جرأتِ عامر شہیدؒ!

حفظِ ناموسِ نبیؐ تھا مطمحِ قلب و نظر

مصطفیٰؐ پہ جان قربان کر کے لی جنت خرید — قسمتِ عامر شہیدؒ!

کیسے توہینِ نبیؐ برداشت کر سکتا تھا وہ

خیلِ فاروقِ معظمؓ کا تھا اک فردِ فرید — حضرتِ عامر شہیدؒ

موت نخلِ زندگانی کا ثمر ہے بے گماں

جاودانی زندگی کی ہے مگر واحد کلید — سیرتِ عامر شہیدؒ

اس کے ملنے والے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تھی

فضلِ سرورؐ سے سلیم اور رحمتِ رب سے سعید — فطرتِ عامر شہیدؒ

پا گیا ہے بار وہ آقاؐ کی بزمِ خاص میں

صاحبانِ فکر کی سوچوں سے ہے بڑھ کر بعید — عظمتِ عامر شہیدؒ

مصطفیٰؐ کے نام پر مرنے کی اہمیت ہے یہ

''ساروکی'' میں زائروں کو مغفرت کی ہے نوید — تربتِ عامر شہیدؒ

تو رہِ غیرت پہ چل سکتا ہے بے خوف و خطر

یہ سمجھ، تجھ کو ملا ہے مرشدِ کامل رشید — صورتِ عامر شہیدؒ

راجا رشید محمود



فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار

ڈنمارک کے بدطینت، ننگِ انسانیت اخباری ایڈیٹر (جس نے دل آزار خاکے شائع کیے) کے آگ میں جل کر راکھ ہو جانے کی خبر پڑھنے کے بعد یہ اشعار موزوں ہوئے۔ (نوائے وقت، اسلام آباد 15-06-2006)

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را — چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

جرمنی کا اخبار جس کے ایڈیٹر کو جہنم رسید کرنے کے لیے عامر عبدالرحمٰن چیمہ نے اپنا نذرانۂ جاں پیش کیا، وہ ڈنمارک کے اسی اخبار کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

''بہا و فضیلت النبی''

۱ ۴ ۲ ۷ ھ

وہ ایڈیٹر لعنتی ڈنمارکی اخبار کا

انتقامِ قادر و قاہر کی زد میں آ گیا

اُس نے کی توہین و تنقیصِ محمد مصطفیٰ ﷺ

اس صدی کا بدتریں ملعون تھا، مردود تھا

ہو گیا دنیا ہی میں جل کر وہ نانجار راکھ

کسرِ شانِ مصطفیٰ ﷺ کا اُس نے بدلہ پا لیا

زندہ ہو اُس کی زمیں پر جو ہے گستاخِ حبیبؐ

یہ خدائے پاک کی غیرت کو کب منظور تھا

جو کرے ہرزہ سرائی مصطفیٰ ﷺ کی شان میں

لازمی اُس کو ذلیل و خوار کرتا ہے خدا

جان نثارِ آبروئے مصطفیٰ ﷺ، عامر شہیدؒ

جس کو عشاقِ محمد ﷺ میں مقامِ اعلیٰ ملا

اُس کے چہلم سے بھی پہلے شاتمِ سرکار ﷺ کو

آگ کا ایندھن خدائے مصطفیٰؐ نے کر دیا

جو حبیبِ کبریاؐ کے بے ادب ہیں اور بھی

کوئی اُن کا بھی نہیں انجام اور اس کے سوا

جو اولی الابصار ہیں طارق وہ ہوں عبرت پزیر

دیکھ لیں ''یہ رفعتِ ذکرِ محمد مصطفیٰؐ''

۲۰۰۶ء

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری (حسن ابدال)



غازی عامر شہیدؒ

عاشقِ خیر الورا صل علیٰ عامر شہیدؒ

بن گیا ہے تو بھی محبوبِ خدا عامر شہیدؒ

اپنا بدلہ لوگ سب لیتے ہیں لیکن حبّذا

تو نے بدلہ رب کے پیارےؐ کا لیا عامر شہیدؒ

خاص رحمت برسی ساروکی کے قبرستان پر

بے گماں جب دفن اس میں تو ہوا عامر شہیدؒ

خلد سے آئی ہیں تیری قبر میں حورانِ عین

تیرا قبہ باغِ جنت بن گیا عامر شہیدؒ

میرا ایماں ہے کہ تیری روح یوں طیبہ چلی

روبرو تھے مصطفیٰ ﷺ جلوہ نما عامر شہیدؒ

کاش! عاجزؔ کو بھی وہ جذبہ خدا کر دے عطا

جو خدائے پاک نے تجھ کو دیا عامر شہیدؒ

محمد ابراہیم عاجزؔ قادری



زمین جرمنی گواہ ہو

خدا کے سامنے زمینِ جرمنی گواہ ہو

کہ عامر شہید جیسا نوجواں

جو پاک سرزمیں کا ایک سپوت تھا

جو تیری سرزمین پہ حرمتِ رسول کا امین تھا

جو عزتِ نبی کا پاسبان تھا، سوزِ عشق کا نقیب تھا

جو حرمتِ رسول کا علم لئے

گواہی دے رہا تھا اپنے جذبۂ خلوص کی، محبتِ رسول کی

بتا رہا تھا ساری کائنات کو

ہر ایک ذی وجود، ذی شعور و ذی حیات کو

کہ شرق و غرب، رنگ و نسل، قوم و ملک، جسم و جاں

ہر ایک شے سے ماورا ہے ایک ذاتِ مصطفیٰؐ

کہ جس کے واسطے یہاں

کروڑ در کروڑ نوجواں، ادھیڑ لوگ ناتواں

ضعیف بوڑھے، بچے، بہنیں، رشتے ناتے، سب

یہاں وہاں

رگوں میں جن کے خون بن کر عشقِ مصطفیٰؐ رواں

دلوں کی دھڑکنوں میں جن کی مصطفیٰؐ ہی مصطفیٰؐ

بتاؤ اہلِ غرب کو!

سناؤ سارے ظالموں کو

یہ ترانۂ خودی، یہ نعرۂ وجود زندگی

یہ سارے لوگ لمحہ لمحہ، لحظہ لحظہ، سانس سانس

زندگی کے ہر قدم پہ اور ہر مقام پر

یہی علم اُٹھائے آ رہے ہیں، اس کے عقب میں

یہ بات جان لو، سمجھ سکو تو مان لو

یہ ایک اس کی موت، موت کب ہے

بلکہ ساری اُمتِ نبیؐ کے حق میں

ایک نئی حیات کی نوید ہے

وہ صبحِ عشقِ مصطفیٰؐ طلوع کے قریب ہے

حکیم سرو سہارنپوری

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

مولانا ظفر علی خاں

منظر رقم

چودھری رفیع احمد باجواہ مرحوم کی یادگار تحریر

کائنات کے گستاخ

جس شخصیت کی وہ حمد کرے جس کے سوا کسی کو حمد زیبا نہ ہو۔ جو انسانی تاریخ میں "محمد" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نام پانے والا پہلا ایسا بشر ہو، جس پر وہ وحی نازل ہوئی ہو کہ اگر کسی پہاڑ پر نازل ہوتی تو روئی کے گالوں کی طرح اُڑ گیا ہوتا۔ نور اور سوز کو سمو لینے والا وہ جسم کہ مثل روشنی کے اس کا بھی سایہ نہ ہو۔ جس نے خلاؤں تک کو یوں تسخیر کر دکھایا ہو کہ فرش سے عرش اور عرش سے فرش تک کے صدیوں کے فاصلے طے کر آئے اور ابھی بستر گرم ہو اور کنڈی ہل رہی ہو۔ جس نے خالق و مخلوق کے درمیان فاصلوں کو یوں تسخیر کرنا سکھایا ہو کہ بندے اپنے اللہ سے صیغۂ حاضر متکلم میں مخاطب ہوں۔ جس نے "نہبطوا" کے عمل کی فرقتوں کے کرب میں مبتلا انسانیت کو "قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" اور "نَحْنُ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد" کے لطف سے آشنا کیا۔ جس نے تاریخِ کائنات میں پہلی مرتبہ "قانونِ رجعت" بیان کر کے کائنات کے مخفی "قانونِ عود" کو اس طرح واضح کیا ہو کہ حیاتِ دنیوی و اخروی میں ایک مسلسل و مستقل ربط آشکار ہو گیا ہو۔ جس پر یہ رازِ کائنات واضح کیا گیا ہو کہ شہادت سلامتی کا دوسرا نام ہے کہ جس انسانِ فانی کو اس کی دنیوی زندگی میں اللہ کی دید میسر آ جائے، وہ اللہ کی راہ میں قتل بھی کر دیا جائے تو بھی نہیں مرتا، اور یوں زندہ رہتا ہے جیسے روزِ حشر دیدارِ الٰہی کے بعد سب انسان غیر فانی ہو جائیں گے۔ وہ یٰس جس نے پیدائشی طور پر انسانی زندگی کی گیارہ منازل یوں تسخیر کر لیں کہ معصوم رہنا ساز گار رہا۔

وجۂ نمودِ کائنات مگر مزمل، تختِ رسالت پر متمکن مگر دوش پر کملی، شاہِ شاہاں مگر سورۃ المدثر کا مدثر، جس کی انگلی اُٹھے تو قمر شق ہو جائے، نگاہ اُٹھے تو آمادۂ قتل عمرؓ فاروقؓ بن جائے، ایسا مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس نے مرتضیٰ تربیت کیے۔ وہ مرسلِ رسا کہ اُمتی آج بھی دورانِ صلوٰۃ اس سے صیغۂ حاضر میں کلام کرتے ہیں۔ وہ انسانِ کامل کہ خود خالق جس کی تکمیل کا ثناخواں ہو۔ تخلیقاتِ الٰہی کی وہ ہستیٔ واحد جس کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی سے مربوط کر دیا گیا۔ وہ جو عالم ہائے زمان و مکان و لازمان و لامکان کے لیے رحمت ہے کہ جو اس کی پیروی میں نہ رہا، اس نے خود کو درہم برہم کر لیا۔ وہ کائناتی رحمتوں سے محروم ہو

گیا۔ اس نے رحمتوں کو زحمتوں میں تبدیل کر لیا۔ اس کی تعمیر اس کی ہلاکت کا باعث بن گئی۔ اس نے حیات سے منہ موڑ کر مُردنی خرید لی۔ جو اس کی تکریم سے محروم ہو گیا، تذلیل اس کا مقدر بن گئی۔

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، ان سے محبت اللہ سے محبت ہے، اسی طرح ان کی شان میں گستاخی اللہ کی شان میں گستاخی ہے۔ جو کوئی ان کی رسالت سے منکر ہو، اس کے خلاف اگر جہاد بالسیف فرض ہے، تو پھر یہ بھی کوئی پوچھنے والی یا کوئی تحقیق طلب بات ہے کہ اُن کے گستاخ کی سزا کیا ہے؟ لیکن ہم اس زمانے سے تعلیم حاصل کیے ہوئے ہیں جہاں گستاخانِ رسول ﷺ کو سزا دینے والے لقمۂ دار بنا دیئے گئے اور ہم فقط آنسو بہا کر ہاتھ مل کر یا چند دل ملول ہو کر رہ گئے یا مترنم شعر گوئی پر گزارا کرتے رہے۔

علم و عمل کے میدان میں جس نے جو دیا ہو، لاریب دیا ہو۔ اُس کی شان میں گستاخی کائنات سے دشمنی کے مترادف ہے۔ آج تک کائنات تو کیا، کائنات کے کسی معمولی سے معمولی قانونِ قدرت کو بھی کوئی شکست نہیں دے سکا۔ اُن کی شان میں گستاخی کائنات کو انتقام کی دعوت دینا ہے۔ کائنات میں اس کی سزا موت یا پھانسی یا قتل پر ہی ختم نہیں ہو جائے گی۔ جب تک کائنات موجود ہے، کائنات انتقام لے گی اور کائنات معدوم ہونے لگے گی تو ماورائے کائنات کے سپرد کر دی جائے گی کہ لو، ان کو سنبھالو کہ یہ گستاخانِ رسولؐ ہیں۔ اس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گستاخ جو زمان و مکان و لامکان و لازمان کے لیے رحمتِ سراپا بن کر مُرسل ہوئے۔

انسان کی محبت میں کمی رہ جائے تو وہ اپنے فراق کو محبوب کے بت بنا کر تسکین دے لیتا ہے۔ محبت اگر کامل ہو تو انسان محبوب کے بت یا تصویر کا محتاج نہیں ہوتا۔ جو دل میں بس رہا ہو، اُسے آنکھوں کے رُوبرو لانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آنکھوں کے ذریعے دل میں اُتر جانا ایک عمل ضرور ہے اور اہم بھی ہے۔ مگر دل کے ذریعے نگاہوں میں بس جانا لاثانی عمل ہے اور محبت کی وہ منزل ہے جہاں محبوب کا گستاخ تو کیا، اس کا رقیب بھی گوارا نہیں ہوتا۔ ندیدوں کو کیا خبر کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصویر کیوں نہ بنی۔ کیوں نہیں بنائی جا سکتی!! اللہ نے حُبِّ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعے بت پرستی کو کیونکر

فعلِ ناگوار قرار دیا!!! قرآن پاک میں کسی بھی پیغمبرؑ کی توہین سے اس لیے منع فرمایا گیا کہ سبھی پیغمبر رسول آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معتقد ہیں، جس کے سارے پیشرو اس کے پیروکار ہو جائیں، اس کے مقام کی توحید سے کون انکار کر سکتا ہے، تاوقتیکہ طبیعت از خود کفر وارد کرنے پر مائل نہ ہو گئی ہو۔

انسان تو اپنی ماں کی توہین پر قتل کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ حُبِّ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو ماں کی محبت سے کہیں زیادہ اہم، بلند مرتبہ اور معتبر ہے۔ گستاخیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر محبانِ رسول کو عمدِ قتل سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو اور تاریخ ایسی تماثیل سے بھری پڑی ہے۔ گستاخانِ رسولؐ کے ساتھ کائنات نے کیا برتاؤ کیا، اور مسلمانوں نے کیا، اس مضمون میں اعادہ کیے بغیر اس اہم امر کی طرف ہر مسلمان کی توجہ مبذول کروا سکوں تو خوش بخت ہو جاؤں کہ معاشرہ غیر اسلامی تعلیم و تربیت کی وجہ سے احکامِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے غیر آگاہ ہو چکا ہے۔ اور زمانہ اس کوشش میں ہے کہ امت کے جسد سے روحِ محمد ﷺ نکال لی جائے۔ اس کا ایک طریقہ شرعِ پیغمبر ﷺ کو آشکار نہ ہونے دینا اور مختلف مسالک کے ذریعے اسے متنازع بنائے رکھنا بھی ہے۔

نوبت بہ ایں جا رسید کہ لوگوں کو یہ امتیاز بھی میسر نہیں رہا کہ اللہ اس کو کہتے ہیں جس کے سوا کوئی قانون ساز، کوئی اِلٰہ نہ ہو۔ قانون ساز واحد نہ ہو تو خدا ہو سکتا ہے، گاڈ ہو سکتا ہے، ایشور ہو سکتا ہے، دیوتا ہو سکتا ہے۔ اللہ نہیں کہلا سکتا۔ لفظ اللہ کا کسی دنیوی زبان میں کوئی متبادل نہیں۔ جو اللہُ احد یعنی قانون سازِ واحد کا رسول ﷺ ہو۔ اس کا رسول جس کے سوا کسی اور کے احکام کی پابندی یعنی عبادت زیبا نہیں بلکہ کفر کے مترادف ہے۔ اس کی شان میں گستاخی پر جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ نہیں کرو گے تو اللہ تمہارا اِلٰہ نہیں رہے گا، اور پوچھے گا:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی — مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

جس کی تحقیر برداشت ہو سکے، وہ محترم نہیں ہوتا۔ جو محترم نہ ہو، وہ راہنما نہیں ہوتا۔ جس کے قول پر قیل و قال ہونے لگے، اس کی اطاعت کے جذبہ کا مجروح ہو جانا لازم ہوتا ہے۔ عام حاکم اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے احکام جاری کرتے ہیں لیکن اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکام میں قطعی صمدیت ہوتی ہے۔ کہ وہ جو بھی حکم فرماتے ہیں، قطعی طور پر

بے غرض، بے لوث اور انسانوں ہی کے مفاد میں ہوتا ہے۔ جس کی رسالت میں الٰہیت کا احترام اور جس کی الٰہیت میں بندوں ہی کا مفاد مقصود ہو‘ اُس کی شان میں اتنی سی بھی گستاخی کہ کوئی اپنی آواز کو اُن کی آواز سے بُلند کرے‘ نظامِ کائنات کو گوارا نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرے تو کائنات اُسی لمحہ برانگیختہ ہو جاتی ہے۔ ایسے شخص کو سزا دینے والا وہی کچھ کر سکتا ہے جو کائنات اس گستاخ کے لیے کر رہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اُس لمحے کائنات اور انسان کا عمل ہم آہنگ ہوتا ہے۔ کائنات سے ہم آہنگی ہی انسانی زندگی کا سب سے بڑا انعام اور کارنامہ ہے۔ ایسا ہر اقدام انسانوں کا اکملیت کی طرف بڑھتا ہوا قدم ہوتا ہے۔

معاشرے میں اگر آج ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، والدین، اساتذہ یا بزرگوں کا احترام نہ رہے تو کیا معاشرہ شفقتوں سے عاری نہ ہو جائے گا؟ بربریت اس کا ورثہ نہ بن جائے گی؟ جس معاشرے میں پیغمبروں کا احترام نہ رہے‘ وہ معاشرہ درندوں کے معاشرے سے بھی بدتر ہو جائے گا۔ اور جس معاشرے میں وجہِ نمودِ کائنات اور پیغمبروں کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا احترام نہ رہے گا‘ کائنات اس معاشرے پر ٹوٹ پڑے گی‘ چاہے اس معاشرہ میں کتنے ہی ناظم و حاکم اور کتنے ہی مفکر و مفسر اپنی برتری کے دعویدار کیوں نہ ہوں۔ اُس معاشرے کی دنیا ہی نہیں‘ آخرت بھی لُٹ جائے گی۔ ایسا معاشرہ فقط اُس دوزخ کی تعمیر کر رہا ہوگا جس کی آگ نہ کبھی بجھے گی‘ نہ اس کی تپش کم ہوگی۔ جو معاشرہ راضی برضائے الٰہی ہو جائے‘ اُس کی معتبری لافانی ہوتی ہے اور جو معاشرہ راضی برضائے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہو جائے‘ اس کی بقا کے خود اللہ تعالیٰ ضامن ہوتے ہیں۔ یعنی

کی محمدؐ سے وفا تو نے‘ تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا‘ لوح و قلم تیرے ہیں

خوش مقدر ہیں وہ لوگ جو زمانۂ حال کے گستاخِ رسول کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کو کی پشت پناہی کرنے والی طاقتوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے!!

(ماہنامہ نعت‘ لاہور‘ فروری ۱۹۹۱ء۔ ’’شہیدانِ ناموسِ رسالت‘‘ حصہ دوم)



’’شاعرِ نعت: راجا رشید محمود‘‘

ایک قابلِ ستائش تحقیقی دستاویز

تحریر: پروفیسر محمد اکرم رضا (گوجرانوالا)

’’شاعرِ نعت‘‘، مشہور محقق ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ کی ایک قابلِ ستائش تحقیقی کاوش ہے‘ جس میں دنیائے نعت کی معروف و ممتاز شخصیت راجا رشید محمود (ایڈیٹر ماہنامہ نعت) کی شاعری کے فکری و فنی محاسن کے حوالے سے فکر انگیز زاویے پیش کیے گئے ہیں۔ راجا رشید محمود ایک طویل عرصہ سے نعت لکھ رہے ہیں۔ قابلِ فخر نظریاتی، علمی، تحقیقی، نظریاتی اور ادبی شخصیت ہیں۔ نعتیہ شاعری کے علاوہ ان کی نثری کتب بھی علم و تحقیق کا امتزاج لیے ہوئے ہیں۔ آپ نے عصرِ حاضر میں فروغِ نعت اور ترویجِ نعت کے لیے جو کام کیا ہے‘ اس کا اعتراف ہر صاحبِ فکر کو ہے۔ ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ اپنے حرفِ آغاز میں رقم طراز ہیں:

’’راجا رشید محمود مسلم الثبوت شاعر، صاحب طرز انشا پرداز، بے لاگ نقاد، معروف محقق، بہترین مؤرخ، مستند سیرت نگار اور بے باک خطیب ہے۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر کہتا ہے۔ اس کی شاعری کا تخصص یہ ہے کہ اس کا اشہب تخیل ہر لمحہ مدینہ طیبہ کی سمت رواں دواں ہے۔ اس کی فکر کا محور وہ سرزمین محبت ہے جس کی دید کو ہر مسلمان کی آنکھیں ترستی ہیں۔ وہ کسی دنیوی محبوب کی زلف کا اسیر نہیں۔ وہ ہر منفعت سے بے نیاز ہے‘ اس لیے صاحبانِ اقتدار کی مدح سرائی نہیں کرتا۔ وہ داد و تحسین وصول کرنے لیے بھی شعر نہیں کہتا۔ اس نے اپنی شعری صلاحیت فقط ذاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقت کر دی ہے‘‘۔

متذکرہ بالا سطور میں فاضل محقق نے راجا رشید محمود کی ادبی اور نعتیہ شاعری کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے‘ جس میں وہ بتا گئے ہیں کہ راجا رشید محمود کا قلم توصیف و ثنائے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کے لیے وقف ہے' اور وہ اسی کو اوّل و آخر اعزازِ حیات بنائے ہوئے ہیں۔ راجا رشید محمود نے ایک طویل عرصہ مدحتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے گلشنِ سدا بہار میں اس شان سے بسر کیا ہے کہ اگر یہ تصنیف اشاعت پزیر نہ بھی ہوتی تو راجا رشید محمود کا علمی سراپا اور فکری و نظریاتی ایسا ہی وجود بلند قامت نظر آتا۔ کیونکہ جو ''صاحبِ ورفعنا لک ذکرک'' (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عمر بھر کے لیے وابستہ ہو گیا' وہ کبھی خسارے میں نہیں رہ سکتا۔ بلکہ وہ ممدوحِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو خیراتِ مدحت بخش بخش کر ذرّوں کو بھی آفتاب کی تب و تاب کا حامل بنا دیتا ہے۔ اور راجا رشید محمود جس نے زندگی بھر نعت لکھی' نعت لکھوائی' نعت پر تحقیق کاوش کے ستارے ابھارے۔ نعتیہ تحقیقات کے نئے نئے جزائر دریافت کیے' انھیں فکر و فن کے ستاروں سے آباد کیا۔ اوّلیات اور تخصصاتِ نعت کی ایک دنیا بسائی۔ نئے آنے والوں کو حوصلہ دیا۔ کام کرنے والوں کو جذبۂ عشق بخشا کہ کام یوں کیا جاتا ہے۔ ماہنامہ نعت کو طویل عرصے پر محیط اشاعت کی باقاعدگی بخشی۔ راجا رشید محمود کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ کبھی بھولے ہیں نہ بھولیں گے۔ راجا رشید محمود فکرِ شاہِ احمد رضا کے جلووں سے آباد ہیں' ان سے زیادہ کون اس حقیقت سے آگاہ ہے:

سب یہ صدقہ ہے عرب کے جگمگاتے چاند کا نام روشن اے رضا جس نے تمہارا کر دیا

لیکن تحقیق کا الگ سے اپنا ایک اسلوب ہوتا ہے۔ یعنی کسی شخصیت کا بحیثیت مجموعی جائزہ لینا۔ اجمالی نہیں بلکہ تفصیلی طور پر۔ طائرانہ نہیں بلکہ شرح کمال کے ساتھ۔ محض اشارات کے ساتھ نہیں بلکہ کلی تفصیلات کے ساتھ۔ اس طور آنے والے ادوار کے تحقیق نگاروں کو سمت کا تعین عطا کرنے کی سہولت عطا ہو جاتی ہے کہ وہ جس شخصیت پر تحقیق و تنقید کے مختلف زاویوں سے کام کر رہے ہیں' اس پر مطلوبہ مواد کہاں کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ اور وہ کون کون سے مآخذ و مراجع ہیں جو اس ضمن میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہی وہ کام تھا جو ڈاکٹر محمد سلطان شاہ نے بصد حسن و خوبی کر دکھایا ہے۔ یعنی مستقبل کی شاہراہِ تحقیق پر سفر کرنے والے رہ نوروں کی قلمی راہنمائی کرنا کہ راجا رشید محمود جیسی بلند قامت شخصیت پر کس کس انداز سے کام ہو سکتا ہے۔

کس کس انداز سے کام ہو سکتا ہے؟ یہ ''شاعرِ نعت'' کے نام سے تحقیقی تصنیف کے

مختلف ابواب کی رنگارنگی کو دیکھ کر رقم کیا گیا ہے۔ راقم راجا صاحب کے بارے میں پہلے بھی کئی مرتبہ اظہارِ خیال کر چکا ہے کہ جہاں وہ بہت تیزی سے نعت لکھ رہے ہیں' وہاں اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ نعتیہ تحقیق کے اسالیب تراش رہے ہیں۔ اور پھر انھی اسالیب کو تراش کر ماہنامہ نعت کی زینت بھی بنا دیتے ہیں کہ آنے والے ادوار کے مسافرانِ شوق جہاں راجا رشید محمود کی ادبی و شعری کاوشوں سے آگاہ ہو سکیں' وہاں ان کے لیے ان اسالیب کی تراشی ہوئی راہوں پر سفر کرنا آسان ہو جائے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ بشرح تمام موجود ہے کہ راجا رشید محمود نے اپنی اولیات اور تخصصات کا سلسلہ قابلِ رشک حد تک اتنا وسیع کر دیا ہے اور پھر راجا رشید محمود کا اشہبِ قلم ہے کہ توصیفِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نور آفریں راہوں پر نہایت برق رفتاری سے رواں دواں ہے۔

زیرِ نظر تصنیف کو فاضل محقق نے درجنوں ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ہر باب اپنی جگہ تحقیق فکر و فن کی شان لیے ہوئے ہے۔ کتاب کا آغاز ہی اس حُسنِ افتخار سے ہوتا ہے:

''شاعرِ نعت راجا رشید محمود

جس نے دنیائے اسلام میں نعت کے موضوع پر سب سے زیادہ کام کیا''

ہم تو راجا صاحب کی کاوشوں سے ایک عرصہ سے آگاہ ہیں جبکہ نئے قاری کے لیے یہ عنوان چونکا دینے والا ہے۔ اور اس عنوان کے تحت راجا رشید محمود کے نعتیہ کارہائے نمایاں کی جو تفصیل دی گئی ہے' اس پر بے اختیار ان کے لیے قلم کی نوک سے دعائیہ الفاظ ٹپکنے لگتے ہیں کہ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

''مرداں چنیں کنند'' کی ایمان افروز تفصیل سید محمد سلطان شاہ کی تحقیقی عرق ریزی کی بدولت سامنے آنے لگتی ہے۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے ہیں' ڈاکٹر سلطان شاہ کی محنت شاقہ کی داد دینی پڑتی ہے۔ انھوں نے جس طریق سے راجا رشید محمود کے شعری محاسن کا تنقیدی انداز سے جائزہ لیا ہے' وہ نہایت ہی قابل توصیف ہے۔ راجا صاحب کی نعت گوئی کا جائزہ پیش کرنے کے لیے فاضل محقق نے خوبصورت ابواب کا سہارا لیا ہے۔ جس کی بدولت قاری کو راجا صاحب کی نعتیہ خدمات تک رسائی کے لیے فکری مدد فراہم ہوتی ہے۔

کتاب کے اختتام پر محمد سلطان نے اپنی عجز سامانی کا اعتراف کیا ہے کہ وہ صرف راجا رشید محمود کے ۱۸ مجموعہ ہائے نعت کا جائزہ لے سکے ہیں' جبکہ راجا صاحب کی بقیہ نعتیہ تصانیف اور ان کی علمی و ادبی زندگی کے متعدد دیگر پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ' ان کی صاحبزادی شہناز کوثر مرتب کر رہی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ شاعرِ نعت کی اس خوش بخت صاحبزادی کا تحقیقی انداز اپنے والد محترم کے کارہائے نمایاں کے مہک بار تذکرہ کو مزید جامعیت کے ساتھ سامنے لانے کا باعث بنے گا۔ اور کیا معلوم کہ تب تک راجا رشید محمود کے مزید کتنے مجموعہ ہائے نعت منظرِ عام پر آ چکے ہوں۔

نعتیہ شاعری اور تنقید و تحقیق کے حوالے سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ راجا رشید محمود نے اپنی نعت گوئی میں مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کماحقہٗ اجاگر کیا ہے۔ نعت گوئی کے علاوہ نعتیہ تحقیقی مضامین میں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محاسنِ قدسی کا جی بھر کر تذکرہ ہی نہیں کیا بلکہ نعت میں نئے اسالیب تراشنے والے نام نہاد نووارد محققین کا تعاقب بھی کیا ہے' جن کی نعت کے کوچے میں آمد کا مقصد ہی اکابرینِ نعت کی توہین اور محاسنِ مصطفےٰ ﷺ کے حوالے سے نئے نئے فلسفے پیش کر کے محسنین تاریخ نعت کا شرعی محاسبہ کرنا تھا۔ یہ محاسبہ سراسر تضحیک اور توہین کے مترادف تھا۔ راجا رشید محمود تو کیا' ایسا کوئی اقدام کوئی بھی ناموسِ رسالت کا پرستار گوارا نہیں کر سکتا۔ اور پھر راجا رشید محمود کے پاس ذہنِ رسا بھی تھا' قلم بھی تھا' تحقیقی جذبہ بھی تھا' نظم نگاری بھی تھا اور ماہنامہ نعت کی ادبی جولاں گاہ بھی تھی۔ انھوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کو مجتمع کر کے غنیم پر حملہ کیا اور اسے پسپا کر کے ہی چھوڑا۔ راجا رشید محمود کی شاعری سے بحث نہیں' مقصود اس جذبۂ عقیدت کا تذکرہ ہے' جو انھیں جرأت آزمائی کے ساتھ میدانِ سخن گوئی میں بصد شان اترنے پر مجبور کرتا رہا۔ یہ ان کا ایسا اقدام ہے' جس نے بہت سے نثر نگاروں اور شاعروں کو نعت گوئی کے علاوہ پیغامِ نعت عام کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔ ''شاعرِ نعت'' کے مطالعہ سے متذکرہ بالا حقیقت بار بار اجاگر ہوتی ہے کیونکہ راجا صاحب جب کام کرتے ہیں یاوار کرتے ہیں تو پھر چھپا کر رکھنے کے عادی نہیں۔

فاضل مصنف ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ نے مختلف مقامات پر راجا رشید محمود کی تحقیقی کاوشوں اور شعری محاسن کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کی علمی سربلندی' تعلیمی کیفیات اور

مختلف حوالوں سے قابل قدر پہلوؤں کو فراموش نہیں کیا۔ ان کی کوشش بھی یہی ہے کہ یہ کتاب محض راجا رشید محمود کے شعری محاسن کا تذکرہ نہ رہے بلکہ ان کی شخصیت کا حسین پرتو بن جائے۔ ایسا پرتو جس میں تمام تر محاسن سمٹ آئیں۔ وہ محاسن جن کا انھوں نے آغاز اور اختتام میں ترتیب وار ذکر بھی کر دیا ہے اور پھر موقع محل کی مناسبت سے مختلف مقامات پر تفصیل سے ذکر بھی کرتے رہے ہیں۔ اس طرح ''شاعرِ نعت'' کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری ان کی نعت گوئی کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت کی قد آور اولیات سے بھی آگاہ ہوتا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد سلطان محمد شاہ نے اپنے ممدوح کی شخصیت کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔

فاضل محقق نے راجا صاحب کے علمی امتیازات کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ''وہ فاضل درس نظامی بھی ہے (فاضل اُردو' ایم۔ اے اُردو کے علاوہ) لیکن اس نے دینیات میں اس طرح کی سندیں حاصل کرنے والے بلکہ ان سندوں کی بنا پر اپنے آپ کو ایم۔ اے سمجھنے یا لکھنے والے مولویوں کی طرح جہالت آفریں حرکتیں نہیں کیں۔ ہاں اُردو ادبیات سے بھی کہیں بڑھ کر علوم اسلامیہ میں اپنا تخصص پیدا کیا ہے''۔ ڈاکٹر سید محمد سلطان کا فرمان اپنی جگہ لیکن حقیقی علم کبھی بھی ڈگریوں کا محتاج نہیں رہا۔ یہ ڈگریاں تو محض ملازمت کے حصول کے لیے ہوتی ہیں۔ جیسے راجا رشید محمود نے زندگی کا ایک بڑا حصہ سنیئر سبجیکٹ سپیشلسٹ کی حیثیت سے افسرانہ ٹھاٹھ کے ساتھ بسر کیا۔ راجا رشید محمود نے نعتیہ اور نظمیہ شاعری کے علاوہ عربی' فارسی تراجم اور تحقیقی میدان میں جو کام کیا ہے' وہ کسی لحاظ سے بھی ڈگریوں کا محتاج نہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ بعض اوقات کام اتنا آگے نکل جاتا ہے کہ ڈگریاں اس کی اثر انگیزی میں گم ہو جاتی ہیں۔ جہالت آفریں حرکتیں کرنے والے مولویوں کو چھوڑیے انھیں تو کسی بہانے ایم اے کہلانے کا موقع مل گیا۔ اگرچہ راجا رشید محمود کی مولویوں سے ٹھنی رہی ہے۔ مگر یہاں ان مولویوں کا کیا ذکر۔ راجا رشید محمود کا علمی کام ان ڈگریوں سے ماوراء ہے۔ اس بات سے ایک زمانہ آگاہ ہے۔ ڈگریوں کے کتنے غزالی' ابن خلدون' رومی' سعدی' احمد رضا خاں پیدا کیے ہیں؟ یہ تو عطائے خداوندی ہے' جس سے راجا رشید محمود خوب خوب بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ اس لیے راجا رشید محمود کی ڈگریوں کو ان کے علمی

کارناموں سے الگ ہی رکھیے۔ ورنہ ان سے بہت زیادہ تعلیمی ڈگریاں رکھنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے مگر افسوس ان کے دامانِ ادب و تحقیق میں ایک کتاب چھوڑ ایک کتابچے کی شکل بھی نظر نہیں آتی۔ اور پھر اقبال کے لفظوں میں

تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی قبائے گُل میں گل بوٹا کہاں ہے

کتاب میں حواشی بڑی جامعیت سے دیئے گئے ہیں۔ جامعیت کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ ان حواشی میں فقط ان کی نعتیہ کتب یا نثری تصانیف ہی کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ ان حواشی میں درجنوں ایسی دینی، مذہبی، ادبی اور فکری کتب کا حوالہ دیا گیا ہے، جن سے شاعرِ نعت راجا رشید محمود یا ان کے شخصیت نگار ڈاکٹر محمد سلطان شاہ نے استفادہ کیا ہے۔ ان حواشی کی بدولت قاری کو متعدد علمی کتب تک رسائی کے لیے آسانی میسر آئے گی۔ اور یہ احساس ابھرے گا کہ حواشی کا یہ بھاری بھر کم ذخیرہ صرف شاعرِ نعت کے علمی مقام کو قد آور بنانے کے لیے جمع نہیں کیا گیا بلکہ اس کی فی الواقع ضرورت تھی۔ اور یہ ضرورت اس وقت صحیح معنوں میں زیادہ اجاگر ہوگی، جب راجا رشید محمود پر کام کرنے والے مزید اصحابِ تحقیق اس میدان میں آگے بڑھنا چاہیں گے۔

راجا رشید محمود کی اولیات اور تخصصات کی جو فہرست دی گئی ہے، ہر آنے والا دن اس فہرست میں اضافہ کر رہا ہے۔ اس بندۂ ناچیز کا راجا رشید محمود سے اس وقت سے تعلق خاطر ہے جب راجا رشید محمود نے نعتیہ کتب اور دیگر فکری اور نظریاتی تصانیف کا اتنا بڑا قابلِ فخر سرمایہ مرتب نہیں کیا تھا (اگرچہ بہت تھا)۔ مگر شاعر اس وقت بھی بہت پیارے تھے۔ ذوقِ تحقیق اس وقت بھی جولانیوں پر تھا۔ غلط بات کو برداشت کا حوصلہ اس وقت بھی نہیں تھا۔ وہ شخصیت پرست نہیں بلکہ ممدوحِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دلآویز ثنا گو تھے۔ تمام صفات سے زیادہ وہ اس پہچان ہی کو حاصلِ حیات سمجھتے تھے۔ نعت نمبروں کی عظیم روایات کے بانی ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور میں، میں نے ۱۹۸۶ء کے نعت نمبر میں راجا صاحب کی نعت گوئی پر تفصیلی مضمون لکھا۔ یہ مضمون ان کی تین نعتیہ کتب کا جائزہ لیے ہوئے تھا۔ میرا گمان ہے کہ (شاید) اس سے پہلے راجا رشید محمود کی نعتیہ شاعری پر کسی نعت نمبر میں اتنا طویل مضمون شائع نہیں ہوا۔ آج خیال آتا ہے کہ راجا رشید محمود پر لکھنے والے مضمون نگاروں کی فہرست

مرتب ہوتی تو شاید اس فہرست میں راقم کا نام سب سے اوپر ہوتا (دیباچوں یا تقاریظ کی بات نہیں) مجھے بے پناہ مسرت ہے کہ میں نے اس دور میں راجا رشید محمود پر لکھا۔ برادرِ عزیز جناب خالد شفیق مدیر شام و سحر کی یہ حسین تر روایت تھی کہ وہ جس شخصیت پر لکھواتے تھے، اس شخص کو گمان تک نہیں ہونے دیتے تھے۔ یہی بات راجا صاحب کے سلسلہ میں محترم خالد شفیق اور میرے درمیان طے ہوگئی تھی۔ میں اپنی اس تحریر کا اختتام اپنے اس مضمون ''راجا رشید محمود: کاروانِ نعت کا ممتاز رکن'' کے ایک اقتباس پر کرنا چاہوں گا:

''راجا رشید محمود کی نعتوں میں مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتیں بھی ہیں اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے روشن پہلوؤں کی طرف واضح اشارے بھی۔ آپ کے فضائل و کمالات کا تذکرہ بھی ہے اور آپ کے عادات و خصائل کا ذکر بھی۔ آپ کے حسنِ صورت کی تجلیات بھی ہیں اور آپ کے کمالِ سیرت کی جلوہ افروزیاں بھی۔ ذاتی حوالے سے اپنے آلامِ فرقت کی داستان بھی ہے اور ملتِ اسلامیہ کے پر آشوب دورِ حال کا نوحہ بھی۔ رنگِ تغزل سے چھلکتے ہوئے ذوق و شوق کے غنچے بھی ہیں اور اسلام کی جاودانی کے بہاراں بہاراں شگوفے بھی۔ ان کی جملہ نعتوں کے تفصیلی مطالعہ سے مرکزی تاثر یہی ابھرتا ہے کہ رشید محمود نے حسن و جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال ذات میں گم ہو کر ایک لمحہ کے لیے بھی اس حقیقت کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصدِ اولیٰ جملہ اوصاف انسانی سے بہرہ ور ایک عالمگیر معاشرے کو وجود میں لانا تھا''۔

''شاعرِ نعت'' ایک ادبی تصنیف بھی ہے اور تحقیقی شہ پارہ بھی۔ باطنی حسن کے علاوہ اس کے ناشر نے اس کے ظاہری حسن کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی بھرپور سعی کی ہے۔ سرورق گنبدِ خضریٰ کی رعنائیوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے ظلمت سے انوارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بصد جمال پھوٹ رہے ہیں۔ بیک ٹائٹل پر راجا رشید محمود اپنے خندہ زیرِ لب عکسِ جمیل کے ساتھ جلوہ فگن ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اصحابِ ذوق راجا رشید محمود پر تحقیق کے حوالے سے اس کتاب کو اپنا ماخذ بناتے ہوئے مسرت محسوس کریں گے۔



ماہنامہ "نعت" لاہور

ایڈیٹر
مکرمی راجا رشید محمود (شاعرِ نعت)
شمارہ نمبر ۷ جولائی ۲۰۰۶ء — رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
طرحی نعتیں (حصہ یازدہم)

صفحات : ۱۹۲

بہ الفاظ بحساب ابجد
"مدیح حبیبِ حق"

"زیبا و زینِ اجلِ طیبہ"

قطعۂ تاریخ (سالِ طباعت)

"آوازِ فضیلتِ محمدؐ"

۱۴۲۷ھ

جہانوں میں فزوں سے ہے فزوں تر ۔ تعالیٰ اللہ، شانِ نعتِ حضرت
بڑی محنت سے راجا نے کیا ہے ۔ منظم کاروانِ نعتِ حضرت
ہُوا طالع محبت کے اُفق پر ۔ سراجِ ضَو فشانِ نعتِ حضرت
شمارہ "نعت" کا اس ماہ کا ہے ۔ حسیں تر گلستانِ نعتِ حضرت
کلام اُن کا ہے اِس کا حُسنِ اَوراق ۔ جو ہیں شیدائیانِ نعتِ حضرت
مزین اُن کی تحریروں سے ہے یہ ۔ جو ہیں نغمہ گرانِ نعتِ حضرت
محبانِ نبی کو خوش کرے گا ۔ یہ پیارا ارمغانِ نعتِ حضرت
طباعت کی کہی طارق نے تاریخ
خوشا "زیبِ جہانِ نعتِ حضرت"
۲۰۰۶ء

"خوگرِ نعتِ عبدہٗ"
۱۴۲۷ھ

محمد عبد القیوم طارق سلطانپوری

ماہنامہ "نعت" لاہور (طرحی نعتیں۔ حصہ یازدہم)

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

ناشر: ایوانِ نعت۔ اظہر منزل، چوک گلی نمبر 5/10، نیو شالامار کالونی، ملتان روڈ لاہور 54500

صفحات: 192 قیمت: 60روپے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کو بلندی و رفعت عطا فرمائی ہے اور اس رفعت کی ہی یہ عظمت ہے کہ دنیا کا کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو اس ذکرِ مقدس سے معمور نہ ہو۔ اس لیے کہ دُنیا کے تمام خطوں میں طلوع وغروب آفتاب کے اوقات الگ الگ ہیں۔ چنانچہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی وقت نماز کا وقت ہوتا ہے اور اذان ونماز کے ذریعہ اللہ اور اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر جاری رہتا ہے۔ گویا یوں کہئے کہ درود وسلام کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ نعت بھی توصیف رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ نعت گوئی کی توفیق سراسر عطا وکرم کے باعث نصیب ہوتی ہے۔

راجا رشید محمود فروغِ نعت کے سلسلہ میں برسوں سے سرگرم عمل ہیں۔ نعت گوئی اور نعتیہ شاعری پر تحقیق وتدقیق کے حوالہ سے ان کا نام علمی وادبی حلقوں میں معروف ومعتبر ہو چکا ہے۔ نعتیہ شاعری پر مشتمل ان کے تین درجن سے زائد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ گزشتہ کئی سال سے ماہنامہ نعت کے مدیر کی حیثیت سے انہوں نے کئی اہم نعتیہ کتب کی تدوین اور اشاعت بھی کی۔ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کے استاد ڈاکٹر محمد سلطان شاہ نے نعت گوئی ونعتیہ ادب کے فروغ وترقی کے ضمن میں راجا رشید محمود کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مفصل کتاب "شاعرِ نعت" تحریر کی ہے۔

ماہنامہ "نعت" بھی راجا رشید محمود کے فروغِ نعت کے مشن کی ایک کڑی ہے۔ ماہنامہ "نعت" کا یہ خاص شمارہ طرحی نعتوں پر مشتمل ہے۔ یہ نعتیں "سید ہجویرؒ نعت کونسل" کے زیرِ اہتمام جولائی، اگست، ستمبر اور اکتوبر 2005 میں منعقدہ طرحی نعتیہ مشاعروں میں پیش کی گئیں۔

ماہنامہ "نعت" کے اس شمارہ میں ملکی سطح کے معروف نعت خواں شاعروں کی نعتیں شامل کی گئی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ماہنامہ "نعت" کا یہ شمارہ نعتیہ ادب میں ایک یادگار حیثیت کا حامل ہے۔

گوشۂ ادب، ص ۱۶۵، ستمبر ۲۰۰۶ء، روحانی ڈائجسٹ

اخبارِ نعت

سید ہجویرؒ نعت کونسل

(۱) ٦ جولائی ٢٠٠٦ء کو نمازِ مغرب کے بعد "سید ہجویرؒ نعت کونسل" کا ۵۵واں (پانچویں سال کا ساتواں) ماہانہ طرحی نعتیہ مشاعرہ چوپال لاہور میں ہوا۔ مرتضیٰ احمد خاں میکش اس ماہ کے شاعر تھے۔ ماہنامہ "نعت" میں ان کی نعت کا ایک مصرع ایک مرتبہ، اور اسی نعت کا دوسرا مصرع بعد میں شائع ہوا۔ نتیجے کے طور پر یہ دونوں مصرعے شعراءِ نعت کے سامنے تھے:

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

اور "سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰ ﷺ کا غلام ہونا"

"مرام، غلام، خیر الانام" قوافی اور "ہونا" ردیف کے ساتھ، جن شاعروں کی نعتیں مشاعرے کی زینت بنیں، وہ تھے: رفیع الدین ذکی قریشی۔ محمد بشیر رزمی۔ قاری غلام زبیر نازش (گوجرانوالا)۔ پروفیسر ریاض احمد قادری (فیصل آباد)۔ تنویر پھول (کراچی)۔ بشیر رحمانی۔ صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری (بصیر پور)۔ ضیا نیر۔ حافظ محمد صادق۔ محمد یونس حسرت امرتسری۔ محمد ابراہیم عاجز قادری۔ محمد افضال انجم ضیائی۔ منصور حسین فائز۔ راجا رشید محمود۔

"یہی ہے نائل مرام ہونا" ردیف اور "غافل، دل، حاصل" قوافی کے ساتھ ایک نعت مدیر نعت نے کہی تھی۔ ان کی ایک نعت "اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا" ردیف اور "رحیم، عظیم، حریم" قوافی کے ساتھ تھی۔

تنویر پھول اور محمد ابراہیم عاجز قادری نے گرہ بند نعتیں بھی کہیں۔

پہلے مصرع طرح پر گرہوں نے یہ صورت اختیار کی:

مرتضیٰ احمد میکش: یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا

گدائے مقبولِ آستانِ حضور خیر الانام ﷺ ہونا

خدا ہو تیرا نصیر میکش تو قاہرانِ زماں سے کہ دے

سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا

ریاض احمد قادری: رسولِ اکرمؐ کے در پہ جا کر حضوریوں کی نوید پانا

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

غلام زبیر نازش: درود پڑھنا، سلام کہنا، انھی کی یادوں میں مست رہنا

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

یونس حسرت امرتسری: زبانِ دل سے درود پڑھنا، لبوں پہ حرفِ سلام ہونا

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

تنویر پھول: نبیؐ کے قدموں ہی میں رہیں ہم، جناں کی ہوں دائمی بہاریں

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

افضال انجم ضیائی: نبیؐ کی حرمت پہ جان جائے، زمانہ بھر جس کو مان جائے

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

محمد محبّ اللہ نوری: حبیب داور، شفیع محشرؐ کا ذکرِ اطہر رہے جو لب پر

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

نبیؐ کے در پر جو موت آئے، بقیع میں تو قرار پائے

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

رفیع الدین ذکی قریشی: "یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

نبیٔ رحمت، نبیٔ رافتؐ کا ایک سچا غلام ہونا

انھی کی یادوں میں زندہ رہنا، انھی کی حرمت پہ جان دینا

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

حافظ محمد صادق: رسولِ اکرمؐ کا جان و دل سے مطیع و منقاد و رام ہونا

"یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا"

رسولِ ربِ جہاںؐ کے رستے پہ چلتے رہنا خلوصِ دل سے

''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
وفا کرو گے جو شاہِ دیںؐ سے تو ہر بلا سے بچے رہو گے
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''

ابراہیم عاجز قادری: نصیب ہو جائے خواب میں گر حضورؐ سے ہم کلام ہونا
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
خدا کا بن جانا سچا بندہ، نبیؐ کا سچا غلام ہونا
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
نبیؐ کی حرمت پہ ہو کے قرباں شہید عامرؒ یہ خود سے بولا
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
جو سبز گنبد کے زیرِ سایہ نبیؐ کے قدموں میں موت آئے
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
سُنیں عمرؓ نے نبیؐ کی باتیں تو لائے اسلام اور بولے
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
اگر عطا ہو بوقتِ آخر مجھے بھی دیدارِ شاہِ والاؐ
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
جو راہِ تبلیغِ دینِ سرورؐ میں موت آ جائے امتی کو
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
نبیؐ کے بیٹے جو غوثِ اعظمؒ ہیں، ان کا دامن پکڑ لیا ہے
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
نثار ہو کر نبیؐ پہ عاجز یہ کہہ رہا ہے شہید عامرؒ
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''

راجا رشید محمود: نبیؐ کے روضے پہ دست بستہ درود ہونا، سلام ہونا
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
سمجھ نبیؐ کو رحیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا

''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''
یہ تجھ کو احکام مصطفیٰؐ پر عمل کی توفیق ہو مبارک!
''یہی ہے فوزِ عظیم اے دل! یہی ہے نائل مرام ہونا''

دوسرے مصرعے پر گرہوں نے یہ بہار دکھائی:

تنویر پھول: خدا نے ان کے لیے لکھا تھا پیمبروںؑ کا امام ہونا
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''
پڑا ہے آنکھوں پہ سب کی پردہ، اگر نہ سمجھے یہ ساری دُنیا
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''
گدا ہیں جو مصطفیٰؐ کے در کے، وہ بادشاہوں سے بڑھ کے بے شک
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''
خدا کے بعد ان کا مرتبہ ہے، دلوں میں لازم ہے ان کی الفت
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''
حبش کو چھوڑا، بلالؓ آئے، نبیؐ کی خدمت میں دن گزارے
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''
کہا تھا بچپن میں زیدؓ نے یہ، نہیں میں چھوڑوں گا شہ کی قربت
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''
زمیں پہ روح الامینؑ آئے، کھڑے تھے وہ شانِ دیںؐ کے در پر
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''
خدا نے ہے پھولؔ بخشی نعمت، ملا تجھے نعت کا ہے گلشن
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''
زباں پہ نعتِ نبیؐ کے نغمے ہوئے ہیں اے پھول تیری جاری
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''

ضیا نیر: غلامئ آنحضورؐ ہی سے عطا ہوئی شانِ سرفرازی
''سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیٰؐ کا غلام ہونا''

یہ وہ غلامی ہے، رشک جس پر مُدام کرتی ہے کج کلاہی
"سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیؐ کا غلام ہونا"

راجارشید محمود: یہاں بھی عزت اسے ملے گی، بڑائی اس کی وہاں بھی ہوگی
"سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیؐ کا غلام ہونا"
بلالؓ و زیدؓ و صہیبؓ و شقرانؓ کی عظمتیں یہ بتا رہی ہیں
"سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیؐ کا غلام ہونا"

"سعادتِ دو جہاں کا موجب ہے مصطفیؐ کا غلام ہونا"، پر تنویر پھول، ضیا نیر، اور راجا رشید محمود کی غیر مردّف (روی کے ساتھ) نعتیں آئیں۔ راجا رشید محمود کی ایک نعت "ہونا، پرونا، کونا" قوافی کے ساتھ غیر مردّف تھی اور ایک نعت "جہاں، جاں، سائباں" قوافی اور "کا موجب ہے مصطفیؐ کا غلام ہونا" ردیف میں تھی۔

(۲) کونسل کے زیرِ اہتمام ۵۶ واں (پانچویں سال کا آٹھواں) ماہانہ طرحی نعتیہ مشاعرہ ۳ اگست ۲۰۰۶ء کو نمازِ مغرب کے بعد چوپال (ناصر باغ، لاہور) میں ہوا۔ اس مرتبہ تحریک پاکستان کے جلیل القدر رہنما مولانا عبدالحامد بدایونی کے درج ذیل مصرعے پر نعتیں کہی گئی تھیں:

"ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا"

مختار جاوید منہاس، صاحب صدارت اور ظہور الدین خان امرتسری (مولانا عبدالحامد پر کئی کتابوں کے مرتب اور ناشر/ مرکزی مجلس رضا مرحوم کے سابق سیکرٹری/ ادارۂ پاکستان شناسی کے ڈائریکٹر) مہمان خصوصی تھے۔ محمد نعیم طاہر رضوی (بانی و صدر کنز الایمان سوسائٹی/ مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ "کنز الایمان"، لاہور) اور ملک محمد محبوب الرسول قادری (مدیر ماہنامہ "سوئے حجاز" و "انوارِ رضا") مہمانانِ اعزاز تھے۔ قاری غلام زبیر نازش (گوجرانوالا) نے تلاوتِ قرآن مجید کی سعادت پائی۔ کونسل کے چیئرمین راجا رشید محمود حسب روایت ناظمِ مشاعرہ تھے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی کی نعت کے علاوہ پروفیسر ریاض احمد قادری (فیصل آباد)، تنویر پھول (کراچی۔ حال امریکہ) اور صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری (بصیر پور) کی نعتیں

ناظمِ مشاعرہ نے پڑھیں۔

مشاعرے کے آخر میں ملک محمد محبوب الرسول قادری (مہمانِ اعزاز) اور مختار جاوید منہاس (صاحبِ صدارت) نے نعت النبی ﷺ کے علاوہ محققِ عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ اور مولانا عبدالحامد بدایونیؒ کی خدمت پر مؤثر انداز میں روشنی ڈالی۔

"لولاک، ادراک، خاک"، وغیرہ قوافی اور "کا" ردیف میں شہزاد مجددی، محمد بشیر رزمی، صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری (مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ/ مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ "نور الحبیب" بصیر پور)، رفیع الدین ذکی قریشی، قاری غلام زبیر نازش (گوجرانوالا)، تنویر پھول (کراچی۔ حال امریکہ)، صادق جمیل، پروفیسر حسن عسکری کاظمی، سالار مسعودی، محمد لطیف محمد طفیل اعظمی، پروفیسر ریاض احمد قادری (فیصل آباد)، محمد یونس حسرت امرتسری، محمد ابراہیم عاجز قادری، ضیا نیر، ڈاکٹر عطاء الحق انجم فاروقی، عقیل اختر، رحمت علی اختر، محمد اسلام شاہ اور راجا رشید محمود کی نعتیں سامنے آئیں۔

بشیر رحمانی، اکرم سحر فارانی (کامونکی)، ضیا نیر، تنویر پھول، سلطان محمود اور راجا رشید محمود کی ایک ایک نعت غیر مردّف تھی۔

تنویر پھول اور راجا رشید محمود کی ایک ایک نعت گرہ بند تھی۔

مدیر نعت نے ایک نعت "شہِ لولاک ﷺ کا" ردیف میں اور ایک اور نعت "دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا" ردیف مین بھی کہی تھی۔ دبستانِ وارثیہ کراچی کے سربراہ قمر وارثی کی نعت مشاعرے کے بعد موصول ہوئی، اس لیے پڑھی نہ جا سکی۔

گرہ کے تنوع نے یہ رنگ باندھا:

عبدالحامد بدایونی: میرے عصیاں کے زبوں کی پردہ پوشی ہو گئی
ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا

رفیع الدین ذکی قریشی: رشک آتا ہے ذکی اس پر سبھی کو، جس کے بھی
"ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا"

حسن عسکری کاظمی: چاہنے والو! فقط اتنی دعا کرتے ہو
"ہاتھ آئے دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا"

صادق جمیل: کون روکے گا ہمیں جنت مکینی سے جمیلؔ

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

غلام زبیر نازش: دولتِ کونین پائی' رحمتِ دارین بھی

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

محمد لطیف: آندھیوں کا خوف ہے مجھ کو' نہ طوفانوں کا ڈر

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

سالار مسعودی: روزِ محشر بخشوانے کا ہوا ہے اہتمام

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

عقیل اختر: میرا اب تکیہ نہیں ہے دفترِ اعمال پر

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

سلطان محمود: اس طرح بگڑا ہوا میرا مقدر بن گیا

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

ریاض احمد قادری: یوں لگا مجھ کو کہ میں افلاک سے اونچا ہوا

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

رحمت علی اختر: مل گئیں ہم کو یقیناً دو جہاں کی نعمتیں

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

محمد اسلام شاہ: ''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

میں ہوا مالک زمین اور گنبدِ افلاک کا

انجم فاروقی: میری قسمت کا ستارہ اوج پر یوں آ گیا

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

یونس حسرت امرتسری: ''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

بس یہی رازِ سکوں ہے اس دلِ غم ناک کا

محمد محب اللہ نوری: شکر ہے' احسان ہے مولا تیرا بے حد و عد

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

اس سے بڑھ کر عظمتِ امت ہو کیا نوری بھلا

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

ضیا نیر: ''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

دنیا و عقبیٰ کا آساں ہو گیا ہر راستہ

ہوں گے طے اس کی بدولت اخروی سب مرحلے

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

محمد طفیل اعظمی: مرتبہ اونچا فلک سے ہو گیا مجھ خاک کا

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

اس جہاں میں دولتِ کونین مجھ کو مل گئی

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

محمد ابراہیم عاجز قادری: کس قدر احسان ہے مجھ پر خدائے پاک کا

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

بے طلب اللہ نے ہم پر کیا احسان یہ

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

یہ فقط اللہ کا فضل و کرم ہے مجھ پہ جو

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

شکر مولا کا کروں میں کیوں نہ اس احسان پر

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

بے دھڑک جائے گا وہ خلدِ بریں میں' جس کے بھی

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

شکر کے سجدے لٹائے کیوں نہ عاجز رات دن

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

تنویر پھول: حال ابتر ہو رہا تھا جب دلِ غم ناک کا

''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

ہم پہ بے شک ہے کرم بے حد خدائے پاک کا
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
حشر کے دن جب سوا نیزے پہ سورج آ گیا
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
حشر کے میدان میں امت پریشان حال تھی
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
ماؤں کی حرمت نہ تھی اور بیٹیاں ہوتی تھیں قتل
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
ظلم ڈھاتا تھا امیہؔ، صبر کرتے تھے بلالؓ
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
آگ کی خندق تھی جب اہلِ جہاں کے سامنے
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
بھیجا رب العالمیں نے رحمت للعالمیںؐ
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
طے مسافت کر کے طیبہ آئے جب سلمانؓ پھول
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

راجا رشید محمود:
کیوں کرم اس کو نہ سمجھوں میں خدائے پاک کا
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
حرف جب ٹپکا ہمارے دیدۂ نم ناک کا
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
گویا رب نے خلعتِ رحمت عطا فرما دیا
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
خالق ہر دو جہاں کا فضل یوں مجھ پر ہوا
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

ہے قبالہ گلشنِ جنت کا قسمت میں مری
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
سائبانِ عافیت سر پر تنا، جس روز سے
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
پاؤں تو اٹھنے ہی تھے فردوس کی جانب مرے
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
ذکر میری خوش نصیبی کا سرِ افلاک ہے
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
ساتھ پایا اولیاء اللہؒ کا، جس شخص کے
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''
رقصِ بہجت میں مگن محمودؔ آخر کیوں نہ ہو
''ہاتھ آیا دامنِ رحمت شہِ لولاک ﷺ کا''

(۳) آیندہ مشاعرہ ان شاء اللہ ۷ ستمبر ۲۰۰۶ء کو اقبال عظیم کے اس مصرعے پر ہوگا:

''اتر کے آ گئے شمس و قمر مدینے میں''

(۴) ۲۰۰۶ء کے باقی مشاعروں کے لیے درج ذیل مصرعے استعمال ہوں گے:

اکتوبر: حضورؐ دل کی نگاہوں سے ماورا تو نہ تھے (مظفر گجراتی)
نومبر: وہ دیکھیے وہ گنبدِ خضرا نظر آیا (اسد ملتانی)
دسمبر: بندہ نواز! صدقہ لطفِ نظر ملے (انور فیروز پوری)

متفرقات

(۱) ۱۷ جولائی / ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ (پیر) کو ماہنامہ ''نعت'' کے دفتر میں سیدۃ النساء العالمین فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے یومِ ولادت کے سلسلے میں ایک مختصر تقریب ہوئی۔

(۲) ۲۰ جولائی (جمعرات) کو نمازِ عصر کے بعد جامع مسجد فاروق اعظمؓ نفیر آباد شالیمار ٹاؤن میں محمد ثناء اللہ بٹ مرحوم کے عرس کی تقریب ہوئی۔ تقریب کے منتظم اور ناظم ان کے

شاگرد سجاد حسن (سی اے) تھے۔ تلاوتِ قرآن کریم کے بعد دو بچوں اظہر محمود اور ابوبکر (شہزاد ناگی کے شاگردانِ عزیز) نے مدیرِ نعت کی یہ نعت پڑھی:

اکرامِ نبیؐ الطافِ خدا سبحان اللہ ماشاء اللہ

محمد ارشد قادری، محمد الیاس زاہد رحمانی اور دوسرے نعت خوان حضرات نے نعتیں پڑھیں۔ مدیرِ نعت، خواجہ غلام قطب الدین فریدی، ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی اور دوسرے حضرات نے تقریریں کیں۔ تقریب عشا کے بعد تک جاری رہی۔

(۳) ۲۷ جولائی کو ریڈیو پاکستان، لاہور کے پروگرام ''صراطِ مستقیم'' کے لیے مدیرِ نعت کی تقریر بعنوان ''اسلامی طرزِ معاشرت: مسلمان دانشور کا طرزِ معاشرت اور کردار'' ریکارڈ کی گئی۔ پروڈیوسر حافظ حفیظ الرحمٰن تھے۔ تقریر ۳۰ جولائی کو نشر ہوئی۔

(۴) ۲۹ جولائی کو بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن، لاہور کے زیرِ اہتمام ہونے والی نعت خوانی، قراءت اور سیرت کوئز کا فائنل مقابلہ بورڈ کے ہال میں بورڈ کے چیئرمین پروفیسر محمد زکریا بٹ کی صدارت میں ہوا۔ پروفیسر سعید احمد خاں کھچی مہمانِ خصوصی تھے۔ مقابلۂ نعت خوانی میں پانچ بچوں اور چار بچیوں نے حصہ لیا۔ پروفیسر محمد صدیق اکبر، قاری نذیر احمد اور مدیرِ نعت منصفین تھے۔ حاجی محمد ڈوگر (سیکرٹری بورڈ) اور مہمانِ خصوصی نے تینوں مقابلوں کے سب شرکا میں انعامات تقسیم کیے۔

(۵) ۷ اگست کو نمازِ مغرب کے فوراً بعد سید ہمایوں رشید کے ہاں (فرینڈز کالونی، سمن آباد میں) ایوانِ درود و سلام کے زیرِ اہتمام بارھویں کی ماہانہ محفل درود و نعت ہوئی، جس میں صاحبزادہ سید فیضان بخاری نے تلاوت کی اور ڈاکٹر محمد عاشق مدنی (اوکاڑا) نے قصیدہ بُردہ شریف کے اشعار اور بیدم وارثی کی نعت پڑھی۔ رفیع الدین ذکی قریشی اور راجا رشید محمود نے اپنا نعتیہ کلام سنایا۔ سب سے پہلے حسبِ روایت خاموشی سے درود پاک پڑھا گیا تھا۔ آخر میں مدیرِ نعت نے دعا کرائی۔

(۶) ۹۔ اگست کو نمازِ عصر سے مغرب تک محمد قمر ریاض حسین بسرا ایڈووکیٹ کے ہاں (راوی پارک میں) یومِ ولادت علی المرتضیٰؓ کی تقریب ہوئی۔ جس میں کرم الٰہی نقشبندی نے نعت شریف کے بعد مناقب علی و فاطمہ و حسنین (علیہم السلام) اور مناقب غوث الثقلین و داتا گنج بخش (رحمہما اللہ تعالیٰ) پڑھے۔ راجا رشید محمود نے دعا کرائی۔

(۷) ۱۸۔ اگست (جمعہ) کو نمازِ عشا کے بعد واصف علی واصف کے ۱۴ویں سالانہ عرس پر میانی صاحب میں محفلِ نعت ہوئی۔ ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی صاحبِ صدارت اور مدیرِ نعت مہمانِ خصوصی تھے۔ محمد الیاس زاہد رحمانی، سرور حسین نقشبندی، اختر حسین قریشی، محمود الحسن صدیقی، رموز احمد اور سید ذیشان بخاری نے نعت خوانی کی۔ قاری رفیع الدین سیالوی نے تلاوت کی۔ مہمانِ خصوصی راجا رشید محمود سے ان کا نعتیہ کلام سنا گیا۔ صاحبِ صدارت نے دعا کرائی۔

(۸) ۱۹۔ اگست کو مدیرِ نعت کی والدہ اپنے رب کریم کے حضور چلی گئی تھیں، چنانچہ اس دن (نمازِ عشا کے بعد) دفتر ماہنامہ ''نعت'' میں ان کے ایصالِ ثواب کی ایک مختصر تقریب ہوئی۔

(۹) ماہنامہ ''نعت'' کی سینئر ڈپٹی ایڈیٹر شہناز کوثر (ایم۔ اے اُردو) نے ہومیو ڈاکٹر کی حیثیت سے عورتوں اور بچوں کے علاج کے لیے کلینک شروع کیا ہے۔ ۲۳۔ اگست کو راجا رشید محمود نے فیتہ کاٹ کر ''علی ہجویریؒ کلینک'' کا افتتاح کیا۔

(۱۰) ۲۵۔ اگست (جمعہ) کو شام ۶ بجے سائنز ٹاور، لوئر مال میں مجلسِ قائداعظمؒ کی مجلسِ عامہ کا اجلاس ہوا، جس کی صدارت ظفر احمد نے کی۔ ڈاکٹر سید سجاد حیدر (جنرل سیکرٹری ڈاکٹر احسان الٰہی ظفر) جوائنٹ سیکرٹری اور دوسرے شرکا نے گفتگو میں حصہ لیا۔ عبدالرحمٰن نے تلاوتِ قرآن مجید کی سعادت حاصل کی۔

مدیرِ نعت کی تجویز پر طے پایا کہ ایک سال تک عہدیداروں کے موجودہ سیٹ اَپ کو کام کرنے دیا جائے۔ بعد میں کارکردگی کی بنا پر کوئی تبدیلی کی جائے۔ نیز انھی کی تجویز پر یہ فیصلہ بھی ہوا کہ طے شدہ تقریبات کسی عہدیدار کے موجود یا غیر حاضر ہونے سے متاثر نہ ہوں۔

اجلاس میں طے پایا کہ ۱۱ ستمبر کی تقریب شایانِ شان طریقے سے منائی جائے۔

(۱۱) ۲۷۔ اگست (اتوار) کو تحریک انجمن تعمیلِ اسلام کے دفتر واقع بابا فریدؒ روڈ (ریٹی گن روڈ) پر مدیرِ نعت نے سورۃ الانفال کے ساتویں رکوع کا درس دیا۔ درسِ قرآن کے اختتام پر ڈاکٹر سید الیاس علی عباسی نے تائیدی گفتگو کی۔ تلاوت کی سعادت قاری محمد یاسین نے حاصل کی۔



1988 کے خاص نمبر

جنوری	حمد باری تعالیٰ
فروری	نعت کیا ہے؟
مارچ	مدینۃ الرسول (ﷺ) اول
اپریل	اُردو کے صاحب کتاب نعت گو (اول)
مئی	مدینۃ الرسول (ﷺ) دوم
جون	اُردو کے صاحب کتاب نعت گو (دوم)
جولائی	نعت قدسی
اگست	غیر مسلموں کی نعت (اول)
ستمبر	رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (اول)
اکتوبر	میلادالنبی (ﷺ) اول
نومبر	میلادالنبی (ﷺ) دوم
دسمبر	میلادالنبی (ﷺ) سوم

1989 کے خاص نمبر

جنوری	لاکھوں سلام (اول)
فروری	رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (دوم)
مارچ	معراج النبی ﷺ (اول)
اپریل	معراج النبی ﷺ (دوم)
مئی	لاکھوں سلام (دوم)
جون	غیر مسلموں کی نعت (دوم)
جولائی	کلام ضیاء القادری (اول)
اگست	کلام ضیاء القادری (دوم)
ستمبر	اُردو کے صاحب کتاب نعت گو (سوم)
اکتوبر	درود وسلام (اول)
نومبر	درود وسلام (دوم)
دسمبر	درود وسلام (سوم)

1990 کے خاص نمبر

جنوری	حسن رضا بریلوی کی نعت
فروری	رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (سوم)
مارچ	درود وسلام (چہارم)
اپریل	درود وسلام (پنجم)
مئی	درود وسلام (ششم)
جون	غیر مسلموں کی نعت (سوم)
جولائی	اُردو کے صاحب کتاب نعت گو (چہارم)
اگست	وارثیوں کی نعت
ستمبر	آزاد بیکانیری کی نعت (اول)
اکتوبر	میلادالنبی ﷺ (چہارم)
نومبر	درود وسلام (ہفتم)
دسمبر	درود وسلام (ہشتم)

1991 کے خاص نمبر

جنوری	شہیدان ناموس رسالت (اول)
فروری	شہیدان ناموس رسالت (دوم)
مارچ	شہیدان ناموس رسالت (سوم)
اپریل	شہیدان ناموس رسالت (چہارم)
مئی	شہیدان ناموس رسالت (پنجم)
جون	غریب سہارنپوری کی نعت
جولائی	نعتیہ مسدس
اگست	فیضان رضا
ستمبر	عربی ادب میں ذکر میلاد
اکتوبر	سراپائے سرکار ﷺ
نومبر	اقبالؔ کی نعت
دسمبر	حضور ﷺ کا بچپن

1992 کے خاص نمبر

جنوری	نعتیہ رُباعیات
فروری	آزاد بیکانیری کی نعت (دوم)
مارچ	نعت کے سائے میں
اپریل	پیر کے دن کی اہمیت (اول)
مئی	پیر کے دن کی اہمیت (دوم)
جون	پیر کے دن کی اہمیت (سوم)
جولائی	غیر مسلموں کی نعت (چہارم)
اگست	آزاد نعتیہ نظم
ستمبر	سیرت منظوم
اکتوبر	سراپائے سرکار (دوم)
نومبر/دسمبر	سفر سعادت' منزل محبت (اشاعت خصوصی)

1993 کے خاص نمبر

جنوری	۹۲ (قطعات)
فروری	عربی نعت اور علامہ نبہانیؒ
مارچ	ستار وارثی کی نعت گوئی
اپریل	حضور ﷺ اور بچے
مئی	حضور ﷺ کے سیاہ فام رفقا
جون	زائر مدینہ بہزاد لکھنوی کی نعت
جولائی/اگست	تسخیر عالمین اور رحمۃ للعالمین (اشاعت خصوصی)
ستمبر	رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (چہارم)
اکتوبر	نعت ہی نعت
نومبر	یا رسول اللہ ﷺ
دسمبر	حضور ﷺ کی رشتہ دار خواتین

1994 کے خاص نمبر

جنوری	محمد حسین فقیر کی نعت
فروری	نعت ہی نعت (دوم)
مارچ	تضمینیں
اپریل	حضور ﷺ کی معاشی زندگی
مئی	اختر الحامدی کی نعت
جون	مدینۃ الرسول ﷺ (سوم)
جولائی	شیوا بریلوی اور جمیل نظر کی نعت
اگست	دیار نور
ستمبر	بے چین رجپوری کی نعت
اکتوبر	نعت ہی نعت (سوم)
نومبر	نور علیٰ نور
دسمبر	معراج النبی ﷺ (سوم)

1995 کے خاص نمبر

جنوری	حضور ﷺ کی عادات کریمہ
فروری	استغاثے
مارچ	نعت ہی نعت (چہارم)
اپریل	نعت کیا ہے؟ (دوم)
مئی	نعت کیا ہے؟ (سوم)
جون	نعت کیا ہے؟ (چہارم)
جولائی/اگست	خواتین کی نعت گوئی (اشاعت خصوصی)
ستمبر	نعت ہی نعت
اکتوبر	کافی کی نعت
نومبر	غیر مسلموں کی نعت گوئی (اشاعت خصوصی)
دسمبر	انتخاب نعت

1996 کے خاص نمبر

ماہ	عنوان
جنوری	لطف بریلوی کی نعت
فروری	نعت ہی نعت (ششم)
مارچ اپریل	اُردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلو پیڈیا (اشاعت خصوصی)
مئی	ہجرت مصطفیٰ ﷺ
جون	سرکار ﷺ دی سیرت
جولائی	حضورؐ کیلئے لفظ ''آپ'' کا استعمال
اگست	ظہور قدسی
ستمبر؍اکتوبر	اُردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلو پیڈیا (اشاعت خصوصی)
نومبر	مجھے اُن ﷺ سے پیار ہے
دسمبر	ضلع اٹک کے نعت گو

1997 کے خاص نمبر

ماہ	عنوان
جنوری	شہر کرم (مصطفیٰ ﷺ نگر)
فروری	نعت ہی نعت (ہفتم)
مارچ	ہوا یہ کہ.........
اپریل	جوہر میرٹھی کی نعت
مئی	حضور ﷺ دا ویریاں نال سلوک
جون	دربار رسولؐ سے اعزاز یافتہ خواتین
جولائی	احمد رضا بریلویؒ کی نعت
اگست	مدیح سرکار ﷺ
ستمبر	گجرات کے پنجابی نعت گو شعرا
اکتوبر	تہنیت النساء تہنیت کی نعت
نومبر	اُردو نعت اور عساکر پاکستان
دسمبر	ڈاکٹر فقیر کی نعتیہ شاعری

1998 کے خاص نمبر

ماہ	عنوان
جنوری	نزول وحی (تحقیق)
فروری	ضلع گجرات کے اُردو نعت گو شعرا
مارچ	قطعات نعت
اپریل	نعت ہی نعت (ہشتم)
مئی	ہجرت حبشہ (تحقیق)
جون	عبدالقدیر حسرت کی حمد و نعت
جولائی	ماہنامہ ''نعت'' کے اداریے
اگست	نعت اور ضلع سرگودھا کے شعراء
ستمبر؍اکتوبر	ماہنامہ ''نعت'' کے دس سال (اشاعت خصوصی)
نومبر	حی علی الصلوۃ
دسمبر	نعت ہی نعت

1999 کے خاص نمبر

ماہ	عنوان
جنوری	کراچی کے شعرا نعت
فروری	حقیر فاروقی کی نعت
مارچ	نعتیہ تبرکات
اپریل	سرکار ﷺ دی جنگی زندگی
مئی	مکی زندگی کے مسلمان
جون	حمید صدیقی کی نعت گوئی
جولائی؍اگست	تحفظ ناموس رسالت (اشاعت خصوصی)
ستمبر	مخمسات نعت
اکتوبر	نعت ہی نعت
نومبر	امیر مینائی کی نعت
دسمبر	عابد بریلوی کی نعت

2000 کے خاص نمبر

ماہ	عنوان
جنوری	اعزاز یافتہ صحابہؓ
فروری	موج نور
مارچ	سرزمین محبت
اپریل	ہمارے حضور ﷺ کی زندگی
مئی؍جون	شعب ابی طالب (اشاعت خصوصی)
جولائی	نورنبی ﷺ دیاں کرناں
اگست	نعت ہی نعت (۱۱واں حصہ)
ستمبر؍اکتوبر	تحقیق/سرقہ (اشاعت خصوصی)
نومبر	حرف نعت
دسمبر	سندھ کے نعت گو

2001 کے خاص نمبر

ماہ	عنوان
جنوری	مفتی غلام سرور لاہوری کی نعت
فروری	فردیات نعت
مارچ	تضامین نعت
اپریل	بیعت عقبہ
مئی	نعت
جون	ظفر علی خاں کی نعت
جولائی	ساڈے آقا سائیں ﷺ
اگست	سلام ارادت
ستمبر	نعت ہی نعت (۱۲ واں حصہ)
اکتوبر	سلام ضیا (حصہ اول)
نومبر	کتاب نعت
دسمبر	راولپنڈی شہر کے نعت گو

2002 کے خاص نمبر

ماہ	عنوان
جنوری	اشعار نعت
فروری مارچ	سلام ضیا
اپریل مئی	نعت ہی نعت (۱۳واں حصہ)
جون	اوراق نعت
جولائی	نعت ہی نعت (۱۴واں حصہ)
اگست	عربی نعت
ستمبر	مدحت سرور ﷺ
اکتوبر نومبر	عرفان نعت (اشاعت خصوصی)
دسمبر	دیار نعت

2003 کے خاص نمبر

ماہ	عنوان
جنوری فروری	حمد خالق (اشاعت خصوصی)
مارچ	اسلام آباد کے نعت گو
اپریل مئی	تسبیح نعت (اشاعت خصوصی)
جون	صباح نعت
جولائی	طرحی نعتیں (اول)
اگست ستمبر	طرحی نعتیں (دوم) (اشاعت خصوصی)
اکتوبر نومبر	احرام نعت
دسمبر	طرحی نعتیں (سوم)

2004 کے خاص نمبر

جنوری	ردائفِ نعت
فروری	شعاعِ نعت
مارچ	دیوانِ نعت
اپریل	منتشراتِ نعت
مئی، جون	طرحی نعتیں (چہارم)
	تجلیاتِ نعت
جولائی	طرحی نعتیں (پنجم)
اگست	وارداتِ نعت
ستمبر،اکتوبر	طرحی نعتیں (ششم) (اشاعتِ خصوصی)
نومبر	بیانِ نعت
دسمبر	مینائے نعت

2005 کے خاص نمبر

جنوری	حمد میں نعت
فروری	مولانا خیرالدین اوران کی نعت گوئی
مارچ	''راوی'' میں حمد ونعت
اپریل	التفاتِ نعت
مئی	طرحی نعتیں (ہفتم)
جون	(اشاعتِ خصوصی)
جولائی	عنایتِ نعت
اگست	مرقعِ نعت
ستمبر	طرحی نعتیں (ہشتم)
اکتوبر،نومبر	طرحی نعتیں (حصہ نہم)
دسمبر	نیازِ نعت

2006 کے خاص نمبر

جنوری	بستانِ نعت
فروری	نعت ہی نعت (پندرھواں حصہ
مارچ، اپریل	طرحی نعتیں (حصہ دہم)
(اشاعتِ خصوصی)	طرحی نعتیں (حصہ دہم)
مئی	سرودِ نعت
جون جولائی	طرحی نعتیں (حصہ یازدہم)
(اشاعتِ خصوصی)	
اگست	نعت ہی نعت (سولھواں حصہ)
ستمبر اکتوبر	تابشِ نعت
نومبر	تابشِ نعت (غازی عامر عبدالرحمٰن شہیدؒ)

راجا رشید محمود کے اُردو مجموعہ ہائے نعت

1-ورفعنا لک ذکرک: ۲ حمدیں، ۳۷ نعتیں اور ۱۴ مناقب ہیں۔ ۱۹۷۷، ۱۹۸۱، ۱۹۹۳ (۱۳۶ صفحات) 2-حدیث شوق: ۸۷ نعتیں ہیں۔ ۱۹۸۲، ۱۹۸۴، ۱۹۸۶ (۱۷۶ صفحات) 3-منشور نعت: اُردو اور پنجابی میں نعتیہ فردیات کا پہلا مجموعہ۔ ۱۹۸۸ (۱۷۶ صفحات) 4-سیرت منظوم: نعت کی دُنیا میں قطعات کی صورت میں پہلی منظوم سیرت۔ ۱۹۹۲ (۱۲۸ صفحات) 5-92 (نعتیہ قطعات): مبسوط دیباچہ۔ ۱۹۹۳ (۱۱۲ صفحات) 6-شہر کرم: ۱۹۲+۱ نعتیں، ۱۴۳ فردیات، ۱۷۸ متفرق اشعار اور ۷۹ قطعات۔ ۱۹۹۶ (۱۹۲ صفحات) 7-مدیح سرکار ﷺ: ۶۳ نعتیں اور ۶۳ فردیات۔ ۱۹۹۷ (۱۲۴ صفحات) 8-قطعات نعت: ۲۷ نعتیہ موضوعات پر ۳۹۶ قطعات۔ ۱۹۹۸ (۱۱۰ صفحات) 9-حی علی الصلوۃ: ایک حمد + ۶۳ نعتیں + ۶۳ فردیات۔ ہر شعر میں درود پاک کا ذکر۔ ۱۹۹۸ (۱۵۴ صفحات) 10-مخمسات نعت: دُنیائے نعت میں مخمسات کا پہلا مجموعہ۔ ۵۰ خمسے۔ ۱۹۹۹ (۱۱۲ صفحات) 11-تضامین نعت: علامہ محمد اقبالؒ کے ۵۳ اشعار نعت پر تضمینیں۔ ۲۰۰۰ (۱۴۴ صفحات) 12-فردیات نعت: ۵۸۰ فردیات۔ اُردو فردیات کا پہلا مجموعہ۔ ۲۰۰۰ (۱۰۸ صفحات) 13-کتابِ نعت: ۲۰۰۰ (۵۳ نعتیں) ۱۱۲ صفحات 14-حرف نعت: ۵۳ نعتیں۔ ۲۰۰۰ (۱۱۲ صفحات) 15-نعت: ۵۳ نعتیں۔ ہر شعر میں ''نعت'' کا ذکر۔ اپنی نوعیت کا پہلا مجموعہ۔ ۲۰۰۱ (۱۱۲ صفحات) 16-سلامِ ارادت: غزل کی ہیئت میں ۹۲ سلام۔ ۲۰۰۱ (۱۰۴ صفحات) 17-اشعارِ نعت: شاعر کا دوسرا اُردو مجموعہ فردیات (۹۶ صفحات) 18-اوراقِ نعت: ۵۳ نعتوں کا ایک اور مجموعہ جن کی پانچ نعتیں مدینہ طیبہ میں کہی گئیں۔ ۲۰۰۲ (۹۶ صفحات) 19-مدحتِ سرور صلی اللہ علیہ وسلم: ۵۳ نعتوں کا مجموعہ۔ ۲۰۰۲۔ صفحات ۹۶ 20-عرفانِ نعت: ۶۳ نعتیں۔ ہر نعت قرآن پاک کے حوالے سے۔ ۲۰۰۲۔ ۱۸۴ صفحات 21-دیارِ نعت: میر تقی میر کی زمینوں میں ۵۳ نعتیں۔ ۲۰۰۲۔ صفحات ۱۰۴ 22-تسبیح نعت: ۱۰۱ نعتیں۔ ۲۰۰۳۔ صفحات ۱۵۲ 23-صباحِ نعت: ۵۳ نعتیں۔ ۲۰۰۳ 24-احرامِ نعت: ۶۳ نعتیں۔ ۲۰۰۳ 25-شعاعِ نعت۔ (۹۲ نعتیں) 26-دیوانِ نعت (ردیف وار ۶۳ نعتیں) 27-منتشراتِ نعت۔ (اُردو فردیات کا تیسرا مجموعہ۔ ۵۴۶ فردیات) 28-منظومات: ۱۹ نعتیں۔ ۵۶ مناقب۔ ۴۴ نظمیں 29-تجلیاتِ نعت: آتش کی زمینوں میں ایک حمد، ۵۳ نعتیں 30-وارداتِ نعت: ۵۳ نعتیں 31-بیانِ نعت: ۵۳ نعتیں 32-مینائے نعت: غزلیاتِ امیر مینائی کی زمینوں میں ۵۳ نعتیں۔ 33-حمد میں نعت: ہر شعر میں حمد بھی، نعت بھی۔ ۶۶ حمدیں/نعتیں 34-التفاتِ نعت: ۵۳ نعتیں۔ 35-عنایتِ نعت: ایک حمد اور ۵۳ نعتیں 36-مرقعِ نعت: امام بخش ناسخ کی زمینوں میں ۶۳ نعتیں 37-نیازِ نعت۔ ایک حمد ونعت، ۵۳ نعتیں۔ ۲۰۰۵ 38-بستانِ نعت۔ ۵۳ نعتیں۔ ۲۰۰۶ 39-سرودِ نعت۔ ایک حمد۔ ۵۳ نعتیں۔ ۲۰۰۶ 40-تابشِ نعت۔ ایک حمد۔ ۵۳ نعتیں۔ ۲۰۰۶

راجارشید محمود کی دیگر تصانیف/تالیفات

(۱) تسخیر عالمین اور رحمت للعالمین ﷺ ("وما ارسلنک الا رحمت للعالمین" کی سائنسی تعبیر و تشریح۔۲۵۶ صفحات) (۲) میرے سرکار ﷺ (مضامین سیرت۔۱۴۴ صفحات) (۳) نزولِ وحی (تحقیق۔۱۳۲ صفحات) (۴) شعب ابی طالب (موضوع پر پہلا تحقیقی تجزیہ۔۲۱۶ صفحات) (۵) حضور ﷺ کی عاداتِ کریمہ (۲۵۶ صفحات) (۶) حضور ﷺ اور بچے (۱۱۲ صفحات) (۷) میلاد النبی ﷺ (مضامین نظم و نثر کا انتخاب۔۳۳۶ صفحات) (۸) مدینۃ النبی ﷺ (مضامین نظم و نثر کا انتخاب۔۲۲۴ صفحات) (۹) حمد و نعت (مضامین نظم و نثر کا انتخاب۔۲۲۴ صفحات) (۱۰) درود و سلام (۱۲۸ صفحات) (۱۱) قرطاس محبت (مضامین سیرت۔۱۴۴ صفحات) (۱۲) میلاد مصطفیٰ ﷺ (۴۸ صفحات) (۱۳) عظمتِ تاجدار ختم نبوت ﷺ (۳۲ صفحات) (۱۴) سفرِ سعادت منزل محبت (سفر نامہ حرمین۔۲۲۴ صفحات) (۱۵) دیارِ نور (سفر نامہ حرمین۔۱۱۲ صفحات) (۱۶) سرزمین محبت (سفر نامہ حرمین۔۱۱۲ صفحات) (۱۷) احادیث اور معاشرہ (۱۹۲ صفحات) (۱۸) ماں باپ کے حقوق (۱۱۲ صفحات) (۱۹) راج دلارے (بچوں کے لیے نظمیں۔ ۹۶ صفحات) (۲۰) ترجمہ خصائص الکبریٰ از امام جلال الدین سیوطیؒ (۱۱۰۵ صفحات) (۲۱) تحریکِ ہجرت ۱۹۲۰ (تحریک کا پہلا علمی و تحقیقی جائزہ۔۴۶۴ صفحات) (۲۲) قائداعظمؒ افکار و کردار (۱۶۰ صفحات) (۲۳) اقبالؒ قائداعظمؒ اور پاکستان (۱۶۰ صفحات) (۲۴) نظریہ پاکستان اور نصابی کتب (۴۶۴ صفحات) (۲۵) ترجمہ فتوح الغیب از حضرت غوثِ اعظمؒ۔(۱۵۷ صفحات) (۲۶) ترجمہ تعبیر الرؤیا (۲۰۸ صفحات) (۲۷) مناقبِ سید ہجویرؒ (۷۲ صفحات) (۲۸) مناقب گنج بخشؒ (۷۰ صفحات) (۲۹) مناقب خواجہ غریب نوازؒ (۲۵۶ صفحات) (۳۰) مناقب حضرت غوثِ اعظمؒ (۳۶۰ صفحات) (۳۱) مناقبِ سید ہجویر داتا گنج بخشؒ (۲۰۸ صفحات)

کل ۴۸۷۶ صفحات

(۳۱) زیاراتِ مدینۃ النبی ﷺ (زیر تدوین)

راجارشید محمود کا حمد و نعت پر مزید کام

تحقیقِ نعت:

(۱) پاکستان میں نعت۔۲۲۴ صفحات۔۱۹۹۴ (۲) خواتین کی نعت گوئی (۲۲۹ نعت گو خواتین کا تذکرہ) ۴۳۶ صفحات۔ ۱۹۹۵ (۳) غیر مسلموں کی نعت گوئی (۱۸۹ ہندوؤں، ۱۶ سکھوں، ۴ عیسائیوں اور ۷ میرزائیوں کی نعت گوئی کا تفصیلی تذکرہ) ۴۰۲ صفحات۔۱۹۹۴ (۴) اُردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا۔ جلد اول ۱۹۹۴۔۴۰۸ صفحات (۵) اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا۔ جلد دوم۔۱۹۹۴۔۴۰۰ صفحات (۶) نعت کیا ہے؟۔۱۱۲ صفحات۔۱۹۹۷ (۷) اقبالؒ و احمد رضاؒ: مدحت گرانِ پیغمبر ﷺ۔۱۱۲ صفحات۔ چار ایڈیشن (۸) انتخابِ نعت۔ ۱۹۹۵۔۱۱۲ صفحات (۹) مقدمہ "نعت کائنات"۔۳۵۰۰ سطور سے زاید پر مشتمل تحقیقی مقالہ۔ (کل ۲۳۰۲ صفحات)

تدوینِ نعت:

(۱) مدحِ رسول ﷺ (۲) نعت خاتم المرسلین ﷺ (۳) نعت کائنات (۴) نعتِ حافظ (حافظ پیلی بھیتی کا انتخاب) (۵) قلزمِ رحمت (امیر مینائی کی نعتوں کا انتخاب) (۶) مدحِ سرورِ کونین ﷺ (۷) سخنِ نعت (۸) طرحی نعتیں حصہ اوّل (۹) طرحی نعتیں حصہ دوم (۱۰) طرحی نعتیں حصہ سوم (۱۱) طرحی نعتیں حصہ چہارم (۱۲) طرحی نعتیں حصہ پنجم (۱۳) طرحی نعتیں حصہ ششم (۱۴) نعت کیا ہے (۱۵) اُردو کے صاحب کتاب نعت گو حصہ اوّل، دوم، سوم، چہارم (۱۶) نعت ہی نعت۔ ۱۵ حصے (۱۵۱۲ صفحے) (۱۴۵۰ صفحات) (۱۷) غیر مسلموں کی نعت۔ چار حصے (۱۸) لاکھوں سلام۔ دو حصے (۱۹) کلامِ ضیاء القادری۔ دو حصے (۲۰) اسلام ضیا۔ دو حصے (۲۱) آزاد بیکانیری کی نعت۔ دو حصے (۲۲) حسن رضا بریلوی کی نعت (۲۳) غریب سہارنپوری کی نعت (۲۴) علامہ اقبال کی نعت (۲۵) بہزاد لکھنوی کی نعت (۲۶) محمد حسین فقیر کی نعت (۲۷) اختر الحامدی کی نعت (۲۸) شیوا بریلوی اور جمیل نظر کی نعت (۲۹) کافی کی نعت (۳۰) لطف بریلوی کی نعت (۳۱) جوہر میرٹھی کی نعت (۳۲) عبدالقدیر حسرت صدیقی کی نعت (۳۳) حقیر فاروقی کی نعت (۳۴) حمید صدیقی کی نعت (۳۵) عابد بریلوی کی نعت (۳۶) وارثیوں کی نعت (۳۷) نعتیہ مسدس (۳۸) آزاد نعتیہ نظم (۳۹) نعتیہ رباعیات (۴۰) تضمینیں (۴۱) نور علیٰ نور (۴۲) استغاثے (۴۳) موجِ نور (۴۴) فیضانِ رضا (۴۵) رسول ﷺ نمبروں کا تعارف۔ چار حصے (۴۶) حضور ﷺ کے لیے لفظ "آپ" کا استعمال (۴۷) نعتِ قدسی۔ (۴۸) طرحی نعتیں (حصہ ہفتم) (۴۹) طرحی نعتیں (حصہ ہشتم) (۵۰) طرحی نعتیں (حصہ نہم) (۵۱) نعت ہی نعت (سولھواں حصہ) (کل ۹۹۶۰ صفحات)

تدوینِ حمد:

(۱) حمد باری تعالیٰ۔۱۱۲ صفحات۔۱۹۸۸ (۲) حمدِ خالق۔۲۳۲ صفحات۔۲۰۰۳

(کل ۳۴۴ صفحات)

Monthly "Naat" Lahore

نماز اچھی حج اچھا روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ طیبہ ﷺ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

مولانا ظفر علی خاں

منظر رقم